

سَوَاحِجُ اِمْلَاحِ الْقِسَاءِ

حضرت قاری محمد عبدالمالک
رحمۃ اللہ علیہ

مُؤْتَبَرٌ

حافظ قاری ڈاکٹر فیض الرحمن قادیانی ایم اے پی ایچ ڈی

مُتَقَلَّبٌ

مولانا قاری محمد عارف ایم اے



پاکستان بک سنٹر

اُردو بازار ○ لاہور

سوانح حضرت قاری عبد الماکک صاحب	نام کتاب
قاری فیوض الرحمن صاحب	مؤلف
سید نفیس رقم صاحب	طائیل
حافظ محمد رفیق و رفقا	کتابت
حافظ خالد اقبال صاحب	پبلشر
پاکستان بک سنٹر	
	ہدیہ

اعلیٰ کاغذ ۳۳ روپے
 ہکا کاغذ ۲۴ روپے



۷۱ جیب پنک بلڈنگ اردو بازار لاہور

کچھ اس کتاب کے بارے میں

۱۹۷۱ء میں استاذِ مکرم جناب حافظ قاری فضل کریم صاحب بانی مدرسہ تجوید القرآن کو چھپکنہ گراں موتی بازار لاہور کی سوانح سے فارغ ہوتے ہی امام القراء فضیلۃ الشیخ حضرت قاری عبدالمالک صاحب بانی دارالتربیل لٹن روڈ لاہور پر لکھنے کا خیال آیا اور وہ اس وجہ سے کہ چودھویں صدی میں برصغیر پاک و ہند میں تجوید و قرأت کی جتنی خدمت انہوں نے اور ان کے بڑے بھائی حضرت قاری عبدالخالق صاحب خطیب جامع سہارنپور نے کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ بلاشبہ وہ اس فن کے امام محقق۔ اور پھر انہوں نے نہایت خلوص و محبت سے اور اشیاء کے ساتھ اس کی خدمت کی اور آج تقریباً پوری اسلامی دنیا میں ان کا یہ بیس عام ہے۔ میں نے اپنے اس ارادہ سے حضرت قاری صاحب کے فرزند اور مرکزی دایۃ التربیل کے مہتمم جناب قاری محمد شاکر انور ندوی صاحب کو بذریعہ خط آگاہ کیا، انہوں نے مثبت جواب دیا، پھر حضرت قاری صاحب کے دوسرے فرزند جناب میرانا قاری محمد عبدالماجد ذاکر صاحب سے ایک ملاقات میں اس کا ذکر ہوا تو انہوں نے نہایت فیاضی کے ساتھ دایۃ درمے، سخنے تعاون کا یقین دلایا، پھر سوانح کے لئے مواد کے مسئلہ میں کوشش کرتا رہا مگر اس میں بہت وقت لگ گیا، اور تاخیر کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ قاری محمد عبدالماجد ذاکر صاحب نے سوانح کے اکثر مضامین خود پڑھ بھی لئے اور قابل اصلاح مواد کی تصحیح

لے قاری صاحب اپنے والد گرامی کے محبوب شاگرد ہیں۔ جب پڑھتے ہیں تو یوں لگتا ہے، جیسے قاری عبدالمالک صاحب پڑھ رہے ہیں۔ ان کی صحیح کاپی اور ان کے علوم و ادائے وارث اور امین ہیں۔ نہایت متقی اور صالح عالم و قاری ہیں۔

بھی کر دی جس کے لئے میں ان کا۔ بے حد ممنون ہوں، اگر ان کا یہ تعاون حاصل نہ ہوتا تو یہ کتاب مندرجہ شہود پر نہ آسکتی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائیں، راقم الحوادث اپنے ان تمام محنوں کا بھی دل سے قدردان ہے۔ جنہوں نے حضرت تاجی صاحب کی سوانح کے سلسلہ میں اپنے قیمتی مضمون ارسال فرمائے۔

فجزاہم اللہ خیراً

مقدمہ برادر محترم جناب مولانا قاری محمد عارف صاحب ایم اے، ایم اڈ، ایل، قاضی جامعہ اشرفیہ لاہور دہ، فضل قرأت کے تلم سے ہے۔ میں ان کا بھی شکریہ گزار ہوں۔

کتابت جناب حافظ محمد رفیق و رفقاہ اور سرورق سیدی نفیس رقم صاحب مدظلہم کے قلم سے ہے۔ فجزاہم اللہ خیراً۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنے دربار میں قبول فرمائیں اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دیں، اور ہمیں اپنی کتاب پاک کے مجلس خادموں میں رکھیں اور انہیں میں سے اٹھائیں اور اس قرآن مجید کے ساتھ ہمیں جان سے زیادہ محبت عطا فرمائیں۔ اس کی صحیح تلامذت، صحیح فہم اور صحیح عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور قیامت میں اسے ہمارا شافع بنائیں۔

آمین یا الہ العالمین

طالب رحمت

فیوض الرحمن



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له
عوجاً والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين
المهدي إلى الناس والعالمين، مهبط الوحي والقرآن
العظيم، شافع الأولين والآخرين، معلّم الحكمة والكتاب
المبين، وعلى آله واصحابه الذين حفظوا القرآن
وجمعوه، وكتبوه وبلغوه إلى التابعين، وعلى القراء
والشّواة الذين نقلوا القرآن الكريم وعلى جميع
قراء أمته وحفاظه وعلماؤه الذين يتلون كتاب
الله حق تلاوته، ويُقرؤنه ويُقرءون الناس كما
وصل إليهم من خاتم الانبياء والمرسلين، وبارك
وسلم تسليماً كثيراً.

اللهم صل على محمد بعد من صلي عليه
وصل على محمد بعد من لم يصلي عليه، وصل
على محمد كما أمرت بالصلوة عليه، وصل على محمد
كما تحب أن يصلي عليه، وصل على محمد كما ينبغي
أن يصلي عليه

آمین! برادر مكرم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب دامت فیوضہم کی ترتیب

دی ہوئی کتاب بذریعہ پارسل مجھ تک پہنچی بہت خوشی ہوئی کہ حضرت امام القراءؒ کے حالات کتابی شکل میں محفوظ ہو گئے ہیں اور بطور یادگار باقی رہیں گے۔ جن سے بعد میں آئیوے اہل علم بھی مستفید ہوتے رہیں گے۔ حق تعالیٰ فاضل مؤلف اور اتاذ القراءؒ بخیر و مافا کریم حضرت قاری عبد الماجد ذاکر صاحب دامت برکاتہم کو جزاء خیر دیں، سب سے زیادہ حصہ محنت و مشقت اور مالی تعاون ان ہی دو بزرگوں کا ہے۔

فَتَقَبَّلَ اللَّهُ مِنْهُمْ هَذِهِ الْمَسَاعِيَ الْجَمِيلَةَ وَجْزًا هَدَاهُ اللَّهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ

محرم و مکرم فاضل مؤلف نے، راقم الحروف سے سوانح کا مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ فرمائش کی وجہ سے بھی تعمیل ضروری ہے۔ اور چونکہ یہ خطا کار بلا واسطہ، حضرت قاری صاحب کے خوشہ چینیوں میں ایک اعلیٰ تہذیب چھپ چکا ہے۔ اس لئے بھی چند سطور لکھنا، اس عاجز کے لئے باعث خیر و برکت اور سعادت ہے۔ اس فرمائش کی تعمیل اور حصول سعادت کے لئے یہ چند سطور لکھی جا رہی ہیں۔ حق تعالیٰ قبول فرمائیں۔

احقر نے بلا واسطہ امام القراءؒ سے نہیں پڑھا، کچھ نو عمر ہونے کی وجہ سے، اور کچھ حضرت قاری صاحبؒ کے رعب و جلال کی وجہ سے ہمت نہ ہوئی۔ البتہ حضرت قاری صاحبؒ کو قریب سے دیکھا ہے، تلاوت سنی ہے۔ حضرت کی تلاوت بہت ہی عمدہ تھی۔ صبح معنی میں تو اس فن کے ماہر ہی لطف اندوز ہوتے تھے، تاہم ہمارے جیسے اس فن سے ناواقف بھی متاثر ہوتے اور محفوظ ہوتے تھے۔

مجھے خوب یاد ہے، غالباً ۱۹۵۲ء یا اس کے لگ بھگ، اکی بابت ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسے میں حضرت قاری صاحبؒ کی تلاوت ہوئی بہت عجیب تھی تلاوت ختم ہوئی تو ایک شخص نے بھرے جلسے میں ایک سو روپے بطور ہدیہ پیش کئے اور اس وقت ایک سو روپیہ تو خاصی رقم تھی۔ غرض بلا واسطہ پڑھنے کی اس عاجز کو سعادت نصیب نہ ہو سکی، تلاوت سنی، پڑھاتے ہوئے بھی دیکھا۔ شکل و صورت بالکل دماغ میں محفوظ ہے۔ معتدل قد و قامت، چہرہ پر جلال اور پُر رونق، آثار قرآن چہرہ سے ٹپکتے

تھے ورزشی جسم تھا، قومی اور مضبوط تھے۔ گرمیوں میں سفید ٹوپی دیکھی اور سردیوں میں عمامہ ہوتا تھا۔ جہاں بیٹھتے تھے، وہ جگہ بھی اچھی لگتی تھی۔

بزرگوں کے تذکرے انبوالول کے لئے باعث برکت و موعظت ہیں۔ سوانح میں قارئین عجیب و غریب حالات پڑھیں گے، صرف ایک ہی بات جو حضرت مولانا قاری غلام نبی صاحبؒ کے مضمون میں ہے، کہ حضرت امام القراء کے نزدیک قرآن مجید کے ساتھ کسی بھی کتاب کا، خواہ بخاری شریف ہی کیوں نہ ہو تعارض نہ ہو سکتا تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ کسی بھی طرح اس تعارض کو تسلیم نہ فرماتے تھے، اگر ہم دینی درسگاہوں کے طلبہ اس حقیقت کو سمجھ جائیں تو علم تجوید سے کبھی بھی محروم نہ رہیں، بلکہ کوئی بھی شخص محروم نہ رہے۔ جب بخاری شریف سے تعارض نہیں تو اور کسی کتاب یا کاروبار سے کیسے تعارض ہو سکتا ہے۔

الغرض اکابر کے تذکرے باعث برکت ہیں، حق سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے بیان فرمائے ہیں، حضرت مریم علیہا السلام کا بھی ذکر فرمایا، اصحاب کہف کا بھی، اور کچھ کرامات بھی حضرت مریم علیہا السلام کی بیان فرمائی ہیں۔ ان تذکروں میں پند و موعظت اور دل کی مضبوطی ہوتی ہے۔ اسلاف کے حالات سے اخلاف مستفید ہوتے ہیں۔

۴۔ راقم الحروف نے کچھ حصہ قرآن مجید کا اور شاطبیہ کا حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحبؒ ڈیروی دامت برکاتہم سے پڑھا ہے، اور باضابطہ روایت حفصؒ اور یحییٰ زان قرأت سبع و عشر حضرت مولانا قاری عطاء اللہ صاحبؒ ڈیروی دامت برکاتہم سے پڑھی ہیں۔ مجاریع اور صفات حضرت قاری محمد شاکر النور دامت فیوضہم سے پڑھی ہیں، اور یہ تمام کا تمام فیض حضرت امام القراء کا ہے۔ حضرت مخدومنا المکرم، استاد محترم قاری عطاء اللہ صاحبؒ مدظلہم نہایت شفیق ہیں سرکاری دارالتربہ میں طلبہ و علماء کے لئے، اللہ تعالیٰ کی عطا اور نعمت ہیں۔ راقم الحروف بہر حضرت موصوف کے بہت احسانات ہیں بحق تعالیٰ جزاء خیر دیں۔

بزرگوں کی تذکرہ نگاری محترم و مکرم ڈاکٹر صاحب کا خاص الخاص موضوع ہے۔

بزرگوں کی دعائیں، ڈاکٹر صاحب کے شامل حال رہتی ہیں، اور اعمال صالح کی توفیق ملتی رہتی ہے، عزت ملتی ہے، عہدوں میں ترقی ہوتی ہے۔ حرمین شریفین کی زیارتیں ہوتی ہیں، اور بزرگانِ دین کے مبارک سائے میں اپنی حفاظت بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور اپنا ذکر خیر بھی جاری رہتا ہے۔ اکابر کے سوا رخ سے، ڈاکٹر صاحب نے اپنے لئے حفاظت بقا اور نجات کا سامان کیا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ میں حق تعالیٰ نے بہت صفات جمع فرمادی تھیں، علم، زہد، تقویٰ اور استغناء وغیرہ لیکن حضرتؒ کا خصوصی کمال تجوید اور قرأت

امام القراء کا خصوصی کمال
ترویج تجوید اور قرأت ہے

کی ترویج ہے۔ وہ علم جو کہ افضل العلوم ہے اور جس کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ کی کتاب سے ہے۔ یعنی تجوید، اس علم سے ہمارے علاقوں کے علاقے خالی پڑے تھے، ہمارے لہجے خود ساختہ تھے، عربیت مفقود تھی، ہم بالکل محنِ جلی کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور احساس بھی نہ تھا۔ ہم ہزارہ کے دیہاتوں میں حاء کی جگہ خاء پڑھتے تھے۔ جیسے رحمۃ میں رخمۃ، الحمد میں الحمد اور پنجاب کے علاقوں میں حاء کی جگہ واضح خاء پڑھی جاتی تھی، ہمارے مخارج اور صفات مصنوعی تھیں۔ وقف اور وصل کا ہمیں صحیح علم نہ تھا۔ حالانکہ تجوید کا علم کتاب و سنت و اجماع امت سے ثابت ہے ورنہ القرآن ترتیلًا اُسی طرح دوسری جگہ میں فرمایا "وَقَدْ اَنَا فَرَقْنَاهُ لِتَقْدَاهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مَكْتٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا" اور ارشاد باری ہے "اِنَّا نَزَّلْنَاهُ قَدْ اُنْزِلَ عَلَيْنَا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" اور مؤطا و انسائی میں ہے: اقْرَأُوا الْقُرْآنَ بِالْحَوْنِ الْعَرَبِيِّ، یہ علم جو افضل العلوم و اشرف العلوم اور جو قدر و منزلت میں تمام علوم سے اعلیٰ ہے، اس نہایت اہم علم کے ساتھ یہ اعتنائی برتنی جا رہی تھی۔

حضرت قاری صاحب کا بہت بڑا کمال یہ ہے کہ تجوید و قراءت کے فیض کو عام کر دیا، چنانچہ ہر طبقہ کے لوگ ملازمین، تاجرین مستفید ہوئے۔ اور ہر مکتبہ فکر مستفیض ہوا۔ اور یہ فیوض و برکات عرب و عجم میں پہنچے۔ اُستاذ القراء حضرت مولانا سید قاری حسن شاہ مدظلہم لکھتے ہیں: آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس دور کے علماء، قراء اور مشائخ کے نزدیک سب سے اقرع اور فن تجوید و قراءت کے مُستَم امام قاری عبد المالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حسب وعدہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن پاک کی صحت کا معیار بنایا۔ تقسیم مہند سے قبل عرصہ دراز تک، مدرسہ عالیہ فرغانہ لکھنؤ میں کتاب اللہ کی خدمت کرتے رہے، تقسیم کے بعد حضرت قاری صاحب رحم اللہ تعالیٰ جیب پاکستان تشریف لائے تو سرزمین پنجاب خصوصاً صوبائی دارالحکومت لاہور میں زندگی کے آخری لمحات

۱۰ اور پروفیسر نذراحمہ لکھتے ہیں:

”امام فن القراءہ قاری عبد المالک صاحب مرکزی دارالتربیل کے مونس تھے۔ آپ ۱۹۵۲ء میں لاہور تشریف لائے اور فن تجوید و قرأت کی اشاعت و خدمت میں بہت ہی مصروف ہو گئے۔ یہ بجا طور پر درست ہے کہ موجودہ دور میں فن تجوید و قرأت کی ترویج و اشاعت میں قاری صاحب کی ذات گرامی کا بڑا حصہ ہے۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ / نومبر ۱۹۵۸ء میں مدرسہ دارالتربیل کی بنیاد رکھی گئی۔ درس و تدریس لٹن روڈ مسجد باغینچہ نواب صاحب مزنگ روڈ لاہور میں ہوتی ہے۔ دارالتربیل فن تجوید و قرأت کی تدریس اور مشق کی اہم درس گاہ ہے۔ فارغ التحصیل طلبہ کو سند دی جاتی ہے۔ روایتِ حفص کے علاوہ قراءات سبعہ و عشرہ کی تدریس بھی ہوتی ہے۔ ۱۹۶۲ء میں ۱۶ طلبہ سند حاصل کر چکے ہیں۔ مستم و صدر مدرس قاری محمد شاکر انور صاحب مستند مدرسہ عالیہ فرغانہ لکھنؤ و حضرت قاری صاحب کے فرزند ہیں“ ۱۰

(۱۰) پروفیسر حافظہ نذراحمہ، جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان: لاہور: ۳۹، بحوالہ فیضانِ رحمت: ص ۵۰، ۵۱)

۱۰ النزل، ۴۴، بنی سرائیل، ۱۰۵، ۵، یہ صفحہ ۶۰۲، نہایت القراء، ۱۰۵، ۱۰۶

ہمک فرق تجوید و قراءات کے فیض کو ایسے اخلاص کے ساتھ عام فرمایا کہ جس کی برکات پورے پاکستان کے کونے کونے اور گوشہ اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئیں قرآن پاک کی صحت ادا کی خوشبو نے تو اب مدارس سے پھیل کر سکولوں، کاليجوں اور حکومت کے ایوانوں تک کو معطر کر دیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۛ

کتاب میں قارئین کے لئے معزز قاری صاحب کے تفصیلی حالات مندرج ہیں ان میں سے بعض مضامین تجوید و قراءات کے اساتذہ کرام کے ہیں جو حضرت امام القراء کے خصوصی شاگرد ہیں۔ اور علماء کرام کے بلند پایہ مضمون ہیں۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ وہ بزرگ ہیں جو انتقال فرما چکے ہیں۔ حق تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں۔ مثلاً اُستاد القراء حضرت قاری محمد شریف صاحب اُستاد القراء حضرت قادی غلام نبی صاحب کوئٹہ والے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موجودین بزرگوں میں جن کے مضامین کتاب میں شامل ہیں، وہ اُستاد القراء حضرت قادی اظہار احمد صاحب تھانوی دہلی برکاتہم اُستاد القراء قادی عبد الماجد ذاکر صاحب برکاتہم اُستاد العلماء حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب برکاتہم حضرت مولانا قادی عبد القادر صاحب ایم اے حضرت قادی سرفراز صاحب تھانوی حضرت قادی تقی الاسلام صاحب جناب ڈاکٹر قادی فیض الرحمن صاحب ہیں۔ ان بزرگوں نے بڑی محنت اور تحقیق سے یہ مضامین لکھے ہیں، جو موجود ہیں۔ حق تعالیٰ تادیر سلامت رکھیں اور جو انتقال فرما چکے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور ان کے درجات بلند فرمائیں۔ فاضل مؤلف محترم المقام ڈاکٹر قادی فیض الرحمن صاحب نے جس عرق ریزی سے یہ کام کیا ہے۔ اس کا احساس مجھے مقدمہ لکھتے ہوئے ہو رہا ہے۔

فجناہ اللہ خیر الجزاء وسلمہ اللہ تعالیٰ ووفقہ لما یحب ویرضی

غہ آج ہزارہ، بلکہ پورے سرحد اور کشمیر کے شہر، پہاڑ اور چوٹیاں سندھ کے شہر، قصبات، دیہات، بلوچستان کے پہاڑ اور شہر، پنجاب کے میدان آیات کی با تجوید گمہ بخ رہی ہیں۔

ورفعہ لخدمۃ القرآن وحفاظہ وقرآن وعلماؤ

استاذ العرب والجم حضرت قاری عبد الماکت کایہ بہت بڑا کارنامہ ہے جس کا اعتراف حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے بھی کیا ہے۔

آخر میں ہم وہی دعا کرتے ہیں جس سے خطبہ کا آغاز کیا ہے۔ حق تعالیٰ جزاء خیر دیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی کامل جزاء جس کے نبی کریم اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل ہیں، اور ایسی کامل جزاء جو حق تعالیٰ، ذوالجلال والاکرام کی شان کے مطابق ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) نے اسی طرح قرآن مجید حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تک پہنچایا۔ جس طرح کہ نازل ہوا تھا، پھر حضرات صحابہ کے واسطے سے آئمہ قرأت اور رواۃ تک پہنچا، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی نظم کے آغاز میں بہت پیارے کلمات لائے ہیں۔

بَدَأْتُ بِبِسْمِ اللَّهِ فِي انْتِظَمٍ أَوَّلَا	تَبَارَكَ رَحْمَانُ رَحِيمٌ وَمَوْحِلَا
وَتَنَزَّلَتْ عَلَى اللَّهِ رَبِّي عَلَى الرِّضَا	مُحَمَّدٍ الْمَهْدِيِّ إِلَى النَّاسِ مَرْسَلَا
وَعِزَّتِهِ ثُمَّ الصَّحَابَةِ ثُمَّ مَنْ	تَلَاهُمُ عَلَى الْإِحْسَانِ بِالْخَيْرِ وَبَلَا
اور پھر خاتم کتاب میں فرمایا۔	

وَاخِرُ دَعْوَانَا تَبَوُّعُ رِبِّنَا	إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ الَّذِي وَحَدَهُ عَلَا
وَلَعَدُ صَلَوةِ اللَّهِ ثُمَّ سَلَامُهُ	عَلَى سَيِّدِ الْخَلْقِ الرَّضِيِّ مَنَّحِلَا
مُحَمَّدٍ الْمُخْتَارِ لِلْمَجْدِ كَعِبَةِ ۞	هَلُوَّةِ تَبَارَكِ الرَّيِّحِ مَسْكَ وَمَنْدَلَا
وَتَبَدَّى عَلَى أَصْحَابِهِ نَفَعَاتُهَا	بَغَيْرِ تَنَاهٍ زَرِينَا وَقُرْنَقَلَا ۞

۞ الشافعیہ۔ ص ۱۲۸ نہایت مؤثر شعر ہے، خطا کار اتم نے جب بھی یہ شعر پڑھا ہے ساختہ

آنکھوں میں آنسو آگئے ۞ الشافعیہ ص ۱۲۸

پھر اُن تمام آئمہ قرات اور رِوَاۃ کے لئے جزاء خیر کی دعا کی ہے جنہوں نے جوں کا توں شریں اور صاف قرآن ہمارے لئے نقل فرمایا ہے۔

پس ہم وہی دُعا کرتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اس مبارک سلسلہ کے تمام ناقلین اور رِوَاۃ کے لئے اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اساتذہ کرام کے لئے جو حضرت قاری صاحب کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہیں اور بالخصوص اُن اساتذہ کرام کے لئے جو حضرت قاری صاحب کے تحت جگر خلف الرشید اور صدقہ جاریہ ہیں۔

جزی اللہ بالخیرات عنا ائمتہ لاناقلوا القرآن عذبا وسلسلا

اللہم صلّ علی محمد وآلہ

بعدد ما فی جمیع القرات حرفاً حرفاً
وبعدد کل حرفٍ الفنا الفنا سبحان ربّک
رب العزّة عما یصفون۔ وسلامٌ علی المرسلین
والحمد للّٰہ ربّ العلمین
العبد۔ محمد عارف ایواری
درس جامعہ غزالیہ، خطیب جامع مسجد ہوشلنگ ایڈورڈ
میڈیکل، لاہور۔

۲۶ شعبان ۱۴۰۳ھ

۹ جون ۱۹۸۳ء

اللہ استادنا المکرم ومخدومنا المحترم حضرت قاری محمد شاکر انور صاحب ماحضت بکاتیم
ومخدومنا المکرم، استاد القراء فی العرب والبعث حضرت قاری عبد الماجد ذاکر صاحب مکتبہ بلخ
رحمۃ اللہ علیہم اگرچہ امام القراء وصال فرما چکے، لیکن صدقات جاریہ باقی ہیں۔ اور انشاء اللہ رہیں گے۔
ہرگز خیر دآنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما
اللہ الصفت۔ ۱۸۰ ۱۸۱

از: قاری فیض الرحمن

امام التجوید حضرت قاری عبدالمالک صدیقیؒ

۱۳۰۳ ~ ~ ~ ۱۲۶۹ھ

آپ ۱۳۰۳ھ کو شیخ جیون علی صاحب کے ہاں علی گڑھ میں پیدا ہوئے سلسلہ نسب سیدنا صدیق اکبرؓ تک جا پہنچتا ہے۔ پیدائش سے قبل ہی والد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے تھے والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی قاری عبدالحالی صاحب نے تربیت کی۔

ابتدائی تعلیم

ابھی چار سال کے تھے کہ آپ کو حافظ محمد صدیق صاحب کے ہاں رائے کلیم علی گڑھ بھجوا دیا گیا۔ جہاں آپ نے ابتدائی تعلیم ناظرہ حاصل کی۔

۱۳۱۳ھ میں والدہ صاحبہ کے ساتھ حج کو گئے مدرسہ مولتیہ مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک تعلیم پاتے رہے وہاں آپ کی رہائش ”محلہ جبار“ میں تھی پہلے آپ نے استاذ القراء حضرت عبد اللہ صاحب مہاجر مکی سے قرآن مجید حفظ کیا پھر روایت جفص کی تکمیل کی۔ مدرسہ مولتیہ مکہ مکرمہ کے ممتاز تلامذہ میں آپ کا ذکر انیسویں نمبر پر کیا گیا ہے۔

اعلیٰ تعلیم

آپ نے حفظ قرآن اور تجوید کے ساتھ حدیث، فقہ، تفسیر اور عربی ادب کا درس بھی

یہیں لیا۔ ۱۳۲۰ء میں بڑے بھائی قاری عبدالحق صاحب سے ایک سال قبل واپس
ہندوستان آگئے۔ ۱۳۲۱ء میں قاری عبدالحق بھی واپس آگئے سہارنپور کے ایک محلے میں
دونوں بھائیوں نے قرآن سنائی تحسین و افزون کے نعرے بلند ہوئے۔ ۱۳۲۳ء میں دونوں
بھائی مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں مامور ہو گئے تین سال تعلیم دینے کے بعد ۱۳۲۶ء میں آپ
ترک ملازمت کر کے تھانہ بھون چلے گئے۔

۱۳۲۸ء میں آگرہ پہنچے اس دوران میں تدریس کا شغل جاری رہا۔ پھر بریلی، ٹونک
اور مدرسہ فرقانیہ کھنوا جا کر طلبہ کو فیض پہنچاتے رہے۔

۱۳۳۰-۳۸ء میں الہ آباد جا کر شیخ الشہداء عبدالرحمن مکی سے قراءات سبعہ کی
تکمیل کی۔ مدرسہ عالیہ کھنوا میں ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔
۱۳۵۵ء میں مولانا حمید حسن خان شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ آپ کو اپنے
ساتھ ٹونک لے گئے وہاں بھی ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔

پاکستان میں

قیام پاکستان کے بعد آپ ۱۹۵۰ء کے قریب پاکستان تشریف لے آئے۔
مولانا احتشام الحق تھانوی کے اصرار پر دارالعلوم اسلامیہ ندوۃ الہیہ میں دو سال کے لگ بھگ تدریس
کی پھر دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں شیخ التجوید مقرر ہوئے اور آٹھ سال تک اعلیٰ
تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۶۰ء میں بھائی کے انتقال پر سہارنپور جانا ہوا پھر چند دن کے
بعد واپس آگئے۔

مرکزی دارالتربیت میں

۱۹۵۸ء میں بعض وجوہ کی بناء پر اپنے دارالعلوم اسلامیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور
لن رورڈ مننگ لاہور پر مرکزی دارالتربیت کی بنیاد رکھی۔ یہاں بھی طلبہ کا ہجوم ہو گیا آپ
تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے کہ آخر دسمبر ۱۹۵۹ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔
اردو میں سعد شاہ جہانپوری نے تاریخ وفات کہی ہے

ماہر تجوید معروض جہاں

بندہ معتبر بابر و علی

پر درجہ چو رخصواں دید گشت

ستاری اعظم بیاد حرب

عربی میں مولانا قاری اظہار احمد تھانوی نے اپنے استاد گرامی کا تازہ مادہ تاریخی درج ذیل
اشعار میں لکھا۔

تدمنی شیخنا عن الدینا

لحق الله فی حجاب النور

یا من انبت ذکرہ فی الدھر

قدس الله فبرل المعمور

كنت فی الوقت نال الحجزری

جبل شامقاً وراء صحور

سار تحت التراب من هوناً

ش نظیفاً معطراً ذا نور

فدخلا الیوم مسند التجوید

فاذا شیخ مجتہد مغمور

۱۲۷۹ھ

حضرت قاری صاحب نہایت خوش الحان اور بے شمار عربی لہجوں کے ماہر اور جامع تھے، حسینی لہجہ، مصری لہجہ، عشاق لہجہ اور خصوصیت سے مایہ لہجہ زیادہ پڑھتے تھے آپ کے پڑھانے کا انداز اتنا عمدہ تھا کہ آپ کے شاگردوں میں آپ کی صفات صاف جھمکتی دکھائی دیتی ہیں۔ آپ کی آمد سے قبل اس فن سے لوگ واقف نہ تھے آپ کی مخلصانہ خدمات کے بعد یہ فن عام ہوا۔ اور لاہور تجوید و قرأت کا بھی ایک عظیم مرکز بن گیا۔ پروفیسر مولوی ظفر اقبال لکھتے ہیں :-

”تشکیل پاکستان کے بعد ہندوستان سے بہت سے قاری پاکستان میں آکر آباد ہوتے ان کی آمد سے پاکستان میں اصول تجوید کے مطابق تلاوت قرآن کی مبارک تحریک شروع ہو گئی اس سلسلے میں امام القراءات الحاج حافظ قاری عبدالملک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے جنہوں نے پرانی انارکلی لاہور کے دارالعلوم اسلامیہ میں تجوید و قرأت کی تدریس کی داغ بیل ڈالی۔“ (سیارہ قرآن منبر)

آپ کی پاکستان میں تشریف آوری پر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ نے فرمایا تھا کہ ”لاہور میں حفزہ قاری صاحب کی تشریف آوری اہل پاکستان کے لیے عموتا اور اہالیانہ لاہور کے لیے خصوصاً خداوند تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے“

شاعری

قاری صاحب اردو زبان کے اچھے شاعر بھی تھے غلط تخلص تھا مشاعروں میں

بھی شرکت کیا کرتے تھے آپ کے کلام سے استادانہ مہارت کا اندازہ ہوتا ہے غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

نقشہ دیر و سرم بر پا کیا آپ نے جو کچھ کچب اچھا کیا
محو آرائش رہے وہ صبح تک کھڑے ہیں بیمار غنیم بدلایا کیا
میری حیرت اک نشان بن گئی وہ مجھے اور میرا نہیں دیکھا کیا
الہ ذراے دل کے چھالے المذ جس نے دیکھا پھوٹ کر روایا کیا
کھل گئیں جب دل کی آنکھیں اے فاش
وزہ وزہ میں اسے دیکھ لایا کیا

صوفیانہ مسلک

آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ پر بیعت کی اور انہی سے باطنی اصلاح کرواتے رہے۔

اولاد

آپ کی دو بیویوں کی اولاد میں ۹ فرزند اور دو دختران ہیں ان میں سے چھ بیٹے حافظ وقاری ہیں۔

حافظ وقاری محمد شاہ کمالیہ مستم مرکزی دارالتربیل لٹن روڈ لاہور

حافظ وقاری محمد طاہر ریڈیو انجینئر کراچی

حافظ وقاری محمد عبدالعزیز کمالیہ مدرسہ تہذیب القرآن ریاض سعودی عرب

محمد ناصر ملازم ریاض سعودی عرب

محمد عامر بدر ملازم ریاض سعودی عرب

۶۔ منظور المتان متعلم ایم اے لاہور

حافظ قاری مرغوب الانام متعلم کراچی

۱۔ حافظ قاری عبدالقادر ایم اے پرنسپل ورلڈ اسلامک سٹڈیز سرکل کراچی

۲۔ حافظ قاری حکیم عبدالرشید فاضل طب کراچی

قاری محمد عبدالماعذ ذاکر قاری صاحب کے علمی کمالات کا بہترین نمونہ اور مایہ ناز شاگرد ہیں تجوید کا پاکیزہ ذوق ورثہ میں ملا ہے آپ ۱۹۶۳ء سے ریاض میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ممتاز ترین تلامذہ

حضرت قاری صاحب نے نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ تجوید و قرأت کی تدریس میں صرف کیا۔ آپ کے شاگرد اور آگے ان کے شاگرد بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور ملک اور بیرون ملک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں ان میں سے ممتاز ترین تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

قاری حافظ محمد سابق بکھنوی قاری عشرہ شیخ التجوید مدرسہ فرقانیہ بکھنوی

قاری حافظ حبیب اللہ ٹونکی قاری عشرہ قاری امیر احمد صوفی ٹونکی

قاری صبیحہ اللہ ٹونکی عشرہ قاری مولا بخش ٹونکی

قاری محمد منیر بکھنوی مولانا محمد شرف الدین گیاوی قاری سبہ

قاری محمد فخر الدین گیاوی قاری سبہ

- مولانا قاری حفظ الرحمن شیخ التجوید دارالعلوم دیوبند
- قاری محمد اسلم کھنوی قاری نسیم الدین عظیم آبادی
- قاری مہدی حسن قاری سبہ قاری حبیل اشرف مونگیری
- محمد ادریس بخاری قاری سبہ قاری عبدالخالق کھنوی
- قاری عبدالعزیز اکبر آبادی قاری محمد یونس کانپوری
- قاری عبدالوہاب مکی لاہور قاری محمد علی مکیش اکبر آبادی قاری سبہ
- قاری اسد خان بن مولانا قاری حیدر حسن شیخ الحدیث ندوۃ العلماء کھنوی
- قاری ناز خان کانپوری محمد خان کھنوی
- قاری غلام نبی گیاوی سبہ قاری محمد نعمان طباوی
- مولانا قاری سدا اللہ بخاری سبہ مولوی قاری ریاست علی کھنوی
- مولانا قاری انوار احمد تھانوی قاری عشرہ صدر مدرس تجوید القرآن مولی بازار لاہور
- حافظ قاری مدرسہ لیسٹری قاری عشرہ مرکزی دارالقرآن ماڈل ٹاؤن لاہور
- قاری نواز احمد استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قاری عمر دراز ریڈیو پاکستان
- قاری علی حسین صدیقی قاری سہیل پاکستان قاری غلام رسول قاری ریڈیو، ٹی وی پاکستان
- قاری حکیم سید قربان علی شاہ حیدر آباد سندھ
- قاری عبدالکریم ترکستانی خلیفہ مجاز شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری مکہ مکرمہ
- قاری حافظ سید افتخار احمد شاہ کوئٹہ مولانا قاری غلام نبی ایرانی قاری سبہ کوئٹہ
- مولانا قاری سید حسن شاہ بخاری قاری سبہ صدر مدرس شعبہ تجوید رحیمہ نیکل کھنوی لاہور
- مولانا حافظ قاری حامد میاں شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

۱۔ قاری محمد عثمانی صاحب ابن مولانا برآت صاحب بہت خوش آواز اور شہید
روایت شخص

۲۔ قاری محمد ابراہیم " " " " " "

۳۔ قاری عبد اللہ ولایتی

۴۔ قاری محمد سعید بنگالی گوہر انوارہ کلی نذر باوا

۵۔ پروفیسر صالح سعید مرے کالج سیالکوٹ

۶۔ قاری عبد الرحمن و محمد دین خوشابی

۷۔ قاری عزت علی صاحب ٹوانہ اونچی مسجد مزنگ چوک

۸۔ قاری محمد حنیف کشمیری

۹۔ قاری عطاء الرحمن فیصل آبادی

۱۰۔ قاری عطاء الحسن ابن امیر شریعت

۱۱۔ ڈاکٹر پروفیسر ظفر اقبال صاحب

مولانا حکیم قاری عبد الحکیم فاضل دیوبند قاری سبہ فیض باغ لاہور

قاری محمد صدیق دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور

قاری غلام محمد سابق مدرس مدرسہ تجوید القرآن موقی بازار لاہور

مولانا قاری سعید الرحمن صاحب جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

مولانا قاری فضل الرحیم صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

قاری عبد القادر جامعہ فاروقیہ بہاولپور

قاری محمد فضل صاحب مرحوم قاری سبہ

مولوی قاری محمد ابراہیم المعروف شیر محمد امام جامع مسجد پنجاب یونیورسٹی لاہور

قاری محمد سلطان مدرسہ نظامیہ قرآنیہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور

سوانحی و تعلیقات

انچے استاذ حضرت قاری عبد الرحمن صاحب مکی کی کتاب "فوائد مکیہ" پر آپ نے

بڑا عمدہ حاشیہ تحریر فرمایا اس کا نام تعلیقات مائیکہ ”رکھا اور یہ بار بار چھپ کر ختم ہوا اور اب بھی چھپ رہا ہے ۔

فوائد مائیکہ کے علاوہ آپ نے ”الشاطبیر“ پر بھی نہایت عمدہ حاشیہ لکھا جو آپ کے نام کے بغیر کھنڈے چھپا آپ نے کسی وجہ سے اس پر اپنا نام لکھنا گوارا نہ فرمایا تھا۔ اب پاکستان بک سنٹر ہم اردو بازار لاہور میں پہلی بار چھپا ہے اللہ تعالیٰ برادرِ مکرم خالد اقبال صاحب جو اس کے ناشر ہیں اور برادرِ گرامی مولانا قاری محمد عارف صاحب ایم اے جو اس کے محرک ہیں کی خدمت کو قبولیت سے نوازے اور قرآن کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے ۔ آمین یا اللہ العالین ۔



آپ کا ایک رسالہ نظام التجوید بھی ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہو سکا اس کا عکس مولانا قاری عبدالمالک لغتسبندی ہزاروی سنپاس بھی ہے ۔

ولد الشيخ عبد المالك بن جيون على

ولادته

الصد بقي في علي كره في عام ١٣٠٣ هـ

انتقل والده إلى رحمة الله قبل ولادته فربته والدته
وشقيقه الشيخ عبد الخالق المقرئ -

قرأ على الشيخ محمد صديق في بلدة ثم سافر

تعليمه

إلى الحرمين الشريفين في عام ١٣١٣ هـ مع أسرته

رائي مع والدته وشقيقه، والتحق بمدرسة الصوليتة شارع
جبل كعبه، مكة المكرمة، وحفظ القرآن الكريم عن ظهر الغيب
على الشيخ عبد الله المقرئ المهاجر مكي وقرأ عليه كتب التجويد
وأكمل دراسته هناك وحصل على شهادة رواية حفص من
المدرسة الصوليتية، وقرأ كتب الدينية في المدرسة
المذكورة أيضاً، ورجع إلى وطنه في عام ١٣٢٠ هـ ورجع شقيقه
في عام ١٣٢١ هـ وعيّن أستاذاً في مدرسة تجويد القرآن سهارنفور
في عام ١٣٢٣ هـ

عام ١٣٢١ هـ وعيّن أستاذاً في مدرسة تجويد القرآن

درسه

سهارنفور في عام ١٣٢٣ هـ ودرس فيها إلى ١٣٢٦ هـ

دسافر إلى تها نه بهون ودرس هناك، ثم سافر إلى ألك
 دسافر إلى ألك أباد
 في عام ١٣٢٨هـ

في عام ١٣٣٧هـ وقرر قراءات العشرة على الشيخ عيد الرحمن المكي
 ودرس في المدرسة العالية الفرثانية بلكناء مدة طويلة
 وكان شيخ التجويد هناك

ودرس في المدرسة الناصرية بتونا في عام ١٣٥٥هـ ودرس
 بدار العلوم الإسلامية تندد ألك يارلستين دسافر إلى
 لاهور وعين شيخ التجويد والقراءات في دار العلوم الإسلامية
 في ألك ألك القديم ودرس هناك ثمان سنوات تقريباً، سافر إلى
 سهارنپور على موت أخيه في عام ١٣٧٧هـ ورجع إلى لاهور بعد
 أيام وأسس مدرسة دار الترتيل على شارع ٤ بتن لاهور وكان
 الشيخ يدرس في دار الترتيل حتى انتقل إلى رحمة الله تعالى
 في ألك ألك ديسمبر عام ١٩٥٩م -

وقال تليثده الشيخ إظهار أحمد انتهاوى تاريخ وقاته :
 قد مضى شيخنا عن الدنيا بحق الله في حجاب النور
 يا من أنبث ذكره في الدهر قدس الله قبره المعبور
 كنت في الوقت ثاني الجزري جبلاً شاهقاً وراء صحور
 أرتحت التراب من هوها شئ نظيفاً معطراً ذا نور

قد خلا اليوم مستند التجويد فاظ شيخ مجود مغفور

عدد قلامه ميده لا يعد ولا يحصى وهم يدرسون في

قلامينه

الهند وباكستان وفي البلاد العربية اليوم

وله تعليقات على فوائد مكية في الأروية وطبعت

تصنيفه

مباركاً - وله تعليقات ذات قيمة دينية على الشاطبية

طبعت أول مرة بلكناؤ ومحت اشرف شقيقى الشيخ محمد عارف

المقرئ بـلاهـور مرة ثانية

قد كتبت تقديمًا لهذا الكتاب وترجمة حياة

الشيخ عبد المالك المقرئ والفهرس لتلامذته المهتارين -

وفاته : توفي الشيخ في ٣١ من ديسمبر ١٩٥٩م

ومن أولاده الشيخ الحافظ عبد القادر المقرئ ،

أولاده

والشيخ عبد الرشيد المقرئ والشيخ محمد شاكر

أنور المقرئ مدير دار الترتيل بـلاهـور ، والشيخ المهندس

محمد طاهر المقرئ والشيخ محمد عبد الماجد ذاك المقرئ كبير

المدرسين بمدارس تحفيظ القرآن الكريم بـرياض المملكة العربية

السعودية ، والحافظ مرغوب الأنعام ، ومحمد ناصر ، ومحمد عامر

بدر ومنظور النعمان

وكان الشيخ شاعرًا قديرًا ، وله قصائد مبدعة باللغة

شعره

الأروية

از: قاری عبدالقادر ایمان

امام القراء الحاج حضرت مولانا قاری عبدالمالک صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قاری صاحب مرحوم و مغفور کی حلت کو تقریباً پندرہ سال گزر چکے ہیں لیکن افسوس اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آپ کی زندگی کے مکمل حالات ابھی تک قوم کے سامنے نہیں لائے گئے البتہ مختلف جرائد و اخبارات میں آپ کے فن اور آپ کی خدمت قرآن کے سلسلے میں بعض حضرات نے و تماً فوقتاً اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے جن میں روزنامہ امروز لاہور کے مشہور کالم نویس مسٹر احسان بی اے کی نگارشات اور سیارہ ڈائجسٹ کے قرآن نمبر میں جناب پروفیسر مولوی ظفر اقبال کے ملفوظات قابل ذکر ہیں پروفیسر صاحب نے حضرت قاری صاحب کی نفسیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ۔

”تشکیل پاکستان کے بعد ہندوستان سے بہت سے قاری پاکستان میں آکر آباد ہوئے۔ ان کی آمد سے پاکستان میں اصول تجوید کے مطابق تلاوت قرآن کی مبارک تحریک شروع ہو گئی۔ اس سلسلے میں امام القراء الحاج حافظ قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے جنہوں نے پرانی انارکلی لاہور کے دارالعلوم اسلامیہ میں تجوید و قرأت کی تدیس کی داغ بیل ڈالی۔“

قاری صاحب کی زندگی کے مختلف ادوار اور مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کی زندگی کی تمام تر دلچسپیوں اور مصروفیتوں کا واحد مرکز ہمیشہ اور ہر دور میں تجوید و قرأت کی تعلیم و اشاعت ہی رہا۔

حضرت قاری صاحب ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے امتیازی حیثیت کا حامل رہا۔ آپ کے والد ماجد اور آپ کے جدِ امجد اپنے دور کے بہترین طبیب تھے۔

حضرت قاری صاحب کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے جس کی تفصیل و راج ذیل ہے۔

قاری عبدالملک بن جیون علی بن محمد شمعون بن محمد صارون بن محمد شعیب بن حبیب اللہ بن نعیم الدین بن فرید الدین بن غلیل العین بن سراج الحسن بن نظرا احمد بن حیدر حسین بن حسین بخش بن عبدالرحمن بن محمد اشرف بن حبیب اللہ بن خلیل احمد بن مولوی مشتاق احمد بن طیب علی بن منظر علی بن رفیق احمد بن کمال الدین بن ضیاء الدین بن زین الدین بن اشرف الدین بن محمد صادق بن نذر الحسن بن احمد حسن بن عبدالمجید بن عبد اللطیف بن محمد الیاس بن محمد طاہر بن عبد اللہ بن سعد بن حسین بن قاسم سوئم بن نظر دوئم بن قاسم دوئم بن نظر اول بن حضرت ابومحمد عبدالرحمن بن حضرت قاسم فقیہ اول بن حضرت محمد بن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

حضرت قاری صاحب ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے پیدائش سے قبل ہی آپ والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے آپ کی والدہ ماجدہ اور آپ کے بڑے بھائی نے آپ کی پرورش کی۔ چار سال کی عمر میں آپ کو حافظ محمد صدیق صاحب سرائے حکیم علی گڑھ کی خدمت میں بھیج دیا گیا جن سے آپ نے تقریباً ایک سال ابتدائی تعلیم ناظرہ وغیرہ حاصل کی۔

جب آپ پانچ سال کے ہوئے تو قرآن کریم اور تجرید کی تعلیم دلانے کی عرض سے آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر اپنے فرزند کلاں قاری عبدالحالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئیں وہاں محلہ جلیو میں قیام پذیر ہوئیں اور آپ کو مدرسہ صولتیہ میں داخل کر دیا گیا یہاں آپ نے حضرت قاری عبداللہ مرحوم و مغفور مہاجر مکی سے قرآن پاک حفظ کیا۔ اور تجرید میں روایت جنص کی تکمیل کی۔

حضرت قاری صاحب کا قیام مکہ معظمہ میں ۱۴ سال رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے مدرسہ صولتیہ میں حفظ قرآن اور تکمیل جنص کے علاوہ حدیث، فقہ، تفسیر اور عربی ادب میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ ساتھ ہی ساتھ مختلف لہجوں میں حدود ترتیل کی مشق جاری رکھی مدرسہ صولتیہ میں دوران تعلیم آپ کو اپنے تمام ساتھیوں کے اعتبار سے تفوق حاصل ہوا کہ آپ حسینی، حجازی، مایا، رکی، محطہ اور مصری ان تمام عربی لہجوں پر عبور رکھتے تھے۔

عام طور پر قراہ حضرات کسی رکوع کو یا تو محض حسینی لہجہ میں پڑھتے ہیں یا حجازی یا مایا میں۔ ایسے قراہ کم ہیں جو ایک ہی رکوع کی چند آیتیں حسینی میں پڑھیں اور دوسری آیتیں مصری یا محطہ میں۔ اور پھر اختتامی آیات اسی لہجہ میں پڑھیں جس میں رکوع کی ابتدائی آیات پڑھی تھیں۔ گو یا حسینی لہجہ میں قرات شروع کی درمیان میں مصری یا محطہ لہجہ اختیار کر لیا۔ اور آخر میں پھر حسینی لہجہ پر آجائیں اور لہجوں کا یہ امتزاج اتنا خوبصورت اور اتنا غیر محسوس ہو کہ بجز قراہ کے عام سننے والے تمیز نہ کر سکیں کہ فلاں جگہ سے لہجہ بدل دیا گیا ہے یہ نصیر حضرت قاری صاحب کو بدرجہ اتم حاصل تھی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ترتیل میں قراۃ کرتے ہوئے آواز کے زیر و بم کے ساتھ بہت سے قرا کا منہ بگڑ جاتا ہے یا آواز بلند کرتے وقت کان پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں یا دونوں ہاتھ

منہ کے ادھر ادھر رکھ لیتے ہیں جس سے ناک اور منہ نہایت مضحکہ خیز بن جاتا ہے ایک اچھے قاری صاحب کی تلاوت ان عیوب سے پاک ہونی چاہیے حضرت قاری صاحب کا انداز خواہ حد در میں ہو یا تہ تیل میں ان تمام عیوب سے پاک تھا۔

حضرت قاری صاحب کو جس طرح مختلف لہجوں پر ماہرانہ عبور تھا اسی طرح تجوید میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مثلاً حروف کی تغنیم و ترقیق، اوغام ناقص اور اوغام تام، مد متصل اور مد منفصل کا پورا پورا لحاظ صفت ہمیں، شدت، رخوة وغیرہ حروف قلعہ اور حروف حلقی کا امتیاز اور ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے بلا تکلف ادا کرنا، ساتھ ہی حسین لہجوں کا امتزاج بھی قائم رکھنا یہ ایسی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر قاری صاحب اپنے تمام معجزوں میں ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔

آپ نے اپنے تلامذہ کو بھی اسی سہج پر تیار کیا چنانچہ برصغیر ہندو پاکستان میں آج جتنے بھی قراء انفرادی حیثیت کے مالک ہیں وہ سب حضرت قاری صاحب کے براہِ راست یا بالواسطہ خوشہ چین ہیں۔ مثلاً

قاری اطہار احمد تھانوی صاحب کوچہ کندی گراں لاہور

قاری محمد شریف صاحب لاہور

قاری عبدالوہاب مکی صاحب لاہور

قاری علی حسین صدیقی صاحب قاری اسمبلی پنجاب

قاری فخر الدین صاحب گیاروی

قاری نیاز احمد صاحب استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

قاری حفظ الرحمن صاحب استاد دارالعلوم دیوبند

قاری سردار صاحب قاری ریڈیو پاکستان

قاری حبیب اللہ صاحب بانی و مہتمم مدرسہ تجوید القرآن بلاک ایچ نارمنٹھ ناظم آباد کراچی

قاری حکیم سید قربان علی شاہ حیدر آباد ہسندھ

قاری غلام نبی صاحب ایرانی کوٹہ

قاری محمد سلطان بنگالی لاہور قاری غلام رسول صاحب قاری ریڈیو، ٹی وی پاکستان

اور قاری صاحب کے تمام فرزند گان بالخصوص حکیم قاری عبدالرشید صاحب و قاری غنیہ القادر

صاحب مرحوم و قاری محمد شاکر صاحب صدر مدرس دارالتربیل لٹن روڈ لاہور و قاری عبدالماجد

ذاکر صاحب کبیر المدین ریاض سعودی عرب ۔

قاری صاحب کی مکہ سے واپسی

جس زمانہ میں حضرت قاری صاحب مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے وہ شریف مکہ کا زمانہ

تھا عوام غربت و افلاس کا شکار تھے اس وقت بدووں کی عزت کا یہ عالم تھا کہ ایام حج

میں حاجیوں کو تنہا پا کر لوٹ لیتے تھے اور کبھی کبھی معمول رقم کی خاطر حاجیوں کے قتل سے بھی

دیرینہ نہیں کرتے تھے ۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران قاری صاحب کے بڑے بھائی قاری عبداللہ صاحب

معمولی تجارت کے ذریعے زندگی بسر کرتے تھے۔ تسبیح، عقال، عربی رومال اور عربی ٹیجے

وغیرہ فروخت کرتے یہ کاروبار ایام حج میں زیادہ سود مند ہوتا تھا و لیے عام طور پر تنگی سے

گزر ہوتی تھی ۔

قاری صاحب کا معمول تھا کہ اپنی تعلیمی مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر روزانہ حرم شریف

میں تلاوت قرآن کریم ترتیل میں فرمایا کرتے تھے اور حرم شریف میں موجود بہت سے لوگ

وہابی مذہب کے تھے

آپ کی تلاوت سنتے رہتے تھے۔ ایک روز جبکہ آپ صبح معمول مصری لہجہ میں تلاوت فرما رہے تھے کہ نواب فیاض احمد خاں شیروانی ابن نواب محمد اسماعیل خان بھی عرم شریف میں موجود تھے۔ نواب فیاض خاں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے اور قاری صاحب کے ہم مدرسہ و ہم جامعیت رہ چکے تھے۔

نواب صاحب نے بچپن کے ساتھی ہونے کی وجہ سے حضرت قاری صاحب کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا۔ نواب صاحب نے کہا کہ عربین شریفین میں تو کلام اللہ کے بہترین طرز ادا کے ساتھ پڑھنے پڑھانے والے بے شمار ہیں جبکہ ہندوستان صحیح پڑھنے والوں سے خالی ہے اور وہاں صحیح پڑھانے والے تو بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں لہذا ہندوستان اس بات کا بہت زیادہ حقدار اور محتاج ہے کہ آپ جیسے ماہرین فن حضرات اس کو تجوید و قرأت کی علمی کاوشوں کا مرکز بنائیں۔ نواب صاحب کی اس مبنی بر حقیقت تقریر نے قاری صاحب کو اس امر پر مامور کر دیا کہ قرآن کریم اور فن تجوید کی خدمت کے لیے مراجعت فرما ہند ہوں۔ چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لے آئے۔

یہاں پہنچ کر آپ نے نواب فیاض خاں صاحب کے ساتھ آگرہ میں قیام کیا اور آگرہ کی شاہی جامع مسجد میں مدرسہ عالیہ میں تجوید و قرأت کی خدمت پر مامور ہو گئے۔ مدرسہ عالیہ آگرہ گویا ہند میں آپ کی شہرت کا پہلا زینہ تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ خدمت قرآن کی برکت سے معروف ہواں ہو گئے۔ دارالعلوم دیوبند۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔ اور مدرسہ فرقانیہ کھنؤ۔ ان میں سے ہر درسگاہ نے آپ کو اپنے ہاں لینا چاہا یہاں تک کہ حضرت مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ فرقانیہ کھنؤ نے مصارف سفر بھیج کر آپ کو کھنؤ بلا لیا اور اپنے مدرسہ میں صدر شعبہ تجوید کی حیثیت سے خدمت پر مامور فرمایا۔

مدرسہ فرقیانہ کھنؤ ہندوستان میں ایک ہی مدرسہ تھا جہاں قرآن کریم اور قرآن مجید کی تعلیم کے لیے دس قاری اور پندرہ حافظ علمدہ علیحدہ درجوں میں حفظ قرآن اور تجوید کی تعلیم دیتے تھے اس کے علاوہ شعبہ عربی، شعبہ فارسی، شعبہ ریاضی، شعبہ خطاطی میں بھی بہت سے اساتذہ کام کرتے تھے اس مدرسہ میں ڈھائی سو طلباء ایسے تھے جنہیں مدرسہ سے ماموار وظیفہ ملتا تھا۔ اور مدرسہ کے مہلک سے کھانا مہیا کیا جاتا تھا۔

یہ درس گاہ ہندوستان میں ایک ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتی تھی۔ یہاں سے ہر سال حفاظ و قراء کی ایک بڑی جماعت فارغ ہو کر جلسہ سالانہ میں دستار فضیلت حاصل کرتی تھی۔ علم و فن کی اتنی بڑی درس گاہ کے اندر شعبہ تجوید کے مدرس اعلیٰ کا منصب کوئی معمولی اعزاز نہیں تھا اس اعزاز کو برقرار رکھنے کے لیے اور مدرسہ کے دوسرے قاریوں کی تنقید سے بچنے کے لیے ضروری تھا کہ قاری صاحب سب سے پیشتر کی بھی تکمیل کر لیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے قاری صاحب کو سب سے پیشتر کی تکمیل کے لیے قاری عبدالرحمن صاحب مکی (برادر خورد

قاری عبداللہ صاحب مکی) کے پاس الہ آباد بھیج دیا۔ آپ نے شب و روز کی مسلسل محنت اور کوشش سے ایک سال کے اندر سب سے پیشتر کی تکمیل کر لی۔ کھنؤ واپس آ کر آپ نے اپنی جگہ پر کام شروع کر دیا۔ آپ کے درج میں داخل ہونے والے طلبہ کی تعداد بہت زیادہ تھی ان میں سے بیشتر طلباء کو محض روایت حفظ میں مدد و ترغیل کی مشق کرتے تھے اور کچھ طلباء ایسے تھے جو سب سے پیشتر پڑھتے تھے محض کے طلبہ کو مشق کرائے کا کام آپ کے معین کے سپرد تھا اور آپ چند محض و عربی میں فارغ التحصیل طلباء کو مشق بھی کراتے اور سب سے پیشتر کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے اسی نوع پر ربات قرآن کے دوسرے قاری صاحبان بھی اپنے اپنے طلباء کو تیار کرتے تھے۔

دوسرے قاری صاحبان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قاری صنیۃ الدین صاحب قاری محمد صدیق صاحب قاری عبدالمعین صاحب
 قاری محمد نظر صاحب قاری محمد سمیع صاحب قاری محمد ادریس صاحب
 قاری محمد سابق صاحب قاری جمیل الرحمن صاحب قاری محمد یونس صاحب
 قاری محبوب علی صاحب

ان تمام قاری جماعت کی محنت و کارکردگی کا مظاہرہ سالانہ امتحانات اور سالانہ جلسہ قرآن میں ہوتا تھا جو طلباء کا میاب ہوتے انہیں جلسہ سالانہ میں بانی مدرسہ، اراکین مدرسہ اور ہزاروں دوسرے افراد کی موجودگی میں ترتیل میں رکوع پڑھنے کا موقعہ دیا جاتا اور روایتِ حفص اور سبعہ و عشرہ کے فارغ طلباء کی دستار بندی کی جاتی اور اسناد تقسیم کی جاتی۔

مدرسہ فرقتِ نیچے کھنوا میں شعبہ تجوید کے صدر کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے خاصا وقت گزر چکا تھا اس عرصہ میں نواب ایچ ایس ایم علی خان والی ریاست ٹونک کی کئی بار قاری صاحب کو ٹونک تشریف لانے کی دعوت دے چکے تھے چنانچہ کچھ عرصہ کے لیے قاری صاحب ٹونک تشریف لے گئے۔

والی ٹونک نے آپ کے شانِ شان آپ کی پذیرائی کی۔ اپنی ایک قدیم کھپری میں جسے موتی باغ کہا جاتا تھا آپ کی رہائش کا انتظام کیا تین منزلوں پر مشتمل یہ ایک وسیع و عریض عمارت تھی قاری صاحب نے اپنا مدرسہ بھی اسی عمارت میں قائم کیا۔ بالائی حصہ رہائش کے لیے اور تہ خانہ طلبہ کی مشق کے لیے مخصوص کر دیا۔

یہ عمارت ایک طویل عرصہ سے خالی پڑی تھی اس لیے اس کے بعض مقامات پر جنات کا قبضہ ہو چکا تھا اگر جنات نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا لیکن چند روز تک تکلیف دہ حرکات ضرور کیں۔ بالائی منزل کے ایک کمرہ میں پینے اور استعمال کا پانی مشکوں میں بھر کر رکھ دیا جاتا تھا لیکن کچھ دیر

لے قاری محمد سابق صاحب موصوف کے معین اور نائب تھے اور شاگرد بھی انہی کے تھے۔

کے بعد دیکھا جاتا تو تمام ٹکے خالی پائے جاتے اور پانی گرنے کا کوئی نشان وہاں نہ ہوتا تھا۔ رات کے وقت کبھی کبھی خوفناک آوازیں آتیں یہ خانے میں جہاں طلبہ مشق کرتے تھے ایک ہیبت سی چھائی رہتی۔ لیکن جلد ہی یہ صورت ختم ہو جاتی۔ اور قرآن کریم کی برکت سے وہ جن خدمت گار بن گئے ایک روز سخت گرمی تھی قاری صاحب کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ رات کو بستر پر لیٹتے وقت قاری صاحب نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میرے پاؤں دبا دیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کو خیال نہ رہا اور سو گئیں۔ تقریباً نصف شب گزر جانے کے بعد آپ کی آنکھ لیکا لیک کھل گئی اور انہیں یاد آیا کہ تاری صاحب نے مجھے پاؤں دبانے کے لیے کہا تھا گھبرا کر اٹھنے لگیں تو دیکھا کہ کوئی شخص قاری صاحب کے پاؤں دبا رہا ہے ایک اجنبی کو پاؤں دباتے دیکھ کر محترمہ والدہ صاحبہ کی زور واریج نکل گئی جس سے گھبرا کر قاری صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ صبح کو والدہ محترمہ نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا کہ کیا تم میں سے کسی نے رات کو قاری صاحب کے پاؤں دبائے تھے جواب نفی میں ملا تو سب کو حیرت ہوئی۔ قاری صاحب سے تذکرہ کیا گیا تو فرمایا ہو گا کوئی، تم تجسس نہ کرو۔ غالباً کوئی جن وغیرہ ہو گا۔

ٹوٹک میں قاری صاحب کا قیام تقریباً پانچ سال رہا۔ مقامی شاگردوں کے علاوہ آپ کے کئی شاگرد مدرسہ فرقانیہ نکھنوں سے بھی یہاں آگئے اور قاری صاحب سے اکتساب فیض کرتے رہے اس زمانہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ناظم امور مذہبی نے یونیورسٹی میں شعبہ تجوید قرآن قائم کیا اور قاری صاحب کو بھیجا کہ یونیورسٹی کو آپ جیسے قاری کی ضرورت ہے ہماری استدعا ہے کہ شعبہ تجوید کی ذمہ داریاں آپ سنبھال لیں۔ قاری صاحب نے منظور کر لیا اور علی گڑھ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مولانا مین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے قاری عبدالملک صاحب کے استاد قاری عبدالرحمن صاحب متقی ثم الہ آبادی کو بھیجا کہ آپ قاری

صاحب کو مدرسہ فرقانیہ کھنڈو میں لانے کی کوشش فرمائی چنانچہ قاری عبدالرحمن صاحب نے آپ کو علی گڑھ جانے سے باز رکھ کر مدرسہ فرقانیہ میں اپنی سابقہ جگہ پر کام کرنے پر رضا مند کر لیا۔ قاری صاحب کھنڈو آئے اور آپ کے ایک لائق شاگرد قاری نیاز احمد علی گڑھ چلے گئے۔

مولانا کے مدرسہ کا طریقہ کار اور اصول تھا کہ جو مدرس ایک مرتبہ علمدہ کر دیا جاتا یا وہ خود مستغنی ہو کر چلا جاتا تو دوبارہ اسے مدرسہ میں نہیں رکھتے تھے لیکن قاری صاحب کے معاملہ میں یہ طریقہ کار بدل دیا گیا کوشش کر کے انہیں دوبارہ مدرسہ کی خدمات سپرد کی گئیں اور کچھ مزید اختیارات دے دیے گئے۔ مثلاً سالانہ اور ماہانہ جلسہ ہائے قرآنہ میں ترتیب طلباء اور قراء کے فرق مراتب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا اب یہ ہوا کہ قاری صاحب کی منظوری کے بغیر کوئی طالب علم جلسہ میں نہیں پڑھ سکتا تھا۔ قاری صاحب نے جلسہ میں پڑھنے والے طلبہ کی ترتیب ان کی آواز، تجویز اور لہجہ کے لحاظ سے ادنیٰ اوسط اور اعلیٰ مقرر کی۔ جلسہ کے آغاز میں وہ طلباء پڑھتے جو مذکورہ صفات کے اعتبار سے معمولی ہوتے۔ ان کے بعد اوسط درجہ کے طلباء کو موقع دیا جاتا اور پھر اعلیٰ طلباء سے تلاوت کرائی جاتی۔ ان جلسوں میں مدرسہ کے تمام قاری صاحبان کے شاگرد ہیں سے ہر قاری کے چند شاگرد ہوتے تھے تاکہ ہر قاری کی کارکردگی سامنے آجائے۔ قاری صاحبان میں سے ہر قاری کو طلباء کی قرآنہ کے بعد تلاوت کا موقع دیا جاتا تھا۔ اس میں بھی قاری صاحب نے قراء کے فرق مراتب کو پیش نظر رکھا چنانچہ قاری صاحب کی مقرر کی ہوئی ترتیب کے مطابق قاری صاحبان جلسہ میں پڑھتے تھے آخر میں قاری عبدالملک صاحب ڈالس پبشریف لائے اور صری یا حسینی یا دونوں نبیوں کے استخراج کے ساتھ ایک رکوع پڑھتے۔ قاری صاحب کی تلاوت کے بعد اساذ القراء حضرت قاری

عبدالرحمن صاحب تبرکاً چند آیات کی تلاوت فرماتے اور پھر روایت حفص اور سبعة وعشرہ کے کامیاب طلباء کی دستار بندی کی جاتی۔ اور اسناد تقسیم کی جاتی اس کے بعد جلسہ ختم ہو جاتا مدرسہ فرقانیہ میں قیام کے دوران قاری صاحب کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ جس سال رمضان المبارک میں قاری صاحب کھنڈ میں ہوتے، مولانا آپ سے مسجد میں قرآن سننے مولانا کے ہزاروں عقیدت مند اور قاری صاحب کی تلاوت کے سینکڑوں شیدائی قاری صاحب کی اقتدار میں مہذبہ تہجد ادا کرتے۔ قاری صاحب روزانہ سو اپارہ پڑھتے تھے اور اس اذان سے پڑھتے کہ ایک ایک حرف مع جملہ صفات کے سمجھ میں آتا تھا۔ ایک ایک حرف کی ادائیگی اس کے صحیح مخرج سے ہوتی۔ اس پر روانی، اور حجازی، مایا لہجہ کی دلکشی مستزاد۔ لوگ کہتے ہیں کہ قاری صاحب ساری رات پڑھتے رہیں اور ہم نشتے رہیں۔

کئی بار ایسا اتفاق ہوا کہ قاری صاحب رمضان شریف میں کھنڈ میں موجود نہیں ہیں بلکہ ڈھاکہ تشریف لے گئے ہیں تو اس سال مولانا تراویح میں قاری محمد نظر صاحب سے قرآن سننے

قاری صاحب کی شہرت کلکتہ، ڈھاکہ، بسو پال وغیرہ پہنچی نواب ڈھاکہ خواجہ محمد اعظم نے چار پانچ مرتبہ قاری صاحب کو مصارف سفر بھیج کر رمضان المبارک میں ڈھاکہ بلوایا۔ اور تراویح میں قرآن سنا۔ قاری صاحب کی خاطر مدارت اور دل دہی میں نواب صاحب نے کبھی تامل نہ کیا جب تک قاری صاحب کا قیام ڈھاکہ میں رہتا نواب صاحب کی ایک کاپی آپ کے یہ مخصوص کردی جاتی۔ ایک خدمت گاہمہ وقت پیشی میں رہتا۔ ایک روز تراویح میں قاری صاحب نے حجازی لہجہ پڑھا اور وتر محط میں ٹپچانے اور قاری صاحب نے سلام پھیرا اور نواب صاحب بیتا بانہ قاری صاحب سے بغل گیر ہو گئے اور دیر تک روتے رہے۔

قاری صاحب نے چودہ سال مکہ مکرمہ میں گزارے مدنیہ منورہ بھی کئی بار تشریف لے گئے
لکھنؤ میں قیام کے دوران بھی دو مرتبہ آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے

قاری صاحب کی نفاست طبع

یوں تو قاری صاحب طبعی طور پر نفاست پسند اور لطیف مزاج واقع ہوئے تھے
لیکن بکھنوا کی زندگی نے آپ کو حد درجہ نفاست پسند بنا دیا تھا اعلیٰ درجہ کے عطریات ،
کیوڑہ اور زعفران قاری صاحب کی زندگی کے اجزائے لاینفک بن گئے تھے۔ صاف
سحرے لباس میں عطر حس ، شامہ اور کئی عطروں کے مجموعہ کی خوشبو بسی
ہوتی تھی۔ پان کھاتے تو اس اہتمام کے ساتھ کہ کٹھا کیوڑہ میں بسا ہوتا۔ چھالیہ اتنا باریک اور
خوب صورت تہچھی ہوتی کہ ہر دانہ قد و قامت میں باجرہ کے دانے کے برابر ہوتا۔ چھالیہ کے
موٹے اور بے ڈھنگے ٹکڑے آپ کو سخت نا پسند تھے۔ پھلوں میں سببوزہ اور آم آپ کو
مغروب تھے آموں میں دسہری اور سفیدہ آپ کے پسندیدہ آم تھے۔ خوردن برائے زلیتن کے
مصدق آپ کی غذا کم ہوتی لیکن جو کچھ ہوتی وہ نہایت لذیذ اور پر تکلف ہوتی۔ چائے نوشی کا
مذاق اتنا لطیف تھا کہ ناشتہ میں دات جبین اور سہ پہر میں خوبصورت بلورین فنجان میں سبز
چائے استعمال کرتے۔

قاری صاحب کے عقیدت کیش احباب

بہ حضرات قاری صاحب کے احباب تھے وہ ان کے عقیدت مند بھی تھے مثلاً

نواب فیاض احمد خاں شیروانی

نواب حبیب الرحمن صاحب شیروانی وزیر اعظم اصفیہ

نواب حاجی محمد ابوبکر خاں ریاست دادوں

ذاب حاجی محمد صالح خاں شیروانی حاجی محمد مصطفیٰ خاں

خاندان صاحب احمد حسن لکھنوی

قاری صاحب کا مذاق شعر و شاعری

قاری صاحب کے پسندیدہ شعراء یہ حضرات تھے۔

عزیز لکھنوی شائق کانپوری صفدر مرزا پوری زائر حمید صدیقی

قاری صاحب خود بھی بہت اچھے سخن سنج تھے غلش آپ کا تخلص تھا بطور نمونہ ہم یہاں قاری صاحب کی دو غزلوں کے چند اشعار قلمبند کرتے ہیں۔

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو لکھنؤ میں حاجی محمد اصفا خاں کے ہاں جو مشاعرہ ہوا تھا اس میں قاری صاحب نے جو غزل پڑھی اس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

کیا جانتے اعجاز تھا کیسے ان کی نظر میں
اک شمع سی روشن ہے مرے قلب و جگر میں
لرزیدہ قدم دل میں تڑپ کیفیت نظر میں
اس شان سے آیا ہوں تیری راہ گزر میں
دنیا کی نگاہوں سے گرا ہوں تو بلا سے
کیا کم ہے کہ پانی ہے جگہ ان کی نظر میں
خاکے ہیں ترے مارض و گیسو کے مسلسل
ہم نے یہ بھی دیکھا ہے فقط شام و سحر میں
اب مجھ کو غلش و دولہاں کی نہیں پرواہ
کوہن سمٹ آئے میرے درد جگر میں

۲۶ جنوری ۱۹۴۹ء کو ایک اور مشاعرہ میں جس کا مصرع طرح تھا

آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

قاری صاحب نے ایک طویل غزل پڑھی اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فتنہ دیر و سرم بر پا کیا

آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

مخو آرائش رہے وہ صبح تک

کھڑکیں بیمارِ نسیم بدلا کیا

مری حیرت اک تماشا بن گئی

وہ مجھے ادھیں انہیں دیکھا کیا

الحذر لمحے دل کے چھالے الحذر

جس نے دیکھا پھوٹ کر رویا کیا

کھل گئیں جب دل کی آنکھیں غلش

ذرہ ذرہ میں اُسے دیکھا کیا

ادیبوں میں جن حضرات سے قاری صاحب متاثر تھے وہ یہ ہیں۔

مولوی عبدالحکیم شرر کھنویؒ مولانا شبلی نعمانیؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ

قاری صاحب مولانا حسین احمد مدنی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے بہت

عقیدت رکھتے تھے بلکہ آپ حضرت تھانویؒ سے بیعت بھی ہو گئے تھے۔

قاری صاحب کی خودداری

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ ہر اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش

کرتے ہیں جو ان کی اور ان کے اہل خاندان کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے مہر و معادن ہوں لیکن قاری صاحب کی الفت و طبع اس سے بالکل مختلف تھی آپ نے کبھی ایسے موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا مثلاً ایک مرتبہ والی دکن میر عثمان علی خاں کھنوا آئے اصغر علی محمد علی تاجر عطر کھنوا کی فرم کے منتظمین نے اعلیٰ حضرت سے جناب لدنگ کی سرپرستی قبول فرمانے کی درخواست کی اعلیٰ حضرت نے سرپرستی قبول کی اور جناب لدنگ کا افتتاح کیا۔ اتفاق سے اس دن جمعہ تھا والی دکن نے کھنوا کی سب سے بڑی مسجد ”مسجد طلیہ“ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مسجد مذکور کے منتظمین نے قاری صاحب سے نماز جمعہ پڑھانے کی استدعا کی قاری صاحب نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔

پہلی صف میں بالکل امام کے پیچھے اعلیٰ حضرت موجود تھے۔ قاری صاحب نے طویل خطبہ دیا اور خطبہ میں والی دکن کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ نماز کے فوراً بعد سنتوں کی ادائیگی کے لیے نیت باندھ لی۔ دیر تک سنتیں ادا کرتے رہے اس عرصہ میں والی دکن مسجد سے چلے گئے بعد میں قاری صاحب کے بعض بے تکلف دوستوں نے کہا کہ قاری صاحب کیا غضب کیا کہ آپ حضور نظام سے نہیں ملے۔ کم از کم ایک رقعہ ہی دے دیا ہوتا تو ہمیشہ کے لیے وظیفہ جاری ہو جاتا قاری صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اگر نظام نواب دکن ہیں تو میں اپنے فن کا بادشاہ ہوں مجھے ان کے سامنے جھکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

خود داری کی دوسری مثال

پاکستان میں جب خواجه ناظم الدین گورنر جنرل تھے جی جی ہاؤس میں رمضان المبارک کے موقع پر تراویح کا اہتمام کیا گیا علامہ سید سلیمان ندوی جیسے زعماء کے ایام پر قاری صاحب نے

جی جی ہاؤس میں تراویح پڑھائی۔ تراویح میں خواجہ ناظم الدین کے علاوہ کئی مرکزی اور صوبائی وزراء اور قومی اسمبلی کے سپیکر مولوی تمیز الدین خان موجود رہتے۔ وزراء میں خواجہ شہاب الدین، میر غلام علی تالپور قابل ذکر ہیں تراویح ختم ہونے پر روزانہ مقوڑی دیکھنے کے لیے خواجہ ناظم الدین، خواجہ شہاب الدین اور مولوی تمیز الدین خان قاری صاحب کے ساتھ دلچسپ باتیں کرتے اور ٹھنڈے مشروب یا چائے کا دور چلتا۔ رمضان کا پورا مہینہ اسی طرح گزر جاتا۔ گورنر جنرل اور وزراء سے قاری صاحب کی بے تکلفی بڑھتی رہی اس زمانہ میں قاری صاحب کے بڑے صاحبزادے وزارت امور خارجہ میں اسٹنٹ محکمے قاری صاحب کے ہی خواہوں نے چاہا کہ قاری صاحب، اپنے صاحبزادے کی ترقی اور دفتر کی طرف سے سرکاری مکان دیے جانے کے لیے خواجہ ناظم الدین وغیرہ سے فرمائیں اگر قاری صاحب خواجہ ناظم الدین سے اس قسم کی کوئی درخواست کرتے تو یقیناً ان کی خواہش کے مطابق کام بن جاتا۔ لیکن قاری صاحب نے اپنی عزت نفس اور قرآن کریم کے احترام کے پیش نظر اسی قسم کی کوئی درخواست نہ کی۔ اور ان لوگوں کو جو ان کو ایسا کرنے پر آمادہ کرنا چاہتے تھے سختی سے روک دیا۔

مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے قاری صاحب کی گہری وابستگی کا سبب مولانا عین القضاۃ کی ذات گرامی تھی۔ وہ قاری صاحب کے سچے ہی خواہ اور حد درجہ خوددار تھے مولانا کے وصال کے بعد جلسہ ہائے قرآن میں اظہارِ فن کا لطف جاتا رہا۔ مدرسہ مذکور میں صدر شعبہ تجوید کی حیثیت سے قاری صاحب نے تقریباً چالیس سال خدمت کی۔ ملکی اور غیر ملکی ہزاروں طلبہ نے آپ سے اکتسابِ فن کیا۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے بہت سے اساتذہ

اور طلباء پاکستان چلے آئے چنانچہ بعض مخلص حضرات کے مجبور کرنے پر قاری صاحب بھی ۱۹۵۰ء کے آخر میں پاکستان تشریف لے آئے پاکستان میں تشریف آوری کے بعد مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے اصرار پر آپ نے دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں کم و بیش ایک سال اور پھر دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں آٹھ سال فن تجوید کی خدمت کی نو سال کا یہ عرصہ پاکستان میں فن تجوید و قرأت کی اشاعت و ترقی کا نہایت کامیاب دور ہے پاکستان تشریف لانے کے وقت قاری صاحبؒ کا سفر حیات آخری مراحل میں داخل ہو چکا تھا لیکن خدمت قرآن کا جذبہ کمزور نہیں ہوا تھا۔ فن تجوید و قرأت کی ترویج و تعلیم کے وہ استادانہ رموز جو نصف صدی سے زیادہ مدت تک تعلیم دینے کے بعد آپ کو حاصل ہوئے تھے، آپ کے ساتھ تھے چنانچہ پاکستانی طلبہ تجوید آپ کی بصیرت افروز رہنمائی میں چند سالوں میں ماہر فن بن گئے۔

لاہور میں قاری صاحب نے جو خدمات انجام دیں ان کی درخشانی دمانا کی آج تک مرکزی دارالتربیل کی شکل میں موجود ہے۔ وہ لاہور جہاں قرآن کریم کو صحیح طور پر پڑھنے اور پڑھانے والے تقریباً مفقود تھے آج تجوید و قرأت کا چمنستان ہے دینی مدارس میں تجوید و قرآن کے شعبے قائم کیے جا چکے ہیں جگہ جگہ تجوید کی درسگاہیں کھل چکی ہیں مساجد میں آئمہ اور خطباء کے لیے تجوید سے واقف ہونا ضروری قرار دیا جا چکا ہے اسکولوں اور کالجوں میں بھی اس فن کی روشنی پہنچ چکی ہے۔

قاری صاحب کی پاکستان میں تشریف آوری پر شیخ بقسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے بالکل صحیح فرمایا تھا۔

لاہور میں حضرت قاری صاحب کی تشریف آوری اہل پاکستان کے لیے

عموماً اور اہالیانِ لاہور کے لیے خصوصاً خداوند تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان۔

مرکزی دارالتربیت کی تاسیس

دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں حضرت قاری صاحب کا آٹھ سالہ دور منہایت شاندار گزارا۔ بعض ناگزیر حالات کی بنا پر آپ وہاں سے مستعفی ہو گئے اور اپنے تلامذہ اور بعض مخلصین کے اصرار پر آپ نے ۵۸ء میں مرکزی دارالتربیت کی بنیاد ڈالی۔ چونکہ تمام کام کا آغاز محض تو کلاً عمل میں آیا تھا اس لیے اس درس گاہ کی نہ کوئی بلند و بالا عمارت تھی اور نہ کوئی فنڈ تھا۔ مگر تشنگانِ علم غریب اور مسکین طلباء نے بھوکے رہ کر اور مسجد کی چٹائیوں پر شب بیدار کر کے تجوید کی تعلیم کو جاری رکھا۔

قاری صاحب ایک جاذب شخصیت کے مالک تھے۔ اگر آپ جنگل میں بھی جا کر بیٹھ جاتے تو فن کے قدروانوں کا وہاں بھی هجوم ہوتا۔ چنانچہ یہ درس گاہ آپ کی فیض گاہ بنتے ہی استفادہ کرنے والوں کی جوق در جوق آمد سے ایک پر رونق علمی بازار میں تبدیل ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ اس نے ایک باقاعدہ ادارہ تعلیم کی حیثیت حاصل کر لی۔

قاری صاحب کا سفر آخرت

کچھ عرصہ سے قاری صاحب دل کے مریض ہو گئے تھے کئی مرتبہ آپ پر ہارٹ ایٹک ہو چکا تھا مگر ایک لمحہ کے لیے بھی تعلیم و تدریس سے منہ نہ موڑا۔ اور اپنے تلامذہ کو باقاعدگی سے تعلیم دیتے رہے۔

قرآن کی تعلیم آپ کی روحانی غذا تھی۔ گھر میں ہوں یا مدرسہ میں، دن جو یا رات، طالبین کو وہ برابر استفادہ کا موقع عنایت فرماتے۔ حتیٰ کہ وفات کے روز بھی دن بھر تدریس و مشق کا معمول جاری رہا۔ اور آخر دسمبر ۵۹ء کی ایک رات کو جبکہ تمام افراد خانہ سوتے ہوئے

تھے قاری صاحب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تجوید و قرأت کا وہ آفتاب جو ۷۶ سال سے دنیا کو اپنی تابناک ضیاء سے منور کیے ہوئے تھا بالآخر غروب ہو گیا۔ اور ہزاروں متوسلین و مستفیدین یتیم ہو گئے۔ پوری دنیائے تجوید سو گوار ہو گئی اور آج بھی ہے جناب السعد شاہجاں پوری نے تاریخ وفات کہی۔

ماہر تجوید معروف جہاں

بندۂ مقبول باعز و علی

بردِ حنیت چورضواں دید گشت

قاری اعظم بیادِ مرجا

قاری صاحب اپنے فن میں کیتائے روزگار تھے عرب و عجم میں آپ کی عظمت مسلم تھی۔ ہر ملک کے تشنگانِ علم اس چشمہ فیض سے اپنی پیاس بجھاتے رہے خالق کائنات نے غالباً قاری صاحب کو اسی مقصد کے لیے پیدا کیا تھا اس سے بڑھ کر عظیم مقصد حیات کا تصور مشکل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ قرآن کے ماہرین قیامت کے روز ملائکہ اور انبیاء کے سامنے اٹھائے جائیں گے۔

۲۔ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

حضور کے ان فرمودات کے مطابق حضرت قاری صاحب نے اپنی زندگی کا مقصد اور اپنی تمام خواہشات کا مرکز قرآن کو بنائے رکھا۔

اولاد

حضرت قاری صاحب نے اپنے پسماندگان میں ۹ بیٹے اور ۲ بیٹیاں چھوڑیں جن میں سے

چھ بیٹے حافظ قاری ہیں۔ فرزند ان قاری صاحب یہ ہیں۔

۱. حافظ قاری عبدالقادر صاحب ٹرپل ایم اے کراچی ورلڈ اسلامک سٹڈیز سرکل پرنسپل

۲. حافظ قاری حکیم عبدالرشید فاضل طب کراچی

۳. حافظ قاری محمد شکر انور مستقم مرکزی دارالترتیل لٹن روڈ لاہور

۴. حافظ قاری محمد طاہر ریڈیو انجینیئر

۵. الحاج حافظ قاری محمد عبدالماجد ذاکر کبیر المدرسین مبدار کس تحفیظ القرآن ریاض

سعودی عرب

۶. حافظ قاری مرغوب الانام زیر تعلیم کراچی

۷. محمد ناصر ریاض مقیم

۸. محمد عامر بدر ریاض مقیم

۹. منظور المنان ایم اے

الحاج مولانا حافظ قاری محمد عبدالماجد ذاکر حضرت قاری صاحب کے پانچویں بیٹے

ہیں یہ قاری صاحب کے علمی کمالات کا بہترین نمونہ اور مایہ ناز شاگرد بھی ہیں چنانچہ

حفظ قرآن سے لیکر قرآن سب سے مک کی تمام تعلیم شب و روز کی ہمہ وقتی رہنمائی میں اس

استاذ الکل کے زیر تربیت ہوئی جس کے فیوض سے ملک کی تمام سندیں پر رونق ہیں۔

قاری ذاکر صاحب کو تجوید و قرأت کا پاکیزہ ذوق ورثہ میں ملا ہے عربی ادب میں

انہیں یدِ طولیٰ حاصل ہے اندرون ملک کے علاوہ دو مرتبہ بین الاقوامی مجالس قرآن

ملایا میں شرکت کر چکے ہیں۔ ۱۹۶۳ء سے اس وقت تک مملکت سعودیہ کے پایہ تخت

ریاض میں تجوید و قرآن کی خدمت کر رہے ہیں۔

قاری ذاکر صاحب کی علمی لیاقت، اخلاقی بلندی اور انتہائی شائستگی کی بنا پر آپ کو ریاض میں جو مقبولیت حاصل ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۷۴ء میں آپ کو سعودی عرب کے شہری ہونے کا اعزاز عطا کیا گیا اور یہ وہ اعزاز ہے جو شاہ خالد شاذ و نادر ہی کسی غیر ملکی کو عطا فرماتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ حضرت قاری صاحب مرحوم و مغفور کا قائم کردہ مرکزی دارالترقی لاہور اور آپ کے جانشین قاری محمد عبدالماجد ذاکر اور قاری محمد شاہ نور ندوی روز افزوں ترقیات سے ہمکنار ہوں آمین۔



۱۔ یہ قیمتی مضمون حضرت قاری صاحب کے فرزند قاری عبدالقادر صاحب کے علم سے ہے۔
 اور مجھے حضرت قاری محمد عبدالماجد ذاکر صاحب کی دسالت سے ملا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قاری محمد عبدالمجید ذاکر

حضرت والد مرحوم امام القراء قاری محمد عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاثرات و مشاہدات

درج ذیل سطور میں حضرت والد صاحب مرحوم کے ان شخصی احوال کا تذکرہ مقصود ہے جو شب و روز کی معاشرت و مصاحبت کے دوران میرے مشاہدہ میں آئے۔ جن سے میں متاثر ہوا۔ مکمل سوانحی حالات کو گرفت میں لانا مقصود نہیں ہے۔

شعور کے بیدار ہوتے ہی سب سے پہلا مشاہدہ تھا کہ رات کے آخری پہر میں نہایت پرسوز اور درد میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں اللہ، اللہ اور کلمہ طیبہ کی تکرار سے میری آنکھ کھل جاتی۔ اس وقت میں ان کو اللہ اللہ کرتے دیکھتا۔ عربی لہجہ میں۔ آواز کبھی لپٹ کبھی بلند اور اس ٹل کے دوران لفظ الا اللہ اکبیر دھمک کے ساتھ ادا ہوتا۔ معلوم ہوتا کہ ان کے دل سے آواز نکل رہی ہے۔ اور میرے دل پر چوٹ لگ رہی ہے۔ پھر وہ نوازل ادا کرنے میں لگ جاتے۔ ان میں قرأت دہی آواز میں کہتے۔ میرے لئے سب سے زیادہ تعجب خیز مرحلہ ہوتا جب دُعا کے دوران ان کو گریہ کناں دیکھتا۔ سچکیاں وقفہ وقفہ سے نکلتی رہتیں۔ دل میں سوال اٹھتا کہ یہ کیوں روتے ہیں ان کو کس نے زد و کوب کیا ہے ان کی کونسی ضرورت پوری نہیں ہوئی ہے۔ آج وہ رُوح پرور، عطر بنظرِ نظار سے اور انکی حیات بخش یادیں میری قیمتی سرمایہ ہیں۔ پھر جیسے جیسے شعور بیدار ہوتا گیا۔ بات سمجھ میں آئے گی کہ رات کے آخری پہر میں اٹھنا۔ ان کی زندگی کے معمولات میں سے ہے اور اللہ میاں کے آگے روزانہ گڑا نا ان کے فرائض میں شامل۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے حجاز مقدس کی دس سالہ رہائش کے دوران۔ قرآن کریم حفظ کیا تو روزانہ کا سبق یاد کرنا۔ سبق پارہ سنانا پچھلا سبق استاد صاحب کو سنا کر نیا سبق لینا۔ یہ تمام کام روزانہ رات کے تین بجے سے

لیکر اذان فجر تک مکتل ہو جاتے تھے۔ ان میں سحر خیزی کی عادت اسی وقت سے پڑی ہوئی تھی

قلبی خاک

حضرت والد مرحوم جلال و جمال کا حسین مرقع تھے اور جلال و جمال پر غالب تھا۔ گول بڑا سر فراخ اور چمکتی ہوئی پیشانی جس پر سجدوں کا مدھم سا نشان۔ سوچتی ہوئی دل کے اندر اتر جانے والی آنکھیں جن میں ہلکے ہلکے سرخ ڈورے تیرتے نظر آتے۔ گندم گول رنگ کسرتی جسم۔ جس پر موسم کے لحاظ سے صاف ستھرا بے داغ لباس کمرہ پر اکثر صدی یا شیر دانی زیب تن کئے ہوئے۔ ہاتھ میں چھتری۔ سر پر عربی منقش بڑا رد مال، عمامہ کی طرح سلیقہ سے بندھا ہوا خوبصورت بھری بھری وارھی سے مزین بارعب چہرہ، شرعی پاجامہ۔ سلیم شاہی جوتی قد و قامت درمیانہ۔ انداز شاہانہ۔ الغرض دیکھنے والا پہلی نگاہ میں متاثر ہو جاتا۔ عجیب و غریب شخصیت تھی ان کی۔

اولاد کے ساتھ ان کو بے انتہا قلبی لگاؤ تھا خصوصاً چھوٹے بچوں پر تو وہ جان چھڑکتے تھے۔ بچہ جو نہی ذرا بڑا ہوا اس کو ساتھ مدرسہ لیجانا شروع کر دیتے تھے۔ ہمارے حافظہ پر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کے مناظر نقش ہیں۔ جہاں ہم حضرت والد صاحب کی درس گاہ میں کیلئے کودتے رہتے۔ حضرت والد صاحب کو کبھی مختلف لہجوں میں مشق کراتے دیکھتے کبھی صدروالی جماعت پڑھتی ہوتی۔ کبھی حروف تہجی کی مشق کی آوازیں آتی رہتیں۔ کسی نے اچھا پڑھا اس کی حوصلہ افزائی ہوتی رہتی۔ محنت نہ کرنے والوں پر ڈانٹ پڑتی رہتی۔ کم بخت "کالفظ اکثر سننے میں آتا۔ عبد اللہ (قبائل پٹان) کی اکثر مرمت ہوتی تھی۔ پٹا لگانا تھا، روتا جاتا تھا۔ لمبا ٹونگا باریش پٹان تھا۔ جانے کہاں سے مدرسہ فرقانیہ میں ادھمکا تھا مختلف اساتذہ مدرسہ سے پڑھا۔ لیکن کسی مطمئن ہوا۔ آخر میں حضرت والد صاحب کے پاس آیا تو انہی کا ہو رہا۔ کسی مرتبہ اس کو حضرت والد صاحب نے اپنے پاس سے بھگادیا۔ وہ پھر آ جاتا تھا۔ بالآخر کئی سال کے بعد وہ فارغ التحصیل ہو کر گیا۔

شاہنواز افغانی : محمود غزنوی مرحوم، عبدالغفور بخاری، محمد قاسم ترکستانی۔

محمد المصری - سعد اللہ ایرانی الغرض ملک کے اطراف و اکناف کے شاگرد تھے جو حضرت سے فیض اٹھا رہے تھے۔ شب و روز گزرتے گئے۔ اور اسی طرح سن سن کر حضرت والد صاحب کی صحبتوں میں حاضر باش رہ کر ہم لوگوں نے تجوید سیکھی۔ لہجے سیکھے۔ مختلف لہجوں میں باہم گہ فرق سمجھا۔ اور ان پر عبور حاصل کیا۔ ہم نے باقاعدہ ان سے نہیں سیکھا۔ لیکن حضرت مرحوم نے ہماری تربیت کا جو انداز اختیار کیا اس کی وجہ سے ہم لوگ بغیر سکھائے سیکھ گئے۔

حضرت مرحوم کی قناعت و خودداری

مالک ارض و سما کی طرف سے آپ کو جو فنی و علمی و حقوق کمالات مرحمت ہوئے تھے اور جو شخصی و جاہلیت و طبعی شرافت آپ کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی۔ ان کی وجہ سے آپ کو ہمیشہ محبوبیت کا مقام حاصل رہا۔ آپ کے ارادت کیشوں میں تمام طبقات کے لوگ شامل تھے۔ انہی میں اغنیاء و روساء بھی تھے اور زعماء قوم و روساء ملت بھی۔ لیکن حضرت مرحوم نے کبھی اپنی خودداری کو سوال و طلب کہ مذلت سے آلودہ نہ ہونے دیا۔ فرماتے تھے کہ عبد اللہ مالک کچھ نہیں لیکن وہ مالک کون و مکان کے کلام کا حامل ضرور ہے۔ دنیا دار کے آگے عبد اللہ مالک اگر جھکتا ہے تو یہ اس کی نہیں بلکہ اس عظیم و عزیز کلام کی توہین ہے۔ جس کا وہ حامل و امین ہے۔ اپنی صلیبی و معنوی اولاد کو بھی حضرت مرحوم نے ہمیشہ یہی سکھایا کہ خسر و دار کبھی تمہاری وجہ سے کلام اللہ کی توہین نہ ہونے پائے۔ ان کی فطرت و تربیت کا یہ پہلو ہم سب کے لئے لائق تقلید ہے اور ان کی زندگی کے بیشتر واقعات اس حقیقت مذکور پر شاہد عدل ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ ان کا شغف

کلام اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ضرب المثل تھا۔ مثالی مسلمان کی مومنانہ صفات مضبوط ناقابل شکست عقیدہ توحید۔ صبر و قناعت۔ پختگی کردار اور راست بازی یہ ان کی فطرت کا بنیادی عنصر تھا۔ لیکن غش و فساد۔ افتراء و پڑائی و دروغ گوئی۔ خوشامد۔ جب جاہ و مال حسد و بغیبت۔ کینہ پروری وغیرہ جیسی صفات مذمومہ سے ان کو شدید نفرت تھی۔ یا اگر

کبھی کسی کو مذکورہ صفات ذمیرہ سے آلودہ پاتے تو بے انتہا تعجب اور غم اندوزہ میں مبتلا ہو جاتے اور بار بار حیرت سے پوچھتے کہ کیا کوئی مسلمان ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کیا کوئی اسلام کا دعویدار و ورغ گو و افتراء پرداز بھی ہو سکتا ہے؟ ان کی فطری خوبیوں اور دینی تربیت کا یکس جمل لاشعور می پران کی اولاد و تلامذہ میں بھی منتقل ہوا۔

قرآن کریم کے ساتھ ان کے گہرے شغف کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ قرآن پاک کی تلاوت گویا ان کی غذا و روح کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ اپنے تمام دینی و دنیوی شواغل و موانع کے ساتھ ساتھ روزانہ کم و بیش ایک منزل قرآن پڑھنا۔ چلتے پھرتے بھی اٹھتے بیٹھتے بھی یہ ان کی عادت ثانیہ بن چکا تھا۔ اور تہجد کی نماز میں جو معمول تھا۔ وہ ایک الگ موضوع ہے۔ ہم لوگوں کو نیز اپنے تلامذہ کو بھی ان کی یہ نصیحت و ترغیب تھی کہ زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھو حتیٰ کہ یہ تمہارا اور رضا بھونابن جاسٹے گہری نیند میں بھی اگر زبان سے کچھ کلام نکلے تو قرآن پاک ہی ہو۔ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں صلوٰۃ التزویج میں پورا قرآن پاک پڑھ لے اور پھر رمضان المبارک کے بعد روزانہ ایک قرآن پاک زبانی پڑھ لیا کرے ۳ ماہ تک ورنہ کم از کم ایک ماہ تک تو میں اس کو اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ انشاء اللہ وہ قرآن پاک کبھی بھی نہیں بھولے گا۔ آج ہم میں کتنے ایسے حامل قرآن ہیں جو ایک پارہ ہی روزانہ پابندی کے ساتھ پڑھنے کے عادی ہوں۔

حضرت کے یہاں علم اور اہل علم کا مقام

حضرت مرحوم کا علماء کرام کے ساتھ محبت و احترام کا تعلق تھا۔ فرماتے تھے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ملت اسلامیہ کی دینی تربیت و بصیرت زبانی انہی کا حق ہے۔ اپنے اپنے وقت میں حضرت ابوالحسن علی ندوی مدظلہ حضرت قاری طیب صاحب حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ احمد علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمپ پورہ۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔ حضرت مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر ملت

کے ساتھ حضرت ان کی عالمانہ شان کی وجہ سے مرحوم کے خصوصی مراسم تھے، اسی طرح اپنے تلامذہ میں جو حضرات اہل علم تھے، حضرت مرحوم ان کی خاص رعایت فرماتے تھے۔ حضرت قاری غلام النبی صاحب ایرانی، مولینا راز محمد صاحب قندھاری، مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی، مولینا قاری حسن شاہ صاحب مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب فیض باغ والے رحمۃ اللہ علیہ قاری عبدالوہاب صاحب مکی قاری حضرت حامد میاں صاحب و دیگر تلامذہ پر جو اہل علم تھے حضرت مرحوم کی خصوصی توجہ تھی، اس عاجز و ناکارہ کو اکثر احساس دلاتے کہ حامل قرآن کو مکمل عالم بھی ہونا چاہیے اگر صرف عالم ہو اور تجویذ سے نااہل ہو تب بھی نقص موجود رہے گا۔ قرآن کی ادا صحیح نہ ہونے کی وجہ سے بہت ممکن ہے کہ اس کی ناز میں خلل واقع ہو جائے پھر امام ہونے کی حالت میں اس کے مقتدی حضرات کی نازیں بھی معرض خطر بن گئیں، اور اگر صرف حافظ قاری ہو، عالم دین نہ ہو، تب بھی خطرہ باقی ہے، اس بڑے نقص کی وجہ سے ایسے قاری کے کردار میں وہ گہرائی اور گیرائی پیدا نہ ہو سکے گی، جو ایک حامل قرآن کا وصف ہونا چاہیے۔ کاش آج کے اہل علم قرآن کریم کی ادا صحیح کرنے کی طرف متوجہ ہوں اسی طرح حفاظ و قراء کرام علم نافع کے حصول میں سرگرداں ہو جائیں، تاکہ ہر عالم دین، بہترین قاری بھی ہو اور ہر قاری و حافظ، ذیور علم سے پوری طرح آراستہ ہو اور امت مسلمہ کی رہنمائی کا ذلیفہ انجام دے سکے آمین۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ کتب کے بیحد رسیا تھے، ہر روز ان کو سونے سے پہلے علمی کتب کا مطالعہ ان کے معمولات میں داخل تھا گھر میں خاصا بڑا ذخیرہ کتب تھا، میں نے تقریباً ہر کتاب میں اندرونی صفحات پر کبھی بین السطور، کبھی حاشیہ پر ان کی لکھی ہوئی عبارتیں کچشم خود ملاحظہ کی ہیں، فن قرأت پر سچیدار کتب اور قلمی مخطوطات حضرت کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھے جو حضرت کے مطالعہ سے گزرے تھے آج ضرورت ہے اس امر کہ فن سے وابستہ اصحاب مطالعہ کتب کی عادت کو اپنے اتنا ذمہ مرحوم کی طرح اپنائیں کہ اس کے بغیر فن پر مضبوط گرفت اور توسع علمی کا حصول امر محال ہے۔

حضرت مرحوم جہد میں عربی لہجوں کے مؤسس کی حیثیت سے :

حجاز مقدس میں سالہا سال گزارنے اور وہاں کے علمی سرچشموں سے پوری طرح سیراب ہونے کے بعد حضرت مرحوم عربی طور طریقوں کو اپنائے ہوئے بے تکان فصیح عربی بولتے ہوئے اور اللہ کے کلام کو اقراء والفرقان بلحون العرب واصواتہم کی عملی تفسیر بنے ہوئے جب وارد ہند ہوئے تو بہت تھوڑے عرصہ میں اسلامیان ہند کے دل کو مسح کر چکے تھے۔ تمام معروف عربی لہجے اور حجازی الحان گویا ان کے سامنے ہاتھ باز دھکے کھاتے رہتے تھے۔ حسینی۔ حجازی۔ مصری۔ مایہ۔ عرب۔ محطہ اشتیاق۔ دوکا۔ سیکا وغیرہ لہجوں پر لوہا عبور ہی نہیں۔ بلکہ ان لہجوں کی باریکیوں پر گہری استادانہ نظر تھی۔ عام طور پر قرأت کی ابتداء۔ حسینی لہجہ سے ہوتی۔ دھیمی آواز سے شروع کرنے کے بعد بتدریج لہجہ کے آثار چڑھاؤ۔ اس کے مختلف مراتب کی بندشیں۔ آہستہ آہستہ آواز میں جوش و خروش پیدا ہوتا جاتا۔ حتیٰ کہ آواز اپنے نقطہ عروج تک جا پہنچتی۔ اس کے بعد اچانک حجازی لہجہ کو تلامذہ میں اس ناقابل بیان خوبصورتی کے ساتھ پیوست کرتے کہ سننے والا وجدی آجاتا اس کے فوراً بعد مرکزی لہجہ حسینی میں واپس آجاتے پھر جو آواز بلند ہوتی تو مصری لہجہ کی مست کن اٹھان کاؤل میں رس گھولتی۔ سیدھی دل پر مار کرتی کہ سننے والوں کی بے ساختہ چیخیں نکل جاتیں اس عاجز و ناکارہ نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے سالانہ جلسوں میں متعدد سامعین کو حضرت کی قرأت کے دوران وجد میں آتے اور اپنے چہرہ سے وجدانی کیفیات میں نیچے گرتے دیکھا ہے لہجوں پر ماہرانہ گرفت کے علاوہ جو چیز حضرت کو ان کے ہم عصروں سے ممتاز کرتی تھی وہ آیات قرانیہ کے معانی و مفاسم لمیطالقی آواز کے آثار چڑھاؤ کا کمال تھا۔ جس میں حضرت کا کوئی ثانی نہ تھا۔ غنائے جنت والی آیات کی تلاوت کے دوران لہجہ و آواز سے اشتیاق و طلب کی کیفیات محسوس ہوتیں غذا بہا جہنم والی آیات اسی طرح غنا و غضب والی آیات کی اداء کا انداز غنا و غضب کی کیفیات کا مظہر ہوتا۔ کفار و مشرکین و اعداء الدین سے جہاں خطاب ہوتا۔ زبرد تو بیخ والی کیفیات سامنے آ جاتیں۔ الفرض ان کی تلاوت کیا تھی۔ عطر بیز پھولوں کا گلہ ستر تھی۔

یہی وجہ تھی کہ آپ کو قبول عام حاصل تھا کسی بھی جلسہ میں آپ کا نام اس جلسہ کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ کتنا ہی بڑا مجمع ہوتا۔ جب آپ تلاوت کا آغاز فرماتے۔ مجمع کو سانپ سونگھ جاتا تمام لوگ ہمہ تن گوش بن کر انصاف و استماع کا پیکر بن جاتے۔ آپ کی آواز کے نشیب و فراز کے ساتھ ساتھ محسوس کرتے کہ ان کی روح بھی فضاؤں میں محو پرواز ہے اور سارا مجمع گریہ کناں ہو جاتا۔ آپ کی تلاوت کے بعد کسی کو پڑھنے کی جرات نہ ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ غیر منقسم ہندوستان میں عربی لہجوں کو متعارف کروانا، اور مقبول بنانا اس کا سہرا آپ کے اور آپ کے برادر بزرگ حضرت قاری عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔

نصف صدی تک یہ دونوں عنذلیب نغمہ زار رہے اور ان چرخوں سے بے شمار چراغ روشن ہوئے۔ آج شہر شہر قریہ قریہ میں ان کے شاگرد یہ قرآنی عنذلیب اپنی دل موہ لینے والی قراتوں سے قلوب کو مسحور کئے ہوئے ہیں۔

اسی طرح قرات سماع و عشرہ کے میدان میں بھی ان دونوں بزرگوں کی خدمات ناقابلِ ناسخ و فراموش ہیں۔ جن کے خوشہ چین اپنی اچھی جگہ شیخ القراء بنے ہوئے ہیں۔

حضرت قاری صاحب لے حضرت تھانویؒ سے بوجھا۔ خلش رہتی تھی کہ جب کبھی طبیعت حاضر ہو اور اچھا پڑھا جائے تو سننے والوں کے کیف کو محسوس کر کے ان کی طبیعت میں حظ پیدا ہوتا ہے، کہیں یہ ریا میں تو داخل نہیں ہے اپنی اس خلش کو اپنے مرشد حضرت تھانویؒ کے سامنے خط لکھ کر ظاہر کیا اور ان سے رہنمائی چاہی حضرت نے اپنے معمول کے مطابق اسی خط پر چند سطروں میں جو جواب دیا

”آپ کا خط ملا۔ آپ کی اس خلش سے خوشی ہوئی، پیش کردہ سوال کے جواب میں یہ ہے کہ پڑھنے سے پہلے یہ خیال باندھیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھ رہا ہوں، دورانِ تلاوت یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہوں اور وہ متوجہ ہو کر سن رہے ہیں، اختتامِ تلاوت پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں کہ اے اللہ! اس تلاوت میں آپ کی رضا کے علاوہ جو اور جذبے پیدا ہو گئے ہوں ان کو معاف فرما کر قبول فرمائیں۔ امین اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ اس خیال سے تلاوت کو ترک نہ کریں کہ اس میں ریا کا شائبہ داخل ہو گیا ہے کہ یہ دوسرے شیطان ہے۔ اور ترکِ عمل کا ایک لطیف حیلہ۔“

دوسری جگہ

استاذ مکرم

اما بعد۔ یوں تو غالباً بلکہ یقیناً "حضرت کا ذکر خیر پہلے بھی سنا ہوگا اس لئے کہ میرے اس وقت تک کے دونوں اساتذہ حضرت حافظ قاری خدابخش صاحب کانٹھوی مراد آبادی مدظلہ العالی اور حضرت حافظ قاری کریم بخش صاحب شاہ جہانپوری مدرسہ عالیہ فرتانیہ لکھنؤ ہی کے سند یافتہ اور دہاں کے فضلاء میں سے تھے لیکن آپ سے کسب فیض و استفادہ کا شوق اس وقت کچھ زیادہ ہی موجزن ہو گیا۔ جب حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے ایک مرید خاص بلکہ غالباً خلیفہ مجاز حضرت مولانا حکیم پیر عبدالحق صاحب ساکن ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور مشرقی پنجاب نے ایک روز دوران گفتگو میں فرمایا کہ یہاں اپنی تعلیم مکمل کر لو تو پھر تمہیں لکھنؤ میں قاری عبدالمالک صاحب سے مزید استفادہ کیلئے بھیج دیا جائے گا اور ان سے تمہاری سفارش کر دی جائے گی۔ پھر جوں جوں سب سے کامروجہ نصاب قریب الانقضاء آتا گیا تو ان دونوں اساتذہ کے مابین سوال ابھرنے لگا کہ امتحان کن کو دلویا جائے اس لئے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہر عام خاص تو درکنار اچھے اچھے اور شہر کے ممتاز افراد بھی اپنے آپ کو سند فراغت دینے اور بالخصوص ممتحن کی حیثیت سے کسی کو سند پر دستخط کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے اور ایک طرح کی بے ادبی سمجھتے تھے۔ اس لئے مسئلہ یہ زیر بحث تھا کہ آیا اس کو امتحان کے لئے سہارنپور میں حضرت قاری عبدالحق صاحب کی یاد یوں بند میں حضرت قاری محمد حفظ الرحمن صاحب کی یا لکھنؤ میں حضرت قاری عبدالمالک صاحب کی خدمت میں بھیجا جائے تا آنکہ رجب ۱۳۶۲ھ شروع ہو گیا اور ادھر باہمی گفت و شنید میں بالآخر یہی طے پایا کہ میں امتحان لکھنؤ جا کر حضرت قاری عبدالمالک صاحب ہی کو دوں۔ اس لئے کہ حضرت قاری صاحب متحدہ ہندوستان کے سب سے بڑے مدرسہ

کے سب سے بڑے اُستاد ہونے کے علاوہ اس ادا اور عربیت میں بھی انفرادی مقام پر ہونے کی وجہ سے امتیازی شہرت کے مالک بھی ہیں۔ ان دو خصوصیتوں کے علاوہ ایک تیسری بڑی اور اہم خصوصیت آپ کی یہ بھی تھی کہ مدرسہ صولتبیہ مکہ مکرمہ کے شیخ القراء حضرت مولانا قادی محمد عبداللہ صاحب سے آپ کو براہ راست شرف تلمذ حاصل تھا اور اس وقت اس شرف میں آپ کے ساتھ غالباً پورے ہندوستان میں آپ کے بڑے بھائی قادی عبدالغنی صاحب کے علاوہ اور کوئی شریک نہیں تھا۔ الغرض مقررہ تاریخ میں تقریباً شام کے چھ بجے کلکتہ ایک پرسی میں لکھنؤ جانے کے لئے سوار ہوا۔ یاد پڑتا ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے سہارنپور تک کھڑے کھڑے ہی جانا پڑا جو تقریباً امرتسر سے آٹھ گھنٹے کا سفر ہے۔

گرمی کا موسم تھا غالباً جون یا جولائی کا مہینہ تھا۔ قصہ مختصر اگلے روز دوپہر کو تقریباً ایک بجے انیس گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد لکھنؤ پہنچا اسٹیشن سے مدرسہ تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ٹانگے عام مل جاتے تھے۔ مدرسہ کی گلی میں جب داخل ہوا تو یاد پڑتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت قادی عبدالمعین صاحب کے تلمیذ خاص اور معین قادی محمد الطاف صاحب کی آواز کا نون میں پڑی۔ وہ کسی شاگرد کو سورہ غافر کے چھٹے رکوع رانا منصور دسلنا وَالَّذِينَ آمَنُوا کی مشق کرا رہے تھے میں تلاوت سنتے ہی مبہوت سا ہو گیا۔ اللہ اللہ کیسی اچھی آواز ہے اور پھر لہجہ بھی کتنا ہی پیارا ہے کہ دل کھچا جا رہا ہے کیا عالیہ فرقانیہ کے اساتذہ اور طلبہ کی ایسی اچھی آوازیں ہیں۔ تجوید و قراءت کے درجے چونکہ مدرسہ کی بالائی منزل میں تھے اس لئے آواز پورے محلے میں گشت کر رہی تھی۔ ادھر مدرسہ کے سامنے حاجی اصطفیٰ مرحوم کی ضابطہ نگ میں سے قسم قسم کی عطر کی خوشبوئیں دماغوں کو معطر کر رہی تھیں ورساری گلی میں معطر ہوائیں چل رہی تھیں۔ آگے بڑھا اور مدرسہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے شعبہ جات حفظ کے صدر مدرس حضرت حافظ محمد شفیع صاحب سے ملا اور استاد محترم حضرت قادی خدا بخش صاحب کا پرچہ جو میرے ہی بارے میں انکے نام آپ نے بھیجا تھا انکو دیا۔ پڑھ کر

خیریت دریافت کی۔ کھانا منگوایا۔ خمیری روٹی اور لکھنؤ کے چٹ پٹے کبابوں نے خوب خوب مزہ دیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب مجھے یہ بتایا گیا کہ حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ آج ہی پندرہ یوم کی رخصت لیکر علی گڑھ تشریف لے گئے ہیں تو سچ عرض کرتا ہوں کہ جذبات پر اس پڑھ گئی اور آرزوؤں کا خون ہو گیا۔ مائے افسوس جن کی زیارت اور تراء سننے اور امتحان دینے کے لئے اتنا لمبا سفر کر کے سخت گرمی کے موسم میں یہاں آیا ہوں انہی کی جس صحبت سے محروم ہوں حالات ایسے نہ تھے کہ میں پندرہ روز تک قیام کر سکتا اس لئے یہ طے پایا کہ امتحان حضرت قاری عبدالمعید صاحبؒ کو دیا جائے کیونکہ قاری صاحب موصوف قاری عبدالملک صاحب کے بعد مدرسہ کے سب سے بڑے استاد اور قاری صاحب کے معاصر ہیں شام ہو چکی تھی چھٹی کا وقت بالکل قریب تھا اس لئے امتحان اگلے روز پڑھ لیا ہوا اور میرے ٹھہرنے کے لئے مدرسہ کی مسجد میں انتظام کر دیا گیا اور صبح ہوا کہ مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے جب حضرت حافظ قاری مقری حضرت نذر صاحبؒ کے چھوٹے صاحبزادے رجواگے چل کر طیبہ میں میرے شریک درس بنے انے تکبیر کا اللہ اکبر کہا تو دل اور بھی زیادہ مسرتوں سے حمور ہو گیا۔ قاری محمد شاہ صاحبؒ کا عین شباب کا زمانہ تھا اللہ نے آواز نہایت سرلی عطا فرما رکھی تھی پڑھنے میں عربیت ایسی آواز اور لہجہ میرے سننے میں اس سے پہلے غائبانہ آیا تھا کیونکہ ریڈیو اس وقت خال خال ہی تھے ذرائع ابلاغ بہت کم تھے اور تھے بھی مالداروں ہی کے گھر میں اور غریب طالب علم کی ریڈیو تک رسائی ہونے کے امکانات بہت کم تھے اس لئے قراء مصر کی ملاوت سننے کا موقع ہی نہ آیا تھا۔ الغرض تکبیر اور ثنا کے بعد قاری محمد شاہ صاحب نے جب آواز اٹھا کر اسی لہجہ میں سورۃ فاتحہ پڑھائی شروع کی تو سفر کی صعوبت بھل گیا اور یہ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ بہت اچھا ہوا جو میں یہاں آگیا اللہ ان قاریوں کی آوازوں اور لہجوں میں یہ باد کا اثر ہے حالانکہ لکھنؤ سے باہر ان کی کوئی خاص شہرت بھی نہیں تو حضرت قاری عبدالملک صاحب جن کی سن ادا اور عربیت

کاسارے ہندوستان میں ڈنکا بج رہا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ حضرت قاری صاحب نے
 مہبط وحی مکہ مکرمہ میں دس سے بیس برس تک کی عمر میں یعنی پورے دس سال تک مشق کی تھی وہ
 کس طرح کا پڑھتے ہوں گے اور ان کے پڑھنے میں کس درجہ کا سوز ہوگا وہ کہہ کر افسوس ہوتا کہ ہائے
 دو چار روز پہلے کیوں نہ پہنچ جاتا کہ قاری صاحب کی زیارت نصیب ہو جاتی اب پندرہ روز
 کیسے ٹھہروں۔ غربت اجازت نہیں دیتی اس کے علاوہ مسافرت اور اجنبیت بھی دو ہفتے کا
 قیام کرنے سے مانع ہیں۔ فقہ مختصر اگلے روز حسب طے شدہ پروگرام حضرت قاری عبدالمعبود
 صاحب کو روایت حفص اور قرأت سبعہ دونوں چیزوں کا ایک دم اور غالباً ایک ہی مجلس
 میں امتحان دیا۔ یاد پڑتا ہے کہ روایت حفص کے امتحان کے سلسلہ میں ترتیل میں سورہ قیامہ
 اور حدیث چھوٹی بنی اسرائیل یعنی سورہ بقرہ کا پانچواں رکوع سنایا۔ ممتحن گرامی نے تجوید کی کتاب
 کا امتحان اس طرح لیا کہ حد میں سنائے ہوئے رکوع میں ہی مسائل کا اجرا کرایا اور بس کسی
 کتاب کی عبارت کے بارے میں غالباً کچھ نہیں پوچھا۔ ادھر سبعہ کے امتحان کے سلسلہ میں
 اجراء کے سلسلہ میں سورہ بقرہ کی پہلی آیتیں یا غالباً سورہ نساء کی پہلی آیت سنانے کی فرمائش
 کی۔ اجراء تو بحمد اللہ تقالی صحیح صحیح سنا دیا لیکن کتاب میں بالکل فیل تھا باب الادغام البکیر
 کے چند اشعار ترجمہ تو پھر بھی ٹوٹا بھوٹا بتا دیا مگر دیا باچہ کے اشعار کا ترجمہ کرنے سے بالکل ہی
 قاصر رہا۔ بڑی ندامت ہوئی اور افسوس بھی ہوا اور اندیشہ بھی ہوا کہ کہیں فیل نہ کر دیا جاؤں
 کیا منہ لیکر جاؤں گا مگر حضرت قاری صاحب نے حد درجہ کی شفقت فرمائی اور ارشاد فرمایا
 کہ اگرچہ تم کتاب میں بہت کمزور ہو لیکن چونکہ اجراء ٹھیک سنایا ہے اور آئے بھی دو دروازے
 کا سفر کر کے ہو اس لئے ہم تمہیں پاس کئے دیتے ہیں یہ سن کر دل باغ باغ ہو گیا اور خوشی کی
 لہر دل میں دوڑ گئی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد پھر میں استاد محترم حضرت حافظ
 قاری خدا بخش صاحب کا پرچہ لیکر جناب لڈنگ کے مالک اور اصغر علی، محمد علی کے عطر
 کے کارخانے اور جناب لڈنگ کے مالک جناب حاجی اصطفیٰ خان صاحب کے منجھلے

صاحبزادے اور قرآن مجید کے سچے عاشق باوجود ٹیسا نہ ٹھاٹھ باٹھ رکھنے کے بڑائی اور عجب سے یکسر معر حضرت حافظ قاری احمد علی صاحب کی خدمت میں پہنچا آپ نے پرچہ پڑھ کر حضرت قاری صاحب کا حال دریافت کیا۔ درخواست کرنے پر بغیر کسی لیت و عل اور عذر معذرت کے قرآن سننا شروع کر دیا غالباً سورہ طہ کا پانچواں رکوع وقتہ قال لہم ما روت کی تلاوت فرمائی۔ اللہ اللہ ایں ہمہ خانہ آفتاب است لکھنؤ کے قراء سارے ہی ایک سے ایک بڑھ کر ہیں قاری احمد علی صاحب میرے چچا استاد ہوئے ہیں کیونکہ آپ بھی حضرت قاری خدا بخش صاحب قاری کریم بخش صاحب قاری عبدالشکور صاحب ہی کی طرح قاری محمد صدیق صاحب کے ہی شاگرد تھے اس لئے بلا ہچکچاہٹ درخواست کی کہ جتنے دن میں یہاں ہوں مجھے مشق کرا دیا کریں جو آپ نے بخوشی منظور فرمایا جتنے روز لکھنؤ میں رہا مشق کرتا رہا۔

حینی لہجہ میں۔ ادھر پندرہ روز گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت قاری عبداللہ صاحب نے مزید پندرہ روز کی رخصت منگوا بھیجی ہے۔ اگرچہ امتحان تو میں دے چکا تھا لیکن قاری صاحب کی قراءت سننے کا شوق دل میں غایت درجہ کا موجزن تھا اور ادھر قاری احمد علی صاحب سے چونکہ مشق شروع ہو چکی تھی اس لئے طبیعت کچھ لگ گئی لیکن جب قاری صاحب نے دوبارہ چھٹی منگوا بھیجی تو پھر ہٹھڑنا بہت ہی گراں گزرنے لگ گیا یاد پڑتا ہے میں بائیس روز کے بعد واپس امرتسر آگیا۔ اپنے اساتذہ کو یہ سارا ماجرا سنایا۔ خوش ہوئے کہ ہمارا طالب علم کامیاب ہو کر آیا ہے اور بات تھی بھی خوش ہونے کی۔

ان دنوں قراءت سب سے کی تحصیل اور عالیہ فرقانیہ کے چوٹی کے استاد اور اساتذہ الاساتذہ کی توثیق کوئی معمولی بات نہ تھی اس لئے یہ اعزاز جہاں میرے لئے مسرتوں کا باعث تھا۔ وہاں میرے اساتذہ کے لئے بھی یقیناً شادمانیوں کا سبب تھا۔ اثنائے گفتگو میں نے جب حضرت قاری خدا بخش صاحب کے سامنے یہ بیان کیا کہ حضرت

قاری عبدالمعبود صاحب نے فرمایا تھا کہ شاطبیہ تو تم پڑھ ہی چکے ہو اب اگر مجھ سے کچھ پڑھنا ہے تو طیبہ پڑھو مگر میں نے اس پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی تو استاد صاحب کو قدرے ملال ہوا اور فرمایا کہ تم نے غلطی کی ہے ہاں کر لینی چاہیے تھی اور ضرور کہہ دینی چاہیے تھی ایسا موقعہ پھر کہاں ملتا تھا آئے گا کہ اتنا بڑا استاد تمہیں خود طیبہ پڑھانے پر تیار ہو گیا ہے پھر طیبہ ہے بھی نصاب سے اور پر کی کتاب کیونکہ عالیہ فرقانیہ میں عشرہ والوں کو صرف درہ ہی پڑھایا جاتا تھا۔ ادھر یہ ہوا کہ قاری خدا بخش صاحب نے میری رائے معلوم کئے بغیر از خود ہی حضرت قاری عبدالمعبود صاحب کو خط لکھا کہ اگر آئندہ سال محمد شریف آپ کی خدمت میں طیبہ کے لئے حاضر ہو تو کیا آپ اس کو قبول فرمائیں گے چونکہ طیبہ عالیہ فرقانیہ کے نصاب میں نہیں تھی اس لئے اس کے پڑھانے کے لئے وقت بھی حضرت قاری صاحب کو علیحدہ دینا پڑتا تھا لیکن اس کے باوجود حضرت قاری عبدالمعبود صاحب نے فرمایا کہ بھیج دیں میں انشاء اللہ پڑھا دیا کروں گا ادھر میں ایک تو اپنے اعزہ اقارب اور اپنے احباب سے اور کچھ اپنے حالات اور غربت وغیرہ کی وجہ سے دوبارہ لکھنو جانے کے بارے میں تامل کر رہا تھا اور دوسری وجہ تامل کی یہ ہوئی کہ ادھر میں امتحان دے کر امرتسر پہنچا اور ادھر حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی وساطت سے ملتان میں پڑھانے کے لئے ایک جگہ کی پیش کش ہو گئی ایک طرف مستادین جانے کا اعزاز تنخواہ اور اچھا کھانا پینا اور دوسری طرف دور دراز کا سفر اعزہ اور دوسرے احباب سے دوری غربت اور مسافت اور دوران تعلیم میں اخراجات کا فقدان کبھی ملتان کی طرف دل مائل ہوتا تو کبھی لکھنو کی یاد اپنی طرف کھینچتی۔ اگرچہ میرے بعض اساتذہ کی رائے بھی یہی تھی کہ اب میں سلسلہ تعلیم کو ختم کر دوں اور اسی کو اختیار کر لوں۔ لیکن حضرت قاری خدا بخش صاحب جن سے میں نے الحمد سے لے کر داناں تک حفظ کرنے کے علاوہ تجوید کے بھی ابتدائی استاد میرے وہی تھے اور نہ صرف یہ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے حضرت شاہ

رفیع الدین صاحب کا ترجمہ حضرت اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ اور حضرت شیخ الہند کا ترجمہ یہ اور ان کے علاوہ بعض دوسرے تراجم بھی زیر مطالعہ رہتے۔ ان سب کو سن کر جس ترجمہ میں جو لفظ آسان سے آسان تر ہوتا مجھے وہی بتاتے۔ اس طرح بحمد اللہ تعالیٰ پورے کے پورے قرآن کا لفظی ترجمہ بھی مجھے ازبر ہو گیا اور ایسا ازبر ہوا کہ قرآن مجید کی عبارت پڑھے بغیر صرف ترجمہ ہی ترجمہ کئی کئی رکوعات کا کرتا جاتا مگر افسوس کہ اب سب کچھ بھول چکا ہے۔ ترجمہ ختم کرانے کے بعد آپ نے مجھے شیخ بڑھے کی مسجد میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب ہزارویؒ کی خدمت میں عربی فارسی پڑھنے کے لئے چھوڑ دیا۔ تین چار سال تک حضرت مولانا سے استفادہ کرتا رہا۔ اس تفصیل کا بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ حضرت قاری خدابخش صاحب کو مجھ پر غایت درجہ کی شفقت تھی۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں کچھ بن جاؤں اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری خواہش یہ ہے کہ امرتسر کا کوئی لڑکا بن جائے۔ ان وجوہ کی بنا پر انکا نہ صرف مشورہ بلکہ اصرار تھا کہ میں آئندہ سال لکھنؤ ہی جاؤں اور مدرسہ سی کا خیال فی الحال ترک کر دوں۔

ادھر حضرت قاری عبدالشکور سائیس پورٹی ایک روز کمپنی باغ کی میر کے لئے مجھے ساتھ لے گئے اور سارا راستہ ہی سمجھاتے رہے کہ مدرسہ اور تنخواہوں کے لئے ساری عمر پڑی ہے مگر علم کے حاصل کرنے کا موقعہ پھر نہیں ملے گا۔ اس لئے تمہیں مزید ایک سال کے لئے لکھنؤ ضرور جانا چاہئے قصہ مختصر آئندہ سال ذی قعدہ کی کسی تاریخ میں لکھنؤ روانہ ہو گیا چونکہ چار ماہ پیشتر ایک دفعہ تقریباً تین ہفتے میں یہاں گزار گیا تھا اور اس عرصہ میں مدرسہ کے اکثر اساتذہ سے میں متعارف ہو گیا تھا۔ اس لئے اس مرتبہ میرے لئے لکھنؤ میں اجنبیت نسبتاً کم تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ قاری محمد شاہد صاحب جو مدرسہ کے سامنے دال مسجد میں جہری نمازوں کے امام تھے اور وہ میرے ساتھ شریک درس ہو گئے اس لئے مجھے مسجد میں ٹھہرنے کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہی مل گئی بلکہ میں ان لوگوں کے ساتھ کچھ اس طرح

گھل مل گیا گو یا کہ ان کے ساتھ میری پہلے ہی سے جان پہچان تھی۔ پورے کو اٹھ لکھوں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے مقصد کی بات کی طرف آتا ہوں طیبہ کا سبق شروع ہو گیا۔ مگر چونکہ وہ کتاب مدرسہ کے نصاب میں داخل نہیں تھی۔ اس لئے حضرت قاری صاحب عام طور پر مدرسہ کے خارج وقت میں ہی پڑھا یا کرتے تھے۔ کبھی فجر کی نماز کے بعد کمپنی باغ میں اور کبھی دوپہر کی چھٹی کے بعد گھر پر ترتیب پوری طرح تو ذہن میں نہیں غالباً یہ ایسا ہو گا کہ گرمیوں میں تو فجر کی نماز کے بعد کمپنی باغ میں پڑھاتے ہوں گے اور سردیوں میں دوپہر کے وقت گھر پر واللہ اعلم۔ ادھر طیبہ کا سبق شروع کر دیا اور ادھر استاد محترم حضرت قاری احمد علی صاحب سے مشق شروع کر دی۔ صبح نو دس بجے کے قریب قاری صاحب کے مکان پر پہنچ جاتا آواز دینے پر نوکر بیٹھک کا دروازہ کھول دیتا اور میں اس میں بچے ہوئے تخت پوش پر بیٹھ کر ترتیل میں تلاوت شروع کر دیتا جو ان کا زمانہ تھا بہت سے بہت بائیس ساڑھے بائیس سال کی عمر ہو گی۔ یاد پڑتا ہے کہ بعض دفعہ پورا پورا سپارہ بلند آواز کے ساتھ مشق کر جاتا پھر قاری صاحب نیچے اترتے اور وہ بھی تین تین چار چار بلکہ بعض دفعہ پانچ پانچ رکوع کھلا جاتے کبھی حسینی میں کبھی میں کبھی مصری میں کبھی حجازی میں کبھی محطہ میں کبھی پختہ حجازی رنجقہ میں کبھی مایہ میں اور کبھی عشائی میں کبھی بہت سے لہجوں میں قاری احمد علی صاحب کو صرف یہی نہیں کہ لہجوں پر پوری طرح عبور حاصل تھا بلکہ لہجوں کی تاریخ سے بھی واقف تھے اور فرمایا کرتے کہ یہ لہجہ پہلے اس طرح پڑھا جاتا تھا پھر اس طرح پڑھا جانے لگا اب اس طرح پڑھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ یاد پڑتا ہے کہ آٹھ ماہ کے عرصہ میں سورہ بنی اسرائیل کے شروع سے ختم قرآن پاک تک سولہ پارے آٹھ لہجوں میں مشق کیے۔ سات لہجے تو ٹوٹے بھوٹے آگئے البتہ عشائی نہ آیا اچھی طرح یاد نہیں کہ میں نے کبھی کسی لہجے میں مشق کرانے کی درخواست کی ہو اور آپ نے ٹال مٹول کر دیا ہو۔ جب بھی لہجہ بدلنے کی درخواست کی فوراً اسی لہجہ میں مشق کرانی شروع کر دی حتیٰ کہ ایک روز محطہ میں مشق کر رہے تھے کہ اسی اشنا میں ایک قاری

صاحب تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اپنے لئے بھی کچھ رہنے دو گے یا نہیں مگر حضرت قاری احمد علی صاحب نے اس طرف توجہ نہ دی اور محطہ ہی میں مشق کراتے رہے میں جب نیا نیا لکھنؤ سے فارغ ہو کر آیا تو کئی سال تک میری یہ حالت رہی کہ تراویح کے سوا پائے میں تقریباً سارے ہی لمحوں میں تھوڑا تھوڑا پڑھ لیا کرتا۔ مگر اب تو وہ دن ہوا ہوئے اب تو کئی سال سے سنانے کا عمل سرے سے متروک ہی ہو گیا ہے چونکہ مجھے اپنے حالات بیان نہیں کرنے بلکہ حضرت شیخ القراء والمقاری حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب کے بارے میں کچھ لکھنا ہے اس لئے میں اب درمیانی کڑیوں کو چھوڑتا ہوا اصل مقصد کی طرف آتا ہوں ہیں نے قاری محمد شاہ صاحب کی معیت میں طیبہ کا درس لینا اور قاری احمد علی صاحب سے مشق کرنا تو شروع کر دی لیکن حضرت قاری صاحب سے استفادہ کا شوق بدستور قلب میں موجزن تھا اور اس وقت دل کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ کاش جیسے بھی ہو قاری صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہو جائے فلہذا المراد۔ لیکن حضرت قاری صاحب سے کچھ عرض کرنے کی مجھے تو کیا اچھے لوگوں کو ہمت اس وقت نہیں ہوتی تھی۔ اسی کشمکش میں دو اڑھائی ماہ گزر گئے بالآخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بالواسطہ درخواست گزار ہی دی جس کی صورت یہ ہوئی کہ قاری صاحب کے تلمیذ رشید اور سابق معین قاری محمد سابق صاحب سے میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی اور ان کو درخواست گزار نے کا ذریعہ بنایا۔ دوسرے یا شاید تیسرے روز قاری سابق صاحب نے جواب دیا کہ حضرت قاری صاحب نے فرمایا ہے کہ سالانہ امتحان کے بعد اب چونکہ سالانہ امتحان ربیع الاول میں ہوا کرتے تھے خدا خدا کر کے امتحانات کے انعقاد کا وقت آیا۔ امتحانات ہوئے سالانہ جلسہ ہوا ان سب مراحل سے گذر جانے کے بعد میں پھر قاری محمد سابق صاحب سے ملا۔ اور اپنی آرزو دہرائی قاری سابق صاحب نے حضرت قاری صاحب سے گفتگو کر کے مجھے اطلاع دی کہ قاری صاحب نے تمہیں فلاں وقت بلایا ہے۔ غالباً دوپہر کی چھٹی کا وقت طے ہوا تھا میں

ڈرتے ڈرتے اور یاس و آس کی درمیانی کیفیت میں حاضر ہوا تو ایک آدھ بات جواب
 یاد نہیں، دریافت فرمانے کے بعد پڑھ کر سنانے کے لئے فرمایا یاد پڑتا ہے کہ میں سورۃ
 رحمن کے دوسرے رکوع کلام علیہا فان کی چند ابتدائی آیات ڈرتے ڈرتے
 پڑھ کر سنائیں بات تو کوئی ایسی تھی نہیں مگر نامعلوم سبب کون سی چیز بنی مگر مجھے قرینے
 سے اندازہ ہو گیا کہ میری درخواست منظور ہو گئی ہے چنانچہ فرمایا کہ تم تو قاری احمد علی سے
 مشق کرتے ہو اور میرے اور ان کے لہجوں میں فرق ہے میرے لئے یہ سوال بھی ایک طرح
 کا امتحانی سوال تھا مگر اللہ کے فضل سے میری زبان پر معاً یہ جواب آ گیا کہ میں آپ کے پاس
 لہجے سیکھنے کے لئے حاضر نہیں ہونا چاہتا بلکہ میرا مقصد تجوید سیکھنا ہے جواب پسند آ گیا۔
 فرمایا ٹھیک ہے کل سے فلاں وقت آ جایا کرو۔ غالباً دوپہر کی چھٹی کا وقت طے ہوا میرے
 لئے یہ منظوری بڑی خوش آئند تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ شروع میں کہیں آیا ہی یہی مقصد لیکر
 تھا اور میری یہ دیرینہ آرزو تھی۔ اگرچہ اس وقت تو مجھے یاد نہیں پڑ رہا کہ اس وقت میرے
 احساسات و جذبات کیا تھے مگر میرا خیال ہے کہ یہی خیالات دماغ کی فرحت و سرور کا
 سبب بن رہے ہوں گے کہ اب ایک طرف ہندوستان کے سب سے بڑے قرأت
 کے مدرسہ کے چوٹی کے استاد سے عشرہ کی سند مل جائے گی اور دوسری طرف ملک کے
 سب سے بڑے مجدد اور امام تجوید کے پاس مشق ہو جائے گی۔ اور تیسری طرف استاد اللہوں
 سے بہت سے لہجے سیکھ لوں گا اور پھر یہ کہ وقت کے سب سے بڑے مجدد اور فن
 ادا کے امام سے اس فن کی نزاکتیں اور نفاستیں اور وہ وہ لطائف حاصل ہو جائیں گے
 جو کسی دوسری جگہ شاید و باید۔ اور پھر بزم غم و غیش و خیال بزم غم و غیش و موجب خیال شیخ علی
 پنجاب جا کر ہم چہاں دیگر نیست کا ڈنکا بجا دوں گا لیکن سنو کچھ زیادہ دیر نہ گزرنے پائی
 کہ میری یاس پر پھر آس کی اوس پڑ گئی اور مجھے جلدی ہی یہ محسوس ہو گیا کہ میں دونوں کام
 یعنی طیبہ کا درسہ اور حضرت قاری صاحب سے استفادہ ایک ساتھ نہ کر سکوں گا جس

کی ایک وجہ یہ تھی کہ طیبہ بالعموم خارج وقت میں پڑھاتے تھے اور غالباً مشق کا وقت بھی چھٹی کے بعد یا اس کے قریب ہی مقرر ہوا تھا۔ میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ ایک طرف طیبہ کی تکمیل اور عشرہ کی سند کا حصول اپنی طرف مائل کر رہا تھا اور دوسری طرف حضرت قاری صاحب سے استفادہ اور اپنی دیرینہ تمنا کا حصول اسے چھوڑ دینے اور اس کو اختیار کر لینے کی ترغیب دے رہا تھا۔ جب مجھے اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ دونوں مقصد ایک دم حاصل نہ ہو سکیں گے لامحالہ ایک سے دستبردار ہونا ہی پڑے گا۔ تو اپنے ذہن نارسانے بھی یہی مشورہ دیا کہ جو کام پہلے سے ہو رہا ہے اسی کی تکمیل کو مقدم رکھنا چاہیے اور دوسرے مقصد کے حصول کے لئے کسی دوسرے موقع پر چھوڑ دینا چاہیے ورنہ نہ صرف یہ کہ عشرہ کی سند اور طیبہ کی دراست سے محروم ہونا پڑے گا۔

حضرت قاری عبدالمعبد صاحب رجن سے میں طیبہ پڑھ رہا تھا، ا کے دل کو بھی ٹھیس پہنچے گی۔ اور ادھر استاد حضرت حافظ قاری خدابخش صاحب نے بھی اپنے مکتوب گرامی میں ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ واقعی الخیر فی ما " اس وقت کسی کے دہم لگان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ حضرت قاری عبدالملک صاحب جسے استفادہ کے لئے میں بے چین و مضطرب تھا۔ میرے گھر میں ہی تشریف لے آئیں گے اور لاہور میں اپنے فیوض کے دریا بہا کر بالآخر اسی شہر کے سب سے بڑے اور سب سے مشہور قبرستان میانی صاحب میں ان کی آخری آرام گاہ ہوگی۔ اگر اس وقت میں طیبہ کی دراست کو ترک کر کے قاری صاحب سے استفادہ کو ترجیح دیتا تو پاکستان بن جانے اور حضرت صاحب نے لاہور تشریف لے آنے کے بعد مجھے کتنا صدمہ ہوتا۔ کیونکہ اس وقت تو نہ تیار پانچ ماہ ہی میں استفادہ کر سکتا تھا اور اب کئی سال تک اس خوان سے خوشہ پسینی کرتا رہا۔ یہ بات الگ ہے کہ ہندی داستان قسمت را دور میانی کڑیوں کو ایک طرف ہٹا کر اب میں معذرت قاری صاحب سے اپنے مستقل تعلق کی تاریخ بیان کرتا ہوں۔ اور یہی اصل قصہ ہے اس سارے مضمون کا

غالباً تقسیم ملک سے دو یا شاید تین سال بعد لاہور میں یہ خبر میرے سننے میں آئی ہے کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحب ہندوستان کا قیام ترک کر کے کراچی تشریف لے آئے ہیں یا شاید لانا چاہتے ہیں، اور انہوں نے شکار پور کی مسجد میں رجواب طیب مسجد کے نام سے موسوم ہے (تلاوت بھی فرمائی ہے) ان دنوں میرے اس پوزیشن میں ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ میں قاری صاحب کے پاکستان میں قیام کے لئے کوئی صورت تجویز کر سکوں یا اس بارے میں کوئی معتد بہ تعاون کر سکوں سوائے تمنا اور آرزو اور خواہش کے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو چونکہ قاری صاحب سے پاکستان میں کام لینا منظور تھا۔ اس لئے مھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ خبر کان میں پڑی کہ مولانا احتشام الحق صاحب نے قاری صاحب کو اپنے مدرسہ دارالعلوم اشرف آباد (ٹنڈوالہ یار) میں بحیثیت شیخ القراء کے تقرر کر دیا ہے یہ مدرسہ ان دنوں عروج پر تھا اور اس میں وقت کے بڑے بڑے علماء تقریباً سب ہی جمع ہو گئے تھے۔ اور بظاہر یوں لگتا تھا کہ آگے چل کر یہ مدرسہ پاکستان میں دیوبند کی حیثیت اختیار کر لے گا چنانچہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب آف بہبودی ضلع کیمیل پور سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مشہور استاد الحدیث حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی سابق استاد الحدیث ڈابھیل اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری بانی دہمتم مدرسہ عربیہ نیوٹاڈن کراچی یہ سب حضرات قاری عبدالمالک صاحب کو اس مدرسہ کا شیخ القراء مقرر کر کے اپنے حسن انتخاب قرآن اور بالخصوص علم تجوید سے محبت اور قدر افزائی کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچایا اور صرف یہی نہیں قاری صاحب کی تنخواہ بھی وہی مقرر کی جو ان بڑے بڑے حضرات کی تھی۔ اگرچہ قاری صاحب کی پاکستان میں آمد کی خبر میرے لئے اور نصرت میرے لئے بلکہ نامعلوم کتنوں ہی کیلئے ایک انتہائی خوشی اور بڑی مسرت کی حامل خبر تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا افسوس بھی یقیناً تھا کہ قاری صاحب ٹنڈوالہ یار کے جنگل میں قیام پذیر ہو گئے ہیں۔ اے کاش کہ آپ کا قیام کراچی یا لاہور ان دو بڑے شہروں میں سے کسی میں ہوتا تو میں سب کچھ چھوڑ کر اپنی دیرینہ آرزو کی تکمیل کرتا۔ مگر

ٹنڈوالہار میں رہنا میرے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ وقت گزرتا گیا نہیں معلوم اس دوران میں کیا کیا خیال آتے رہے اور آخر جولائی ۱۹۵۱ء میں میں نے جناب سیٹھی محمد یوسف صاحب کو خط لکھا کہ میں لاہور چھوڑ کر کراچی آنا چاہتا ہوں کیا آپ کی وساطت سے مجھے وہاں کوئی جگہ مل جائے گی۔ سیٹھی صاحب نے مجھے اس طرح خیر مقدم کیا گویا وہ پہلے ہی سے میرے انتظار میں تھے چنانچہ چند ہی روز بعد مجھے خط کا جواب ملتا ہے کہ آپ جلدی کراچی پہنچ جائیں ہم یہاں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں یہ جواب اور نہ صرف جواب بلکہ دعوت اور دعوت بھی اس انداز میں کہ بہت بڑے مدرسہ کا قیام زیر تجویز ہے اور اس کا نظام تعلیم بھی اس ناکارہ کے مشورہ سے ہی تجویز کیا جائے گا۔ یہ میرے لئے کتنی خوشی اور مسرتوں کی حامل خبر تھی اس کا اندازہ قارئین شاید نہ کر سکیں۔ اذالہ تو کراچی کی رہائش مجھے بہت مرغوب تھی۔ ثانیاً وہاں کے باشندے اکثر دہلی لکھنؤ اور آگرہ جیسے تمدن شہروں کے رہنے والے اور مجھے ان سے طبعی انس ثالثاً جناب سیٹھی محمد یوسف صاحب جیسے قرآن کے سچے اور مخلص خادم اور میرے خصوصی محسن و خیر خواہ کی معیت و رہنمائی ایک بہت بڑے مدرسہ کا قیام اور اس سب کے علاوہ خامساً یہ کہ قاری عبدالملک صاحب کی صحبت اور معیت کا امکان پھر بھلا میں اس دعوت کو لبیک کیوں نہ کہتا چنانچہ میں نے درجاریوم میں تیاری مکمل کر لی۔ اور ۱۱ اگست کو کراچی پہنچ گیا ہفتہ عشرہ سیٹھی صاحب مرحوم کے مکان پر قیام کرنے کے بعد جبکہ لائن کی مسجد میں حفظ کے لڑکوں کو مشق کرانے پر مقرر ہو گیا ایک ماہ بعد جب مولانا احتشام الحق صاحب سیٹھی محمد یوسف صاحب اور ان کے بڑے بھائی سیٹھی محمد عبداللہ صاحب کے ہمراہ منج پر تشریف لے گئے تو عید کی نماز پڑھانے کے لئے قاری صاحب کو اپنا قائم مقام کر گئے چنانچہ عید سے دو ایک روز قبل قاری صاحب دوم جبکہ لائن کی مسجد میں تشریف لے آئے اور کم و بیش ایک ہفتہ وہاں قیام کیا آپ کے ساتھ قاری عبدالوہاب صاحب بھی تھے۔ بس اس ہفتہ میں خوب خوب مجلس رہی۔ کیونکہ

تاری صاحب مرحوم چونکہ مولانا کے مہمان تھے۔ اور میرا کھانا بھی مولانا کے ہاں سے آتا تھا اس لئے کھانے اور چائے پر بھی مجلس ہوتی۔ بس یہ تاری صاحب کے ساتھ مستقل تعلق کی ابتدا یہاں سے ہوئی۔ چنانچہ میں نے اپنی دنوں تاری صاحب سے کچھ مشق بھی کی اور اس طرح دیرینہ آزد و پوری ہوئی۔ ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد تاری صاحب تو واپس ٹنڈوالہ یار چلے گئے مگر میرے دل میں ان سے پڑھنے کا شوق اور بھی زیادہ موجزن ہو گیا۔ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد یہ تینوں حضرات جب کراچی پہنچے تو اب پھر یہ مسئلہ زیر بحث آنے لگا کہ مدرسہ کہاں قائم کیا جائے۔ سیٹھی صاحب مرحوم کا خیال تھا کہ اس کے لئے ملیر کا علاقہ اچھا ہے کیونکہ وہاں درودھ مکھن بھی اچھا مل جاتا ہے۔ اور آب و ہوا بھی نسبتاً اچھی ہے۔ لیکن میں نے چونکہ شہر دل میں گنجان آبادیوں میں ہی گزاری تھی اس لئے ملیر تو درکنار مجھے جبکہ لائن کی رہائش بھی اتنی پسند نہیں تھی۔ بہر حال مختلف اوقات میں یہ مسئلہ زیر بحث آتا رہا میں ملیر جانے پر تیار نہ تھا اور شہر میں کوئی موزوں جگہ ملتی نہیں تھی۔ اس لئے مدرسہ کا قیام عمل میں نہ آ سکا۔ اور یہ ہوا کہ حضرت تاری صاحب کا ٹنڈوالہ یار سے میرے پاس خلا پہنچا کہ مجھے معین کی ضرورت ہے اور میں نے اس کے لئے تمہیں تجویز کیا ہے۔ تنخواہ وغیرہ کا معاملہ مولانا احتشام الحق صاحب سے خود ہی طے کر لو۔ یہ خط اگرچہ میرے لئے ایک طرف خوشی کا پیغام تھا لیکن دوسری طرف یہ بات بھی تھی کہ میں ٹنڈوالہ یار جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ تو بالکل ہی سنگل لاہور اور کراچی کے مقابلہ میں بالکل ہی بیابان تھا اور پھر میں یہ بھی سن چکا تھا کہ حضرت تاری صاحب بھی وہاں مطمئن نہیں ہیں اس لئے میں نے جواباً لکھ دیا کہ میں آپ کو کراچی میں ہی بلوانے کی کوشش کر رہا ہوں کیوں یہاں بھی مدرسہ کا قیام زیر تجویز ہے تاری صاحب اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور مجھے لکھا کہ بہت اچھا تم مجھے کراچی میں بلوانے کی کوشش کرتے رہو۔ اور میں نے اس میں کوئی خدا نخواستہ غلط بیانی یا مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا تھا بلکہ یہ میری دلی آرزو اور قلبی تمنا تھی حتیٰ کہ

میں نے سیٹی صاحب مرحوم سے صاف صاف کہا تھا کہ میں سوائے قاری صاحب کے
 اور کسی کا معین نہیں بنوں گا خواہ کوئی عرب ہی کیوں نہ ہو چنانچہ اپنی دنوں موصل کے ایک
 عرب قاری سید حیدر الجواد کا تقریبی عمل میں لایا گیا۔ اور میری طرح وہ بھی جیکب لائن
 کی مسجد میں مشق پر مامور ہوئے موصل کے قاری صاحب انتہائی خوش اسلاق بلند کردار اور عرب
 کی تمام صفات اپنے اندر لئے ہوئے تھے۔ عربی اتنی فصیح بولتے تھے کہ میں نے تو شائد ایسا کوئی
 دوسرا آدمی نہیں سنا۔ ادب کی مشہور کتابوں کی عبارتیں انہیں زبانی کی زبانی یاد تھیں اگر سال
 دو سال میں ان کے ساتھ رہ جاتا تو مجھے عربی بہت اچھی بولنی آ جاتی چنانچہ میں جب ٹوٹے
 بھوٹے جملے ان کے سامنے بولا کرتا تو میری تصحیح کیا کرتے مگر جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ وہ
 اردو بالکل نہیں سکتے تھے اور پڑھنے والے عربی نہیں بول سکتے تھے اس لئے درماہ کے
 بعد سیٹی صاحب مرحوم نے ان سے معذرت کر لی۔ اور بہت ممکن تھا کہ قراءت
 کا بہت بڑا مدرسہ کراچی میں قائم ہو ہی جاتا سیٹی صاحب مرحوم ردیہ خرچ کرنے پر
 آمادہ تھے اور چاہتے تھے لیکن چونکہ اللہ کو اس وقت مدرسہ کا قیام کراچی میں منظور نہیں
 تھا اس لئے پانچ ماہ گزرنے کے بعد میں لاہور واپس چلا آیا اور مدرسہ تجوید القرآن
 موتی بازار میں ۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء کو شعبہ تجوید کی خدمت میرے سپرد کر دی گئی کچھ
 دنوں بعد یہ خبر کان میں پڑی کہ دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور کے مہتمم جناب
 قاری سراج احمد صاحب حضرت قاری صاحب کو اپنے مدرسہ میں لانے کی کوشش کر
 رہے ہیں۔ چنانچہ یہ خبر صحیح ثابت ہوئی اور محرم ۱۳۷۲ھ میں حضرت قاری صاحب
 دارالعلوم اسلامیہ میں تشریف لے آئے اور اس طرح میری دیرینہ آرزو پوری ہونے
 کی امید بن گئی میں ان دنوں آسٹریلیا بلڈنگ میں رہائش پذیر تھا۔ صبح ناشتہ وغیرہ
 سے فارغ ہو کر پہلے دارالعلوم جاتا اور استفادہ کرنے کے بعد پھر وہاں سے تجوید القرآن
 پہنچا لیکن آگے چل کر جب دن بہت چھوٹے ہو گئے تو پھر نظام ادقات بدلنا پڑا

چنانچہ اب میں آسٹریلیا بلڈنگ سے سیدھا تجوید القرآن جاتا اور وہاں عصر تک کام کرنے کے بعد حضرت قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ ان دنوں سیزل ہٹل انارکلی کی بالائی منزل میں رہائش پذیر تھے اور پھر وہاں سے مغرب تک گھر پہنچتا مگر کچھ دنوں بعد قاری صاحب کی رہائش بدل گئی اور آپ دارالعلوم میں ہی قیام پذیر ہو گئے تو پھر میں استفادہ کے لئے دارالعلوم جانے لگ گیا۔ حالانکہ قاری صاحب کا دارالعلوم کی انتظامیہ سے معاملہ طے یہ ہوا تھا کہ صبح کے چار گھنٹے میں کام کیا کر دے گا۔ اور بس۔ لیکن مجھے آپ نظر کے بعد یا شاید عصر کے بعد وقت دیتے اور باوجود بڑھاپے کے میرے ساتھ محنت فرماتے۔ یاد پڑتا ہے کہ بعض دفعہ بڑے بڑے درود کو عیش و عشرت کے لئے دیتے۔ حالانکہ آپ کی عمر اس وقت ستر سے متجاوز ہو چکی تھی۔ بلکہ میرے علاوہ قاری خدا بخش صاحب مرحوم کو بھی اسی وقت پڑھایا کرتے پھر اس کے بعد جب آپ کی رہائش نواں کوٹ ہو گئی تو اب میں نے فجر کی نماز کے بعد جانا شروع کر دیا۔ یاد پڑتا ہے کہ میری خاطر آپ بعض دفعہ گھر سے ناشتہ کئے بغیر ہی چل پڑتے اور ناشتہ مدرسہ آکر ہی فرماتے مگر مجھے چونکہ کبھی سستی کی وجہ سے اور کبھی سواری نہ ملنے کی وجہ سے ناخن ہو جاتے لیکن اس پر بھی قاری صاحب خفگی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ فرمایا کہ اگر فلاں وقت تک سواری نہ ملا کرے تو پھر واپس ہو جایا کر دوپوری ترتیب اور تفصیل تو پوری معلوم نہیں مختصراً اتنا یاد ہے کہ فوائد مکیہ کی سماعت کے علاوہ جزیریہ، شاطبیہ، رائیہ اور دودرہ یہ چار کتابیں اور چند ابتدائی صفحات نہایت القول المفید کے پڑھے اور جمع الجمع میں سب سے کمال جبرائیل کے علاوہ روایت حفص میں بھی حدیث سنایا اور مشق بھی بحمد اللہ تعالیٰ کافی کی۔ ناغوں اور غیر حاضریوں کے ایام سمیت کم و بیش پانچ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن جب قاری صاحب دارالعلوم کو چھوڑ کر تیکہ دھیان شاہ لٹن روڈ میں منتقل ہو گئے اور وہاں اپنا مدرسہ قائم کر لیا تو اب میرے لئے

حاضری کا مسئلہ مشکل ہو گیا چونکہ یہ بگہ نسبتاً دور بھی تھی اور آمد و رفت کی سہولت بھی حاصل نہیں تھی مگر اللہ کا شکر ہے کہ میرا نصاب اس سے پہلے ہی مکمل ہو چکا تھا اور بہت پہلے سب سے پہلے میں قیام لکھنؤ کے زمانہ میں حضرت مولانا قاری عبدالمعبدوں سے عشرہ کی سند لے چکا تھا پھر یہ کہ حضرت قاری صاحب سے استفادے کا اصل مقصود تجوید اور ادا سیکھنا تھا۔ علوم کی تحصیل دوسرے درجے میں تھی۔ گو حضرت قاری صاحب مجھ پر بڑی شفقت فرماتے مثنیٰ کراتے اصلاح فرماتے اور ایسی ایسی باریک اصلاحیں فرماتے کہ دوسری جگہ ان کا تصور بھی موجود نہیں تھا اور نہ صرف تجوید اور ادا کے بارے میں بلکہ چہرے کی ظاہری اصلاح کو بھی بڑی اہمیت دی۔ پڑھتے وقت پیشانی پر بل پڑنا، ناک پھوننا اور اس قسم کی دوسری اصلاحات تو آپ ہی کی خصوصیت تھی۔ مگر میں یہ اعتراف کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہٹی داستانِ قسمت رائج قاری صاحب نے تو بڑی محنت فرمائی شفقت فرمائی گھر پر اور مدرسہ کے خارج ٹائٹل میں وقت دیتے رہے غیر حاضریوں اور ناغوں کو بڑا شت کرتے رہے۔ اگر کسی خاص سبجے میں پڑھانے کی درخواست کی تو وہ بھی پوری فرمادی لیکن اس سب کے باوجود میں ویسے کا دیسا ہی رہا۔

مولانا قاری اعظم دار احمد تھانوی

بابائے تجوید و قرأت

استاذ القراءہ فضیلۃ الشیخ حضرت قاری عبدالملک نور اللہ مرقدہ نے مدرسہ مولتیہ مکہ المکرمہ میں حضرت استاذ العرب والعم قاری عبداللہ بن شیخ بشیر خان الہ آبادی ثم الہی قدس سرہ کی خدمت میں اپنے نشوونما کے ابتدائی دور میں آنکھیں کھولیں۔ پہلے حفظ کلام اللہ میں مشغول رہے پھر تجوید کے میدان میں جو قدم رکھا تو سات آٹھ سال کے لگ بھگ فن کے تمام نشیب و فراز میں غواصی فرمائی۔ تحقیق، زحمت، تدبیر اور مدد ہر ہر انداز پر حضرت مشفق استاذ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو خوب دوڑایا۔ کبھی خود استاذ المکرم پڑھ رہے ہیں اور شاگرد دس رہا ہے۔ کبھی شاگرد کو جولانیوں کا موقع دیا گیا ہے اور وہ اسی راہوں کو بڑی دقیقہ منجی اور ہونہار تربیت کے کمال کرے کر پڑھتا جا رہا ہے۔ فنی کتابیں خوب ضبط کرائی گئیں۔ پھر مکہ المکرمہ میں حرم شریف کی حاضری خوب شب و روز نصیب تھی۔ قرآن کی زمزمہ سنیاں شب و روز ایک ایسے ہونہار طالب علم کے کانوں میں دس بس رہی تھیں جو قدرت کی فیاضیوں سے بہترین استعداد فطری سے پہلے ہی مالا مال تھا۔ اس پوری مدت مذکورہ میں فطری بلندیں اور حضرت استاذ کی شب و روز کی تربیت نے اس قدر مضبوط قاری بنا دیا کہ جس کی ہم دکانی یا ہمسری کا دعویٰ کسی کے لئے بہت مشکل تھا۔ ہر کسے راہبر کاٹے سا فتنہ، اللہ تعالیٰ کی یہی منظور تھا کہ ایک ایسا کامل اور مہر فن استاذ تیار ہو کہ ہندوستان واپس ہو جو اس ہر زمین میں ایک دفعہ پھر عربی لب و لہجہ کے نشوونما میں آئندہ نسلوں کے لئے مکمل رہا ہو۔

حضرت الشیخ رحمہ اللہ کبھی کبھی اپنے اس دور کی کچھ باتیں سنایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ صبح کے ناشر

اور اس کے کھانے پینے کے لوازم از قسم چائے ڈبل روٹی، مکھن پراٹھے اور انڈوں کا تو اس وقت کوئی تصور بھی نہ تھا۔ صبح اٹھ کر گھر سے نارمنہ نکلتا۔ والدہ صاحبہ رحمہما اللہ ہم دونوں جانیوں و حضرت ایشیخ اوز برادر بزرگ حضرت قاری عبدالحق رحمہما کو ایک دوپیرہ عنایت فرمادیتی تھیں۔ ہم اسی میں کبھی دکان سے روٹی وال یا کچھ اور لیکر کھاتے اور مدرسہ میں حاضر ہو جاتے تھے۔

میں نے پوچھا حضرت آپ نے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی صاحب برکتی متوفی ۱۳۱۵ھ کی زیارت کی ہوگی۔ فرمایا ہاں۔ والدہ صاحبہ ہیں سے کہ کبھی کبھی حضرت حاجی صاحب کے یہاں شریفیت سے جاتی تھیں وہیں حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی۔ حضرت شیخ کیلئے اچھی اچھی مترجم آوازیں طلبی کشش کا باعث ہوتیں۔ مختلف انداز و آواز تازیوں یا حرم شریفیت کے مؤذنوں کو سنتے اور پھر وہی ہو بہو نقل بڑی کامیابی سے اتار دیتے تھے اس زمانے میں لاڈل پیکر نہ تھا۔ حرم شریفیت کے میناروں سے ہلک دقت اذانیں ہوتی تھیں جھامڑی لہجوں کی مقررہ اتار چڑھاؤ میں ایسے عمدہ انداز پر ایک مینار سے دوسرے مینار پر بواب ہوتا تھا کہ فنی طور پر ذرا سا سقم بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ شیخ المؤمنین صاحب کی طرف سے ایسے ایسے مضبوط آواز کے مالک مؤذنین مقرر تھے کہ کبھی بھی صحیح راہوں سے انحراف بڑی مجبوری غلطی تصور ہوتی۔ اس سارے حوصلہ آزما ماحول میں یہ اکثر ہوتا کہ حضرت ایشیخ کسی بھی مؤذنی صاحب سے خاموشی سے اجازت لے کر مینار میں پہنچتے اور اسی مقرر مؤذن کی آواز کی وہ عمدہ گائی کرتے کہ معلوم نہ ہوتا کہ کسی اہ کی آواز ہے۔ اس معمول واقعہ سے صوتی قدرت اور اس کی نقل پر قابو ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی دور کا ایک واقعہ حضرت سے سنا کہ میں عربی تہنیں ڈھیل ڈھال پاؤں تک پہنچے ہوتے تھا بچپن کی بے اعتیاضی کی رفتار کے ساتھ مینار سے نیچے اتر رہا تھا کچھ غلبت میں تھا اس ڈھیل ڈھال تہنیں میں کچھ الیا الجھا کہ سنبھل نہ سکا۔ گرا، اور لڑکھڑاتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے آ رہا۔ چوٹ آئی، مگر اس سے بے پرواہ ہو کر کپڑے جھاڑتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا ایک دوسرے کچھ درجہ جانی میں مبتلا رہا اہ بس۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، جو بعد میں حضرت ایشخ کے مرشد بھی ہوئے، غالباً حضرت ایشخ سے پہلے حضرت قاری عبد اللہ صاحب سے فن نجوم میں استفادہ کر چکے تھے۔ حکیم الامتؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قاری عبد اللہ صاحب سے استفادہ کرنے سے پیشتر میں اپنے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ میں قرآن شریف صحیح پڑھتا ہوں۔ مگر جب استفادہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ مجھے کچھ بھی نہیں آتا اور دل دل میں بیدیشی مانی تھی۔ بہر حال حضرت حکیم الامت میں قابلیت و استعداد ہر لحاظ سے بڑی اچھی تھی اور حضرت چونکہ حضرت حاجی ادا اللہ صاحب کی خدمت میں روحانی تربیت کے لئے مکہ تشریف لے گئے تھے۔ اپنی مصروفیات کی وجہ سے وقت پرانہ تھا۔ صرف چھ ماہ تک سنجوید میں استفادہ کر سکے لیکن چھ ماہ ہی میں بڑی اچھی استعداد بہم پہنچی۔ جتنی کہ آپ کے سوا ننگادوں نے نکھا ہے کہ مدرسہ صولتیکہ کی بالائی منزل میں جہاں حضرت استاد سے حکیم الامت مشفق کرتے تو ایسی عمدگی کے ساتھ اساذ کے ہم آواز ہوتے تھے کہ نیچے سننے والے امتیاز نہ کر سکتے تھے کہ اساذ پڑھ رہا ہے یا شاگرد؟

اس روایت سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت ایشخ اس قرآنی تعلیم کے وسیلہ سے اساذ بھائی ہوئے۔ بعد کے آنے والے دور میں ہمیشہ دونوں بزرگوں کو اس تعلق کا احترام رہا۔ کافی مدت بعد حضرت ایشخؒ کا جب علی گڑھ میں نکاح ہوا، تو اس سے پہلے حضرت ایشخؒ نے مولانا تھانوی صاحب کو اطلاع دی۔ اطلاع دینے کا مقصد استعفاء دعا تھا مگر دیکھا یہ گیا کہ حضرت مولانا تھانوی عین نکاح کے وقت علی گڑھ پہنچے اور چند گھنٹوں بعد چوڑیاں حضرت ایشخؒ کو ہدیہ فرمانے اور نکاح میں شرکت کے بعد فوراً مراجعت فرمائے وطن ہو گئے۔ مولانا تھانویؒ کے ذوق و مزاج میں اس قسم کے معمولات کی قطعاً گنجائش نہ تھی کہ وہ اس طرح دور دراز کا سفر چنڈ منٹ کی شرکت کے لئے کریں۔ وہ تو اپنے عزیزوں کی شادیوں میں شریک نہ ہوتے تھے۔ شادیوں وغیرہ کی رسوم سے ویسے بھی مستغزا اور اصلاحی ذہن رکھنے لگے۔ اسی لئے مشہور کتاب اصلاح الرسوم تصنیف فرمائی۔ مگر مذکورہ واقعہ غالباً مولانا تھانوی کی

پوری زندگی کا ایک نہایت شاذ اور غلاب معمول واقعہ ہے جس میں کتنا چاہیئے کہ کسی رسمی مظاہرہ کی بجائے پُر غلوس الفت کا جذبہ کار فرما ہے۔ وہ مولانا تھانوی جو بڑے نوابوں کے یہاں بھی کبھی ایسی پیش کش نہیں کرتے تھے یہاں تشریف آوری استاذ بھائی کے واسطے سے فرمائی، جو انتہائی قلبی لگاؤ کی آئینہ دار ہے۔

بہر حال حضرت قاری عبد اللہ صاحب سے ان دونوں کے استفادہ کا زمانہ ایک نہیں بلکہ زمانی تقدیم و تاخیر ہے جو بعد میں ملاقاتوں سے اس برادرانہ تعلق کے انکشاف پر منبج ہوئی۔ ہوا یوں کہ ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند کا شاندار جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ یہ جلسہ ایک عظیم اجتماعی شکل میں تھا۔ حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند کی سیادت و رہنمائی میں ہوا تھا۔ پورے ہندوستان سے دینی شغف والے عامر المسلمین اور علماء کرام جوق در جوق شریک ہوئے تھے۔ علامہ کرام کی تقریروں سے پہلے حضرات قراء کی تلاوت ہوتی تھی۔ اس جلسہ میں حضرت الشیخ اور برادر بزرگ حضرت قاری عبد الحاق صاحب بھی مدعو تھے۔ جلسہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء تو مدعو ہیں ہی۔ بڑے بڑے قراء کرام بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ دونوں برادر اپنی نوعاست کی وجہ سے کچھ گھبرائے ہوئے تھے کہ یہ بڑے بڑے قراء کے سامنے کیا پڑھ سکیں گے قریب یوں تھی کہ پہلے قراء اکابر سے پڑھا یا گیا۔ ان کی تلاوت نہ کر دروں بھائیوں کا ذہن جاتا رہا کیونکہ آوازوں کی ملکیت اور عروجیت کا نکھار منقود تھا۔ سب و اجماع میں کوئی سوز اور کشتی نہ تھی۔ سوچی جہد و عقاب میں ملبرس دونوں بھائی اب تو بڑھنے کے لئے اپنے اندر ایک نئی انگلیک محسوس کرنے لگے۔ بعد میں ان نوجوان عرب قراء نے پڑھنے کے لئے رشتہ است ہوا۔ جہان اللہ ایسی پر سوز اور حجازی لہجوں کی سچتہ گرفت کے ساتھ فنِ پنجہ سے سوز و گداز سے بھر پور ہوئی کہ تمام مجمع حیرت و استعجاب سے آگے نکلیں اور وہ سوز میں ڈوب گیا اور انہوں نے لڑکیاں بندھ گئیں۔ اسکا مجمع میں حضرت مولانا تھانوی تشریف فرما تھے۔ تڑپ اٹھے۔ سمجھے پیارے استاذ کے تازہ ہونے کے کمر مرنے وارو شدہ ہیں۔ تلاوت ختم ہوئی تو آکر لیٹ گئے۔

اور حضرت ایشخ کو بہت دیر تک اپنے سینے لگائے رکھا۔ تعارف حاصل کیا۔ کون ہو کیا نام ہے کس سے پڑھا ہے۔ کب وارد ہندوستان ہوئے ہو۔ تمام واقعات معلوم ہوئے۔ حضرت مولانا سے درخواست کی کہ تم میرے ہمراہ چلو۔ حضرت تھاری عبدالحق صاحب تو غالباً شہزاد پور میں کسی مدرسہ سے منسلک ہو چکے تھے نہ جاسکے۔ حضرت ایشخ تیار ہو گئے۔ غالباً تنخواہ، تجویز ہوئی تھی کہ دس روپیہ ماہوار مدرسہ ادا العلوم تھانہ بھون کی طرف سے پیش کئے جائیں گے اور پانچ روپیہ حضرت تھانوی اپنی جیب سے دیا کریں گے۔ وہ وقت بڑا خیر و برکت اور رزق کی فراوانی کا تھا۔ معاشرت بھی سادہ تھی۔ تھانہ بھون تشریف لائے۔ حضرت تھانوی کی نشست گاہ مالی سدوری میں جنوب مشرق دو دروازہ والا ایک کشادہ کمرہ رہائش کے لئے خالی کیا گیا۔ بعد میں یہ کمرہ دانا لقاوی اور کتب خانہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔

حضرت ایشخ کی ولادت کے حضرت تھانوی عاشق زار تھے۔ پس دیوار بیٹھ کر گفتگوں سنا کرتے۔ حضرت مولانا طغرا احمد تھانوی (خواہر زادہ مولانا تھانوی) محمد مظہر علی (برادر خورد مولانا تھانوی)، انیسر اعلیٰ انٹیلیجنس انڈیا تھاری محمد یامین وغیرہ وغیرہ ترتیل و حدیث میں مشغول کرتے تھے۔ قصہ تھانہ بھون کے امراء بھی قرآن سننے آتے۔ انہیں میں تھانہ بھون کے رئیس قاضی امیر احمد صاحب بھی تشریف لاتے۔ انہوں نے بڑی عقیدت و ادب سے درخواست کی کہ تھاری صاحب کے لئے دونوں وقت کا کھانا اور صبح کا ناشتہ خادم کے گھر سے آئے گا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے قاضی صاحب کے اخلاص کے پیش نظر حضرت ایشخ سے سفارش کی کہ ان کی درخواست قبول کر لیں، اس طرح بڑے اہتمام سے قاضی صاحب کے یہاں پر کھانا کھانا اور صبح کا ناشتہ حضرت ایشخ کے لئے نوکر کے ذریعہ سے پیش خدمت ہونے لگا۔ حضرت ایشخ نے یہ وقت تھانہ بھون میں ایک سال کے لگ بھگ گزارا۔ اس وقت کو جب یاد کرتے تو بڑی گہری تاثری کیفیت اور ناقابل فراموش لحظوں کے انداز میں گفتگو فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت کے وہ پندرہ روپیہ اتنی بڑی رقم معلوم ہوتی کہ والدہ صاحبہ

کو بھیجنے کے بعد بھی جو بچہ پاتی وہ کسی طرح صرف میں نہ آتی کیونکہ ضرورت ہی کوئی نہ تھی۔ کبھی دودھ پینے کی خواہش ہوتی تو صرف تین پیسے میں نہایت عمدہ اعلیٰ درجہ کا دودھ ملتا جو تمام بچے نہ سکتا تھا۔

حضرت قاری عبداللہ صاحب کے زمانہ قیام مکہ مکرمہ میں ایک نابینا قاریہ عورت فاطمہ مصریہ حج کے زمانہ میں مصر سے آئی۔ حرم شریف کے دروازہ کے قریب بیٹھ کر سورہ یوسف کی تلاوت مصری لہجہ میں ایسے اعلیٰ اور عمدہ انداز میں کرتی کہ گزرنے والے ٹھہر جاتے۔ وہ بھی پڑھنے میں ایسی محو ہوتی کہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ اول سے آخر تک سورہ یوسف پڑھتی رہتی۔ نہ تھکی اور نہ رکتی، داد و دہش تو خیر اس پر سامعین کی طرف سے ہوتی ہی تھی۔ بات کہنے والی یہ ہے کہ ہمارے حضرت ایشیخ اس کی تلاوت سننے میں پوری محبت و توجہ کو کام میں لاتے اور اس کی تلاوت پوری ختم تک سننے اور پھر اپنی قیام گاہ پر آکر اس کی تمام آواز کے خانات کو بار بار دہراتے۔ یہ سلسلہ مشق روزانہ کا معمول ہوا تو فاطمہ کے لہجہ پر بڑی سنجیدگی کے ساتھ قابو ہو گیا جی کہ اگر قاریہ اس پر وہ تلاوت فرماتے تو سامعین تیز نہ کر پاتے کہ فاطمہ پڑھ رہی ہیں یا خود قاری صاحب۔

زمانہ قیام محزون میں ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی نے حضرت ایشیخ سے فرمائش کی کہ فاطمہ کے انداز میں تو سنائیے حضرت ایشیخ نے فرمایا کہ حکم ہے تو اب ہی سادوں۔ مگر اپنے شوق میں خود میری طبیعت جب پڑھنے پر آمادہ ہو تو اس وقت طبع و دہلا ہو سکتا ہے فرمایا کہ ٹھیک ہے جب آپ کی طبیعت سوزوں ہو۔ کچھ دنوں بعد آسمان ابر آلود ہوا۔ بلکہ ہلکی بارش شروع ہوئی اور حضرت شیخ میں ذوق و جذبہ نے کود مٹ لی۔ مولانا تھانوی کو کھلا بھیجا کہ اب میں تلاوت کر رہا ہوں سماعت فرمائیے مگر ہاں تشریف نہ لائیں۔ آواز دہیں پہنچے گی۔ تلاوت ہوئی۔ گویا نمنوں کی بارش ہوئی۔ بس ادھر پڑھنے والا اور ادھر سننے والے سب ہی بے خود تھے۔

فاطمہ کا کمال ملاحظہ ہو کہ پوری سورہ یوسف اول سے آخر تک جس تکنت اور طنطنہ سے

پڑھتی تھی کہیں بھی مکان کا اثر یا آواز میں اضمحلال کا قطعاً کوئی جھول نہ آتا تھا۔ یہ بڑی مشاق کی علامت تھی۔ اس تاریخ نے مسلسل کئی سال حجاج سے خراج تحسین وصول کیا اور اپنے دور میں بڑی نامور ہوئی۔ صرف حج کے زمانہ میں مصر سے آتی اور حج کے بعد واپس چلی جاتی۔ معلوم نہیں کب انتقال ہوا۔ حضرت ایشیہ کے قیام تھانہ مہون کا زمانہ بڑی سادگاہ سے خالص رہی وہ وہاں میں محدود تھا۔ حضرت تھانوی بہت خیال رکھتے کہ یہاں کے قیام میں ان کو افسردگی نہ پیدا ہو۔ ایک مرتبہ بعد عصر حضرت ایشیہ کے کمرہ میں دروازہ کھول کر بے تکلف اندر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اگر آپ کی طبیعت چاہے تو اس وقت ذرا کھلی میں سیر کے لئے چلے جایا کریں۔ میرے پاس بندوق موجود ہے۔ شکار کھیلا کریں۔ تھانوی ابراہیم صاحب کے یہاں گھوٹا موجود ہے۔ اس پر سواری کیا کریں۔ حضرت ایشیہ نے فرمایا میں مجھے تو آپ وہ چیز عنایت فرمائیں جو آپ کے سینہ میں اللہ تعالیٰ پیدا کیا ہے اور حضرت حاجی صاحب سے حاصل ہوئی ہے۔ حضرت تھانوی یہ سن کر واپس مڑے اور فرمایا وہ تو میرے پاس بھی موجود نہیں۔ لیکن حضرت ایشیہ کا دوبارہ اصرار ہوا تو فرمایا اچھا آپ کے پاس سلطان الاذکار قرآن نہیں موجود ہے۔ پھر بھی اصرار ہوا تو صبر دم کا کوئی درد تجویز فرمایا۔ جس سے کچھ دنوں بعد حضرت ایشیہ فرماتے تھے کہ تمام جسم میں آگ کی سی شورش ہونے لگی اور گہرا کر میں نے وہ درد ترک کر دیا۔ پھر کئی اور تہا دل اذکار تجویز ہوئے اور سلسلہ سلوک قائم ہوا۔ مگر حضرت ایشیہ نے ایک خاص بات اس زمانہ کی یہ فرمائی کہ اس روحانی تربیتی دور میں مولانا تھانوی کے تعلق کا رنگ بدل گیا تھا۔ یا تو پہلے براورانہ تکلفی سی تھی یا اب ایک شیخ روحانی کے تربیتی انداز کے موافق کچھ گندھی سی تو جہت بھی یہی تھی کہ کچھ سے اب مرشدانہ انداز نے لے لی تھی اور یہ ہوتا ہی ہے۔

قیام تھانہ مہون ہی کے زمانہ کا ایک واقعہ تھا کہ تھانہ مہون میں جو مصہام والا محل ہے۔ اس وسیع عمارت میں تھا ایک بہت بڑھی عورت رہتی تھیں۔ سب ان کو دادی محل والی کہا کرتے تھے۔ حضرت ایشیہ کبھی کبھی ادھر سے گزرتے اور دادی محل والی کو معلوم ہوتا تو محبت سے بلاتیں اور پان وغیرہ سے تواضع کرتیں۔ ایک ایسی ہی نشست میں دیکھا کہ وہ بزرگ بی بی اوپر گئیں اور خالی برتن اور اس

میں پیسے ایک طاق میں رکھ کر بولیں۔ مصمصام! دودھ لا دو، تھوڑی دیر بعد گئیں اور برتن میں دودھ رکھا ہوا اٹھا لائیں۔ معمر حل نہ ہوا تو پوچھا یہ مصمصام کون ہے۔ اس کو آتے جاتے تو دیکھا نہیں دودھ آ گیا۔ بولیں یہ ایک بوڑھا جن ہے۔ مدت سے ہمارے ہاں مقیم ہے۔ بس میرے سارے کام یہی کرتا ہے۔
تھانہ بھون میں اس نام کا محل ہمارے گھر کے قریب اب بھی ہے۔ اس محل کے مالک مولانا ممتاز احمد ہوئے ہیں جو ریاست جونا گڑھ سے وابستہ تھے۔ ہمارے خاندانی بزرگ ہوئے اس محل کے مصمصام دے واقعات متواتر ہم نے بھی سنے۔ مگر حقیقت دید کوئی واقعہ نہیں ہے۔ یہ جلیانی انہیں مولانا ممتاز کی بیوہ تھیں۔

حضرت الشیخ کو تھانہ بھون سے وطن کی سی محبت تھی جب ذکر چھڑ جاتا تو بہت سے واقعات میں ربط پیدا ہونے لگتا۔

یہ بات اب ہم چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں حکیم الامت حضرت تھانوی کے حقیقی چچا۔ ٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب جو بریلی میں کسی سرکاری منصب پر ممتاز تھے۔ تھانہ بھون تشریف لائے۔ خالقاہ اشرفیہ میں حضرت الشیخ کو مشق کراتے ہوئے سنا تو بہت محظوظ ہوئے مولانا تھانوی سے عرض کی کہ میں ان کو بریلی ہمراہ لیجانا چاہتا ہوں، وہاں ہم ایک مدرسہ میں ان کے ذریعہ کچھ نمایاں حیثیت میں کام کریں گے۔ کافی رد و قدح کے بعد منشی صاحب کا اصرار غالب رہا اور حضرت الشیخ بریلی جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بریلی میں حضرت الشیخ کو تجوید و مشق کے کام میں کچھ زیادہ دست سے کام کا موقع ملا اور شریں بڑے مبارک فوائد و تشریحات حاصل ہوئیں۔ بریلی سے سیر کرنے کے لئے حضرت الشیخ کا پنہور آگرہ وغیرہ بھی تشریف لے جاتے۔ اس طرح ان کا ہجوم سب سے زیادہ آگرہ میں کسی جلسہ سے پہلے حضرت الشیخ کی تلامذت تھی۔ کانگریس کا اجلاس تھا جس سے مولانا ابوالکلام آزاد نے خطاب کرنا تھا۔ سور و قسطنکار و قسطنکار و قسطنکار کی تلامذت کی۔ جندو مسلم سب ایک عجیب کیفیت تھی۔ سڑک پر ٹریفک رک گیا جتنی دیر

تلاوت رہی جو جہاں مقادیم بخود کھڑا رہ گیا۔ طفت یہ کہ پھر مولانا ابوالکلام آزاد نے اسی رکن کے
مضمون پر اسلامی معاشرت اور حیا اور پردہ کے مضمون کو بڑی دقیق نکتہ سنجیوں کے ساتھ بیان کیا۔
یہ تلاوت حضرت الشیخ کی شر اگرہ میں زبردست شہرت کا باعث ہو گئی مگر وہی جامع مسجد کی
تقسیم نے حضرت الشیخ سے رابطہ پیدا کیا اور بہر شرط و قیود جو ان پر ڈالی گئیں منظور کرتے ہوئے وہ اگرہ
میں آئے۔ اگرہ میں آپ کا فیض بہت ہوا، کانپور کے مشہور قاری اعظام الحسن نے حضرت الشیخ
سے اگرہ ہی میں استفادہ کیا۔ جو حضرت الشیخ کے بچہ عاشق تھے اور بہت عمدہ قرآن شریف پڑھتے
تھے۔ تراویح رمضان میں ان کی تلاوت کانپور کے پورے شہر میں مسلمانوں کے لئے ایک زبردست
ذوق کی چیز تھی۔ حضرت الشیخ نے بھی ایک مرتبہ رمضان

میں ان کا سنا تو پھولوں کی پتیاں قاری اعظام الحسن پر سچا اور کہیں۔ دلشاد دہا۔

ماہ دسین کی قیود تو مجھے یاد نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ حضرت الشیخ اگرہ سے مدرسہ عالیہ فراتینہ
لکھنؤ میں تشریف لے گئے اور پھر کچھ مدت کے لئے بعض علماء لکھنؤ کے اصرار پر ریاست ٹونک
تشریف لے گئے۔ جہاں ایک بہت بڑا تعلیمی مرکز بنانے کا پروگرام علماء لکھنؤ کے پیش نظر تھا۔
چنانچہ اس کی تفصیل ”برائے چراغ“ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہم نے تحریر فرمائی ہے۔ حضرت
الشیخ کو قدرت نے عطا فرمایا تھا، کہ ایسے خوبصورت انداز میں استفادہ کراتے تھے۔
کہ منجھے ہوئے مشاق قرار کا گروپ تیار ہوتا تھا۔ یہ انداز تعلیم بہت کم دیکھنے میں آیا ہے چنانچہ
تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد جس طرح تھکا بھون، بریلی، اگرہ، کانپور اور لکھنؤ میں وجود
پہن آئی۔ ٹونک میں بھی یہ رونق روز افزوں ہوئی۔ ایک بڑی حویلی پرانی و منہ کی آپ کے لئے
خالی کرائی گئی جس میں رہائش بھی تھی۔ طلبہ کی رہائش بھی اور درس گاہ بھی۔ مگر نہ معلوم وہ کب سے
بند تھی۔ خانہ دویاں دیواں گیرند کے مصداق اس کے تہ خانوں اور متعدد کمروں پر بھات کا قبضہ
تھا۔ یہ رہائشی اور تدریسی انتظامات ابھی ابتدائی مرحلے میں ہی تھے کہ حضرت الشیخ حسب معمول

تہجد کے لئے اٹھتے تو کچھ اجنبی سائے حرکتے مدڑتے نظر آتے۔ سمجھ گئے کہ جنات ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے روحانی قوت سے نوازنا تھا بالکل نہیں گھبرائے، صبح صبح سے فرمایا کہ تم لوگ تلاوت مشق تمام وقت انہیں تہ خانوں اور کمروں میں کرو، تلاوت کی برکت سے سب جنات ہجاگ گئے۔ مشروا لوں نے یہ حضرت ایشیخ کی کرامت سمجھی، درنہ اس سے پہلے نہ معلوم کتنے عالمین کی محنتیں ناکام ہو چکی تھیں۔

زمانہ ٹونک کے قیام میں نواب صاحب ٹونک سے تعلقات تھے۔ نواب صاحب کے یہاں حضرت ایشیخ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا مگر شروع سے ہی ہمیشہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے استقامت سے نوازا، کبھی تقرب حاصل کرنے یا انعامات پانے کا جذبہ دھکیر نہیں ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ نواب صاحب کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہر نوع کے انسان اس قدر برو پئے اور معصومی قول و عمل کے لوگ تھے کہ سب نے نواب صاحب کو بیوقوف بنایا ہوا تھا اور اکثر دربار میں انہیں فضویات کے ذریعہ انعامات حاصل کرتے تھے۔ کوئی نواب صاحب کی خوشنحلی کی تعریف کر رہا ہے۔ کوئی شاعری پر مجھوم رہا ہے۔ کوئی ان کے جسم و شباب پر مدد قے ہو رہا ہے اور نواب صاحب بھی ایسے سادہ عقل کے تھے کہ ان خوشامدیوں کی کن ترانیاں بڑے شوق سے سنتے اور انعامات سے نوازتے۔ حضرت ایشیخ کا تعلق نواب صاحب سے صرف بکار مدرسہ تھا۔ مدرسہ کے مصارف میں صرف ریاست کی طرف سے ہوا حوصلہ افزاء تھا۔ جس کی وجہ سے تعلیمی کام میں بہت فروغ ہوا۔ ایشیخ کے لئے مناسب تھا کہ مزدوری حشورہ کے لئے نواب صاحب کے پاس حسب ضرورت تشریف لے جائیں مگر دربار میں ان خوشامدیوں کے کردار سے سخت تکدر کے ساتھ ہی واپس تشریف لے آئے اور ان کی رنگیں باتوں پر بڑا اٹنا زتبصرہ فرماتے جس سے سامعین کو بڑا غصہ حاصل ہوتا۔

مدرسہ عالیہ فرنازیہ کھٹوا اپنے بانی حضرت مولانا علین العفشاء صاحب قدس سرہ کی توجہات عالیہ اور نیک خواہشات و حسن مساعی کی وجہ سے ایک عالیشان مشہور درسگاہ کے طور پر برصغیر میں ابھر رہا تھا۔ عالیشان عمارت، درس گاہیں، ہوٹل۔ دناز، کشادہ

والان، غرض ایک عالیشان مکمل درس گاہ تھی۔ جس میں قرآن شریف کی ابتدائی تعلیم، اردو نوشت و خواند، حفظ قرآن، فارسی، عربی، خوشخطی، طب کے علاوہ مرکزی اور بنیادی علمت غائیہ کے طور پر تجرید و قرأت کی تعلیم کو مقام دیا گیا تھا۔

حضرت مولانا عین القضاۃ ماورزا دہلی تھے۔ سلسلہ ازدواج سے اپنی زاہدانہ افتاد طبع کی وجہ سے آزاد سچے۔ ان کا زہد نفسیت کی حدود تک پہنچا تھا۔ عالم الہبر، متجدد، ادابین، اسراف، پراشت اور بہت لمبے وظائف میں مشغول اکثر اوقات غفلت میں رہتے۔ گاڑھے کاتام سفید و ملاحا علم اور لباس زیب تن کرتے۔ دنیا والوں کے ملنے سے اجتناب فرماتے بگنگو محقر فرماتے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے امام تھے۔ چنانچہ فلسفہ کی مشہور کتاب میبذی پر ان کا حاشیہ اب بھی ان کی شان علمی کا بڑا منظر سمجھا جاتا ہے۔

سلسلہ مجدد بہ قادریہ کے بڑے شیخ دوراں تھے۔ ان کی زاہدانہ ریاضتیں حیرت انگیز تھیں کھانا بڑا سادہ اور معمولی شادل فرماتے۔ عبادت و ریاضت کی وجہ سے منحنی، دھان پان اور زرد رو تھے۔ بڑے امراء اور رؤساء وقت ان کی نگاہ التفات اور دعا کو انتہائی قیمتی سرمایہ تصور کرتے تھے۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے وسیع اخراجات پورے کرنے کے لئے ظاہری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ نہ مدرسہ کا کوئی سفیر تھا نہ کسی سے مالی اعانت کی اپیل۔ نہ اختصار اور نہ روپیہ داد لیکن حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ مدرسہ کے اس قدر اعلیٰ اور گراں اخراجات بڑی آسودگی سے پورے ہو رہے تھے۔ کسی مدرسے اور کماں سے یہ کثیر رقم آتی تھی۔ کس کے ہاتھوں پہنچ رہی تھی۔ یہ بات ہمیشہ راز ہی رہی، مگر راز ہی کیوں نہ کہا جائے ہے تو اللہ تعالیٰ کا اعلان عام ہے۔ ومن یتق الله یجعل لہ نفساً جاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللہ فہو حبیبہ ان اللہ بالغ اموالہ قد جعل اللہ لکل شیء قدراً۔

شان بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ والیہ ریاست بھوپالی نواب شاہجہاں بیگم نے حاضری چاہی اور مدرسہ کے لئے اعانت کی خواہش مند ہوئیں تو مولانا رحمۃ اللہ نے فرمایا یہیں ضرورت نہیں۔ دیوبند یا سہارنپور کے مدرسوں کو بھجوا دیجئے۔ ہم آپ کے لئے دعا گو ہیں۔ یہاں تشریف نہ لائیں۔

عبد قرآن شریف پڑھنے والوں کے عاشق تھے۔ ان پر سونے کی اسٹریاں ٹاتے۔ فرماتے جی چاہتا ہے جو اہل اور موتیوں سے ان کا منہ بھر دوں۔ اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے۔ اندر سے مٹھی میں بند اسٹریاں بے گنے عطا فرما دیتے۔ فرماتے کسی سے نہ بنانا، بڑے بڑے قاری عرب و عجم کے آتے تلاوت سناتے اور اپنے اپنے مقام و فن کے مطابق عطیات سے مالا مال ہو کر جاتے، پر سوز عربی تلاوت کی تلاوت سے کبھی آسودہ نہ ہوتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پورے برصغیر میں تجوید و قراءت کی سب سے بڑی میاں در سگاہ ہونے کا سہرا مدرسہ عالیہ فرزانہ کو حاصل ہوا۔ اس درس گاہ سے مایہ ناز ہستیاں وابستہ رہیں۔ چمنستان تلاوت کے غوش آہنگ قراء اس پر رونق بازاد سے کسی نہ کسی عنوان سے وابستہ تھے۔ حضرت شیخ القراء قاری عبدالرحمن صاحب مکی الہ آبادی، قاری ضیاء الدین، قاری محمد صدیق بنگالی، قاری محمد نظر صاحب قاری عبدالعزیز وغیرہ اکابرین مایہ ناز مقام کے مالک تھے۔

لکھنؤ سے حضرت ایضاً ٹونک تشریف تو لے آئے مگر حضرت مولانا عین القضاۃ رحمہ اللہ نے حضرت ایضاً کے بغیر مدرسہ عالیہ فرزانہ میں ایک ایسا فلاح کس کیا کہ جس کی تلافی ان کے عالی خیال ہیں بغیر حضرت ایضاً کے پوری ہوئی نا ممکن تھی۔ بے تابانہ موطو طرہ فرمائے گئے۔ مدرسہ کے تعلیمی اصول اور طریقہ کار میں پیش کش کی گئی کہ اپنی مرضی کے مطابق سہو طریقہ موزوں خیال کیا جائے گا ہم اس سے پوری طرح متفق ہوں گے۔ تشریف لایے، امد مدرسہ کو سنبھالے۔ اگرچہ حضرت ایضاً کی اپنی کوئی عواہش داپس لکھنؤ جانے کی نہ تھی۔ مگر اکابر بالخصوص اہل اللہ کے لئے حضرت ایضاً کے قلب میں انتہائی فرمانبردارانہ احترام

کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہتا تھا۔ چنانچہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں پہلے سے زیادہ اعزاز و تکریم کے ساتھ تشریف لائے، صدر المدرسین مقرر فرمائے گئے اور پوری بالغ نظری کے ساتھ تعلیمی ڈھانچہ، طلبہ کی جماعتی و تعلیمی تقسیم، اساتذہ کرام کے اپنے اپنے دائرہ کار تعین ایسے عمدہ نظم سے قائم کیا کہ یہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے پچیس سال، تعلیمی ارتقاء و انتہا میں زریں و در شمار ہوتا ہے۔ ظاہری اسباب میں تو قطعاً کوئی بھی امید کی کرن نہیں دکھائی دیتی کہ لکھنؤ ہی نہیں پورے برصغیر پاکستان و ہند کی کسی بھی درس گاہ کو تجویز و قراءت کی اس قدر اعلیٰ پختہ اور عالیشان علمی و علمی تدریس کا دور نصیب ہو سکے۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ کی ترقی کے دوسرا بھتہ ایک حضرت ولی اللہ مولانا عین العضاۃ صاحب کی شاندار اور حوصلہ افزا مالی سرپرستی، اور دوسرے حضرت الشیخ کی انتھک محنتیں جو انہوں نے بہترین قاری تیار کرنے میں خود بھی کیں اور دیگر اساتذہ کے لئے ایک معیار مقرر فرمایا۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ کی انخراجاتی مدد اتنی پھیل ہوئی تھیں کہ ان کو پورا کرنے کے لئے ایک پوری ریاست کی ضرورت تھی مگر فضل الہی شامل حال تھا حضرت مولانا عین العضاۃ کے بابرکت سایہ میں ان کی حیات تک مالی کمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا رحمہ اللہ کو بھی نواب ہی بنایا تھا۔ ہر سال مدرسہ عالیہ فرقانیہ کا سالانہ جلسہ فراغت ہوتا۔ اس میں بریانی، قورمہ اور زردہ انتہائی عمدہ تیار ہوتا۔ گوشت کے لئے لکھنؤ کے اطراف سے عمدہ قسم کے بکرے منگوائے جاسے ہیں جوڑکوں میں لائے جا رہے ہیں۔ زردہ کے لئے زعفران خالص اس طرح پس رہا ہے جیسے مصالکے لپتے ہیں۔ تمام رات بے شمار دگیں ماہر کپانے والوں سے پکوائی جا رہی ہیں۔ تمام لکھنؤ شہر کی دعوت ہے۔ اس عام دعوت کو کھانے میں شہر کے تمام امیر، غریب مسلمان ذوق شوق سے شرکت کر رہے ہیں۔ زردہ اس قدر عمدہ کہ ہفتوں خراب نہیں ہوتا، تحفہ کے طور پر بنگالی تک جا رہا ہے۔

ایک اور دوسرا اجتماعی پروگرام اس وقت ہوتا جب حضرت شیخ احمد سرمنڈی مجدد

الف ثانی قدس سرہ کے سالانہ عرس کا موقعہ ہوتا۔ حضرت مولانا عین العضاۃؒ مدرسہ کے اکابر اساتذہ اور طلبہ کو لکھنؤ سے سرہند کے لئے گاڑی کا ایک مکمل درجہ ریزرو کر کے روانہ فرماتے تاکہ مزار پر حاضری اور تلاوت کلام کی سعادت نصیب ہو۔ یہ وفد بڑے اہتمام سے روانہ ہوتا۔ ہزاروں روپیہ خرچ ہوتا۔ اس موقع پر حضرت الشیخ بھی اکثر سرہند تشریف لے جاتے تھے۔

اس دور کے منتخب اور فیریں صوت طلبہ و فضلاء مدرسہ عالیہ فرقانہ کی تلاوتوں کو سننے والے اب بھی کہیں بوڑھے لوگ بیان کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجالس قرات بڑی پُرکشش اور جاذب قلب و گوش ہوتی تھیں لوگ اس عرس میں ان تلاوتوں کو سننے کے لئے پنجاب، سندھ، سرحد، افغانستان تک سے آتے تھے۔

یہ عرس خالص روحانی قسم کا ہوتا تھا۔ قوالیاں، گانے، عورتوں کی حاضری، راگ رنگ بالکل ممنوع تھے، اور اب بھی ہیں۔ خاموشی کے ساتھ فاتحہ پڑھ کر آدمی چلے آتے ہیں۔ مردہ بدعات بالکل منہیں۔

نور حضرت مولانا عین العضاۃ لکھنؤ سے باہر کہیں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ جو حق اہل کمال بالخصوص قراءان کے یہاں آتے اور حضرت مولانا ان سے تلاوت کی فرمائش کرتے۔

ایک مرتبہ بڑا عمدہ کوئی عرب قاری بعد از عصر حضرت مولانا عین العضاۃ کے یہاں حاضر ہوا۔ حضرت مولانا نے گھر آدمی بھیج کر حضرت الشیخ کو یاد فرمایا۔ حضرت الشیخ اس وقت گھر میں بے تکلف تیل میں کپے ہوئے پکوان سے بچوں کے ہمراہ بیٹھ کر لطف اٹھا رہے تھے۔ پیغام پہنچا کہ حضرت مولانا نے یاد فرمایا ہے۔ کوئی عرب قاری صاحب آئے ہیں۔ حضرت الشیخ مدرسہ میں تشریف لائے۔ عرب قاری صاحب سے ملاقات ہوئی حضرت مولانا نے بڑے زوردار لفظوں میں حضرت الشیخ کا تعارف کرایا تو عرب صاحب نے

حضرت ایٹخ سے تلاوت سننے کی فرمائش کر ڈالی۔ حضرت ایٹخ پہلے خود اس عرب سے سنا چاہتے تھے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ پڑھنے میں کس معیار کا آدمی ہے۔ عذر کے طور پر فرمایا کہ پہلے آپ پڑھیں۔ میں چل کر آیا ہوں، ذرا سانس لے لوں۔ عرب صاحب نے پڑھا اور عمدہ پڑھا۔ حضرت ایٹخ باوجود یکہ تیل کا کچان کھا کر تشریف لارہے تھے۔ ظاہر ہے کہ تیل سے آواز پر ناگوار اثر پیدا ہوتا ہے۔ مگر ایٹخ میں ان کا اپنا مد و جزر جاگ چکا تھا۔ نفاس ت، اور قوت سے اسی لمحے میں پڑھا کہ جس میں عرب صاحب پڑھ چکے تھے۔ اور پڑھنے میں عرب صاحب کو لطیف اشارات دیتے گئے کہ اس خانہ کو اتنا ادنیٰ چاہئے جانا تھا جو تم نہیں لے جا سکے۔ سن کر عرب صاحب سہل ہو گئے۔ تاثرات دیکھ کر حضرت مولانا نے عرب سے دریافت کیا۔ کیف وجد تہ ؟ کہنے لگا واللہ وجد تہ تفاحاً حلواً۔ اس مختصر جواب میں اس نے اچھی تعریف کی۔ مطلب یہ تھا کہ یہ مکمل ہیں، سچتہ ہیں، خامی کا نام نہیں۔

اس جواب سے حضرت مولانا کو بھی خوشی ہوئی اور حضرت ایٹخ کی صدر مدرس پختونخواں کیا۔ غرض یہ دور مدرسہ عالیہ فرقانیہ اور حضرت ایٹخ دونوں کا شباب کی آمد تھا۔ تمام ہندوستان کے مائے ناز اور منتخب طلبہ استفادہ کے لئے آتے اور سالہا سال مشق و محنت سے پڑھ کر فراغت حاصل کر کے واپس ہوتے۔

پاکستان بننے سے کافی پہلے حضرت مولانا عین القضاۃ رحمہ اللہ نے وفات پائی تمام لکھنؤ تڑپ اٹھا۔ جنازہ پر تمام شہر اڑ آیا اور آنسوؤں اور آہوں کی بارش میں حضرت مولانا مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے صحن میں ابدی آرام فرما ہو گئے۔ طر موسم گل رفت دآں ساتی نماز عالیشان درس گاہ کی تاریخ میں یہ جانکاہ حادثہ تھا۔ سب سے بڑا خلا جو سامنے آیا وہ مالی مشکلات تھیں۔ جناب الحاج اصطفیٰ خان صاحب مالک کارخانہ تباکو و عطریات لکھنؤ نے اگرچہ مالی سہ پرستی قبول کی لیکن وہ بہر حال محدود تھی۔ طلبہ کا داخلہ محدود کرنا پڑا۔ اور کئی قسم کے اخراجات میں تخفیف عمل میں آئی۔ رونق گھٹی اور عروسِ نو بہار کے ماتھے

کا ٹیکہ میلا ہونے لگا۔

تقسیم مکی کے بعد تو حالات بہت ہی اتر ہوئے۔ جناب اصطفیٰ خان صاحب کا کام کمزور ہوا۔ دوسرے انہوں نے پاکستان میں نقل مکانی فرمائی اور اسی دور میں حضرت الشیخ بھی مکھنڈ کو خیر باد کہہ کر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ میں تشریف لے آئے۔ یہاں تشریف آوری کے لیے مولانا احتشام الحق تھانوی مہتمم دارالعلوم ٹنڈو الہ یار حضرت مولانا مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور مختلف اکابر بے حد مصروف ہوئے۔ چنانچہ حضرت الشیخ سندھ میں وارد پاکستان ہوئے۔

دارالعلوم ٹنڈو الہ یار آرزوؤں کا سبز باغ تھا جس میں وقت کے انتہائی بالغ الفاضل علماء و اکابر کی رہنمائی میں علوم اسلامیہ کی تدریس کا آغاز ہوا۔ شروع میں ہی اتنا بڑا کام بڑی مالی دستوں کا متقاضی تھا۔ مالی وسعتوں سے بھی صرف نظر کیا جائے تو اہتمام و انتظام کی نہایت عمدہ اور قابو یافتہ جو شکل ہونی چاہیے اس کا عشر عشر بھی نہ تھا۔ فراہمی زر میں بے قاعدگیاں، تنخواہوں اور دیگر اخراجات میں بے حسی اور غفلت کے آئے دن مظاہرے ہوئے۔ نتیجہ یہ کہ جس تیزی سے یہ بہار آئی اسی تیزی سے اس پر خزاں کا موسم بھی آگیا۔ تمام بڑے بڑے تعلیم و تدریس کے ماہر اساتذہ ایک ایک کر کے دارالعلوم سے رخصت ہونے لگے۔ انہیں اکابر میں حضرت الشیخ نے بھی رختِ سفر باندھا۔

لاہور میں ایک درسگاہ دارالعلوم عثمانیہ اور پھر دارالعلوم اسلامیہ کے نام سے پرانی انارکلی میں قائم ہوئی۔ اس کی ابتداء ایک متروکہ سکول میں اس جذبہ سے کی گئی کہ اس میں درس نظامی کی ایک جاندار درسگاہ قائم کی جائے گی۔ اس کے بانیوں میں حافظ سجاد علی مرحوم یو پی سوڈا کارپوریشن کے داماد قاری آل احمد، دیوبند کے ایک عالم دین مولانا محمد مسلم وغیرہ تھے۔ بعد میں ایک اور شخصیت قاری سراج احمد صاحب شامل انتظام تصور کئے گئے۔

اس مدرسہ میں کسی بھی شخصیت کو انتظامی یا تدریسی لحاظ سے استقلال یا ٹھکانہ نصیب نہیں ہوا۔ پہلے حافظ سخاوت علی صاحب پھر مولانا مسلم صاحب یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ مدرسہ پر زیادہ وقت نہ لگا سکے۔ میدان قاری سراج احمد صاحب کے ہاتھ میں رہا۔ بتدریج وہ اس مدرسہ پر ہم مقتدر شخصیت ثابت ہوئے۔ جس مدرس یا طالب علم کو چاہا رکھا اور جسے چاہا نکال باہر کیا۔ علمی قابلیت سے وہ خالی تھے۔ انتظامی ذہن سے نا آشنا تھے۔ آذھی کی رفتار سے ان کا ذہن فیصلے کرتا تھا۔ مدرسہ میں جب مالی وسعت ہوئی۔ مدرسین بھر لئے جب تنگی ہوئی نکال باہر کئے۔ کانوں سے ادبیاں سننے۔ اپنی ہی کہتے۔ دوسرے کی بات سے ان کو کوئی غرض نہ تھی۔ ان کو قدرت نے ایک ہی حوصلہ بخشا تھا کہ مالدار جو بھی ملے اس سے ٹکر جاؤ، اور اس کو اتنا زچ کر ڈالو کہ کچھ دے ڈالنے میں ہی اس کو اپنی عافیت نظر آئے۔ قاری سراج مرحوم نے لاکھوں روپے چنہ کیا۔ دارالعلوم اسلامیہ کی اپنی عالیشان عمارت بھی لاہور سے باہر بنا گئے مگر علمی وراثت اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑ سکے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا ذہن مدرسہ کے لئے مالی فراہمی میں تو بیحد مخلص تھا اور وہ بڑی حوصلہ افزا سکیمیں مرتب کر لیتے تھے مگر مستقبل مزاجی سے ان کو پاپا ہیکل تک سے جانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔

قاری سراج احمد صاحب نے بڑی تیزی سے فیصلہ کیا کہ دارالعلوم اسلامیہ لاہور کو تجوید قراءت کی مرکزی درس گاہ بنانا چاہیے اور اس کے لئے جس طرح بھی ہو حضرت الشیخ عبد قاری عبد الملک صاحب کی تدریسی خدمات حاصل کر سنی جائیں۔ بہت محنت اور سرعت کے ساتھ انہوں نے حضرت الشیخ سے رابطہ قائم کیا۔ تمام آرام و آسائش فراہم کر ڈالنے کے وعدے کئے۔ اقباط حضرت الشیخ نے لاہور تشریف لا کر غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ ایک گرمی کی دہر کو قاری سراج احمد صاحب مجھے ہمراہ لے کر موچی دروازہ پہنچے۔ جہاں حضرت قیام پذیر تھے۔ بڑے بڑے وعدوں میں لپٹے ہوئے پروگرام سجا کر پیش کرنے رہے۔ حضرت قاری صاحب نے لاہور میں تشریف فرما ہو جانے اور دارالعلوم اسلامیہ سے وابستگی کا وعدہ فرمایا۔

اور کچھ روز بعد مع تعلیق لاہور تشریف لے آئے۔ دارالعلوم اسلامیہ لاہور جواب تک گوشہ نگاہی میں تھا اچانک واردین و مستفیدین کی کثرت سے نہایت چر رونق درس گاہ میں تبدیل ہو گیا، سامعین کے علاوہ مساجد کے آئمہ، حفاظ، عربی درس گاہوں کے اساتذہ و طلبہ سے حضرت الشیخ کی درس گاہ اس قدر تنگ دامن ثابت ہوئی کہ باہر والے تمام تعلیمی درجے بھی سامعین قراءت کے لئے خالی کرنے پڑے، جو چار ہفتادہ اگلے روز اپنے دو چار احباب کو ہمراہ لے کر پھرتوٹ رہا تھا۔ واردین میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ۔ شیخ القرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب، حضرت مولانا عبدالقادر راجپوری صاحب مولانا ابوالحسن ندوی، قاری فضل کریم صاحب، بانی مدرسہ تجوید القرآن۔ مولانا داؤد غزنوی، پروفیسر غفر اقبال وغیرہم کے علاوہ ممتاز شریان لاہور کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

حضرت الشیخ نے بڑے خلوص، محنت اور لگن سے تجوید و قراءت کا لفظی فن روایتی کمال مہارت سے پڑھانا شروع کیا پہلے سال میں روایت حفص میں چھ، دوسرے سال میں آٹھ تیسرے تجوید و قراءت دونوں میں نہایت عمدہ فارغین سے معمور جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ تقسیم کے بعد پہلی بار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، قاری سراج احمد صاحب کی انتہائی مساعی سے لاہور تشریف لائے اور دارالعلوم اسلامیہ لاہور کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جلسہ ہر لحاظ سے بڑا کامیاب رہا اور آئندہ ہونے والے جلسوں میں تو یہ رونق بڑی ارتعائی اور روز افزوں شکل اختیار کر گئی۔

خوش درخشید و شعلہ مستعجل بود۔ حضرت الشیخ ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم اسلامیہ

لاہور میں تشریف لائے اور ۱۹۵۸ء میں مستعفی ہوئے۔ تدریس کی دنیا میں پانچ سال کوئی بڑی مدت شمار نہیں ہوتی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ کام میں مجید برکت اور نصرت الہی شامل ہوئی۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں تو الہامی ہی سمجھا ہوں کہ حضرت قاری صاحب کا ماروپاکستان ہونا عامۃ المسلمین کے لئے عموماً اور مسلمانان لاہور کے لئے

خصوصاً رحمتِ خداوندی کا ابرمخبط ہے جو پُر جوش ہو کر بسے گا : ” ابرمخبط برسا اور اس شان سے مجھوم مجھوم کر بسا کہ یا تو ایک وہ وقت تھا کہ اسی لاہور میں کوئی صحیح پڑھنے والا نہ ملتا تھا یا ایک عظیم انقلاب رونما ہوا کہ ہر مسجد، ہر مدرسہ، ہر سکول، ہر کالج میں قاری کا وجود لازمی قرار دیا جا رہا ہے۔ کوئی جلسہ قاری کی تلاوت کے بغیر شروع نہیں ہوتا۔ کوئی مقرر صحیح تلفظ سے قرآن نہ پڑھے تو معیاری مقرر شمار نہیں ہوتا، غرض قاری کے بغیر تمام منبر و محراب بے رونق ٹھہرے۔ اور بتدریج اب تو ہر طبقہ، فکر خواہ اپنی طبقاتی فکر میں وہ مستم ہو یا نہ ہو، مگر قرآن کی خوشنما آواز کا اہتمام ہر جگہ ہے۔ مرزائی، شیعہ، اہل حدیث، بریلوی، دیوبندی، منکرین حدیث، اسلامی، غیر اسلامی سب کے سب جس اکائی پر متفق رائے ہیں۔ وہ خوشنما قرآنی آواز ہے ریڈیو، ٹی۔وی، پرنٹ سے اہتمام سے خوبصورت تلاوتوں کے پروگرام ترتیب دیے جا رہے ہیں۔ غرض داستان بھیلی ہوئی ہے مگر نوجوانوں میں ایک ذہنی خلا بھی ہم جیسے غفلت شعاروں کی گوشہ نشینوں اور خاموشیوں سے پیدا ہو چکا ہے کہ یہ نسل تو اس بابائے قرامت کے نام اور کام سے آشنا نہیں جس کے لئے کسی نے کہا تھا۔

ظہر بلبلیں سن کر میرے نئے غزل خواں ہو گئیں

ہمارے خیال میں ان سوانحی سطر میں ان اسباب سے بحث کرنا اور تفصیلات میں جانا بیکار اضافتِ وقت ہے۔ جن کی وجہ سے حضرت ایٹخ نے دارالعلوم اسلامیہ لاہور سے استعفیٰ دیا۔ بعض ناگزیر حالات کے سبب استعفیٰ ہو گئے۔ استعفیٰ کے ایک سال چند ماہ بعد حضرت ایٹخ نے داعی حق کو لبیک کہی اور اللہ کو پایہ ہو گئے۔ اس درمیانی وقفہ میں لٹن روڈ لاہور میں مرکزی دارالتجوید والقرأت کے نام ایک درسگاہ کی بنیاد بھی ڈالی اور کام بھی خوب چم گیا تھا۔ حضرت کو عرصہ دو سال سے قلبی اختلاج اور سانس میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی تاہم تعلیمی مشاغل اور مدرسہ کی مصروفیات میں قطعاً کوئی فرق پیدا نہیں ہونے دیا۔ مشق بڑے بڑے شاہدارانِ انداز میں اس روز بھی ایک بجے دوپہر تک کرتے رہے جو زندگی کا

آخری دن تھا۔ رات کو کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر حسب معمول شرح شاطبی ملا علی قاری
ملاحظہ فرماتے ہوئے سو گئے اور تہجد کے وقت جو بڑی سچنگی کے ساتھ بیدار ہو جانے اور نعل
تلاوت کا باقاعدگی سے وقت چلا آتا تھا۔ آج بجائے بیداری کے آسمان اول پر زلزلہ فرماتے
والے مالک عرش سے جا ملے۔

وَمَا كَانَ قَبِيْلُهُمْ هٰذَا هٰذَا وَاحِدٌ
وَلَكِنَّهُمْ بَيْنَانُ قَوْمٍ تَهْتَدُ مَا



علمی نکات

راقم الحروف کی عادت تھی کہ زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ القرام صاحب الفضلہ قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہم سے جو باتیں علمی اور نوادہ کی قسم سے ہوتیں اور مجھے اس میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ کی ان کی اپنی تحقیق کی جھلک محسوس ہوتی۔ میں ان کو فوراً ایک کاپی میں جو اسی مقصد کے لئے بنائی ہوئی تھی اور اس نوادہ راقی مجبورہ کا نام "فوائد مالکیہ" رکھا ہوا تھا۔ لکھ لیتا تھا۔ میری اسی علمی تشنگی کو دیکھ کر حضرت بھی اکثر علمی نوادرات بیان کرنے کے وقت بطور خاص اس خاکسار کو مخاطب فرماتے۔

اس موقع پر مناسب ہے کہ ان علمی فوائد سے ناظرین کو بھی مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۔ فرمایا۔ ادغام و اظہار میں اظہار اصل ہے اور فن تجوید کی تعریف اخراج حرف کما اقتضی ذاتہ و صفاتہ کا مفہوم بھی یہی چاہتا ہے کہ اظہار ہی اصل ہو۔ اسی لئے اظہار کے مقابلہ میں ادغام قبل الوقوع ہے، ادغام زیادہ تر امام ابو عمرو و بصری، امام ابن عامر شامی کے پہلے رادی ہشام امام حمزہ اور امام کسائی رحمہم اللہ کے یہاں پایا جاتا ہے لغت قریشی میں اظہار بہت ہے اسی لئے ابن کثیر مکتی رحمہم اللہ کے یہاں ادغام بالکل برائے نام ہے، کیونکہ ان کی قرأت لغت قریشی پر ہے۔ بہر حال ادغام کی وجہ ثقل

لے حرف کو اسکی ذات و صفات کے تقاضا کے مطابق ادا کرنا۔

تلفظ سے پہلے سہولت کو حاصل کرنا ہے۔

۲۔ فرمایا۔ لفظ ترتیل کا مادہ ر ت ثل ہے جس کے معنی ہیں دانستوں کا کشادہ ہونا جس عودت کے دانت علیحدہ علیحدہ ہوں اس کو ر ت ثل کہتے ہیں تو ترتیل کے معنی ہیں ایسا کھلا کھلا پڑھنا کہ ایک ایک حرف خارج و صفات کے ساتھ واضح پڑھا جائے۔ اسی لئے قاضی بیضاوی صاحبؒ نے وَرَقْلُ الْقُرْآنِ تَتْرِيْلًا کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ حرفوں کو خارج و صفات کے ساتھ ادا کیجئے، اسی تفسیر کی بنا پر قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کا وجوب نکلتا ہے اور یہ تفسیر تقریباً متعین ہے۔ ترتیل کے معنی اس جگہ اور کچھ لینا صحیح نہیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ۔

ترتیل دو معنی میں بولا جاتا ہے ایک تو یہی معنی تجوید اور اس صورت میں یہ لفظ خوب ٹھیکرا ٹھیکرا پڑھنے یا متوسط رفتار سے پڑھنے (یعنی تدویناً اور جلدی جلدی پڑھنے) یعنی حد تبینوں پر بولا جائے گا، یعنی تجوید کے ساتھ پڑھا جائے، خواہ وہ کتنی رفتار سے بھی ہو۔ اور ایک معنی اس کے ٹھیکرا کر اطمینان سے پڑھنے کے ہیں۔ اس صورت میں یہ لفظ باقی دو قسموں یعنی تدویر اور حدر کا مقابل ہوتا ہے

۳۔ فرمایا: پڑھنے کی رفتار کے تین طریقے مشہور ہیں۔ ترتیل۔ تدویر۔ حدر۔ لیکن محققین نے پانچ قسمیں کی ہیں۔ ایک تحقیق یعنی پڑھنے میں بہت ہی ٹھیکرا اور صفائی ہو دوسرا اس سے ذرا رواں وہ ترتیل ہے تیسرا اس سے ذرا رواں جیسا کہ جہری نمازوں میں پڑھا جاتا ہے یہ تدویر ہے۔ چوتھا اس سے بھی رواں جس کو حدر کہتے ہیں جیسے بالعموم تراویح میں پڑھتے ہیں اور پانچواں اس سے بھی تیز جیسے کوئی منزل یاد کرتے ہوئے یا چلتے پھرتے آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو۔ اسی کو مذمذ کہتے ہیں۔ لیکن تجوید کا پایا جاتا سب قسموں

۱۔ بیضاوی نے فرمایا اِی جَوْدٌ وَ جَوْدٌ

میں ضروری ہے۔ اس لئے علامہ سخاوی نے ان پانچوں قسموں کے بیان کے بعد فرمایا ہے۔ وَلَا بُدَّ فِي هَذَا الْأَنْوَاعِ كُلِّهَا مِنَ التَّجْوِيدِ
۴۔ فرمایا۔ وقف کی اقسام میں ایک قسم وقف مائلہ ہے ایسے موقع پر عموماً حاشیہ میں مع لکھا ہوتا ہے۔

جیسے فَأَصْبَحَ مِنَ التَّائِدِ مِثْلَ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ لَفْظَ مَنْ أَجَلَ ذَلِكَ كَاتِلًا، ما قبل فَأَصْبَحَ مِنَ التَّائِدِ مِثْلَ سے بھی ہو سکتا ہے اور ما بعد كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ سے بھی ہو سکتا ہے، اس قسم کے وقف کے متعلق ملا علی قاری نے مخرج الفکر میں فرمایا ہے کہ فصل کل اور وصل کل دونوں ناجائز ہیں وصل اول فصل ثانی یا فصل اول وصل ثانی پڑھنا چاہیے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ فصل کل کو تو بیشک ناجائز کہنا ٹھیک ہے مگر وصل کل کو ناجائز کہنا ٹھیک نہیں، اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی لہذا صرف فصل کل ناجائز تھا باقی تینوں قسمیں جائز ہیں۔

۵۔ فرمایا: امام غزالی رحمہ اللہ نے نماز میں قراءت قرآن کے وقت خشوع کے کمال میں یہ فرمایا ہے کہ خارج وصفت کی طرف دھیان لگانا اور صوت تلفظ کی طرف متوجہ رہنا خشوع کے منافی ہے، اگرچہ اس دھیان سے نماز کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مولانا تحفہ فی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز میں قرأت نماز کا رکن ہے اور قراءت کا مأمور بہ درجہ یہ ہے کہ تلفظ صحیح ہو خارج وصفت کے ساتھ حروف کو صحیح ادا کیا جائے۔ اور مأمور بہ کا اہتمام یہ عین خشوع ہے۔ اس کو خشوع کے منافی نہیں کہا جاسکتا۔ اور میں کہتا ہوں کہ تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے والے ماہر قاری کو قراءت کے دوران خارج وصفت کا خیال ہو، نہ نہیں صحیح پڑھنا اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے وہ بغیر کسی دوسرے کے اور خارج وصفت کی طرف دھیان

دیتے بغیر تمام قرآن صحیح پڑھنا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ سوتے ہوئے بھی قرآن کی تلاوت کرے تو وہ بھی صحت تلفظ ہی کے ساتھ ہوگی۔ غرض صحیح پڑھنے میں مخارج و صفات کی طرت و حیانت کا جانا غیر اس کے لئے تو ضروری ہے مگر اس کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ لہذا اس کی تلاوت میں صحت ادا کا دوسوا پیدا ہی نہیں ہوتا۔

۶۔ درایا، منہج المفکر بشرح المقدّمہ الجزریہ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سورہ مؤمنون کی ابتدائی آیات اور سورہ معارج کے پہلے رکوع کے نصف آخر کی آیات الفاظ معنی میں تقریباً ایک جیسی ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ علامہ سجاد ندوی رحمہ اللہ نے سورہ مؤمنون کی آیت وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحْفَظُونَ ہ پر وقف لازم کی رمز بنائی ہے، اور وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحْفَظُونَ ہ معارج میں وقف لازم کی رمز نہیں بنائی ہے۔ حالانکہ مصنون دونوں جگہ آیتوں کا یکساں ہے۔ قاری فرماتے ہیں کہ میں نے خود کافی غور کیا، مسئلہ حل نہیں ہوا تو مجھ میں نے یہ سوال علامہ حرم شریف پر پیش کیا۔ مگر وہ بھی حیران رہ گئے اور کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکے۔

اسکی توجیہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ مؤمنون میں آگے ہے اُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرَارَ دُوسب ط اور معارج میں ہے اُولَئِكَ فِي حَبْطِ مُكْرَمُونَ ہ فرق یہ ہے کہ مؤمنون میں اُولَئِكَ کے بعد ضمیر مرفوع متفصل ہوا آتی ہے اور معارج میں نہیں ہے۔ ہر سے کلام میں حصر پیدا ہوا۔ اب اگر وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحْفَظُونَ کو اُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ سے وصل کر کے پڑھا جائے گا تو یہ دہم ہو سکتا ہے کہ جو لوگ نمازوں پر پابندی کرتے ہیں بس وہی وارثین جنت الفردوس ہونگے اور اس سے اوپر جو دیگر اوصاف مؤمنین بیان ہوئے قَدْ أَفْلَحَ سے وہ مؤمنین، وارثین جنت الفردوس نہیں ہوں گے، کلام کو اس دہم سے

بچانے کے لئے لحاظوں پر وقف لازم بنایا کہ ہم ضمیر کا مرجع صرف نمازوں کی پابندی کرنے والے مسلمان ہی نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر تمام اوصاف مذکورہ بالا والے مومنین ہیں۔ بخلاف معارج کے کہ یہاں وصل میں یہ وہم پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں ہر ضمیر نہیں ہے صرف اولیائے حق ہیں جس کا مشار ایہ تمام مومنین مذکورہ بالا خود بخود ہوتے ہیں۔

۷۔ فرمایا وقف کے معنی انقطاع نفس کے ساتھ ٹھہرنے کے ہیں تو وقف بوجہ مجبوری کے یعنی سانس لینے کے لئے ہوتا ہے اگر بالفرض کسی کا سانس اس قدر لمبا ہو کہ تمام قرآن شریف ایک سانس میں پڑھ سکے تو وصل ہی بہتر ہوگا۔

یہ مذہب امام حمزہؒ کا ہے۔ اور امام عاصم وغیرہ رحمہم اللہ کے یہاں وقف کا مقصد معنی کی افہام و تفہیم بھی ہے، لہذا معانی اور مضامین کے ربط کے مواقع میں وصل بہتر ہے اور مضمون کے انقطاع کے مواقع میں وقف بہتر ہے۔

۸۔ فرمایا: وقف کے مواقع میں اکثر اجتماع ساکنین ہوتا ہے جیسے علیہم خیرہ یہ اجتماع ساکنین اگرچہ جائز کی قسم سے ہے مگر ثقالت سے خالی نہیں۔ اس ثقالت کو دور کرنے کے لئے بد صوت سے کام لیا گیا۔ تاکہ ثقالت دور ہو جائے۔ اسی طرح حرف مد کے بعد جب ہمزہ ہو تو حرف مدہ ضعیف اور ہمزہ قوی کا اجتماع ہوتا ہے، اجتماع ضعیف و قوی ثقیل تھا اس ثقالت کو دور کرنے کے لئے مد متصل منفصل پر بد صوت سے اس کا تدارک کیا گیا۔

۹۔ فرمایا: تَطْلُبُ جِدَّ حُرُوفٍ تَلْقٰہُہٗمِ، شدت و جہر کی وجہ سے تعلقہ ہوا مگر ہمزہ میں تعلقہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ بھی شدیدہ مجہورہ ہے، کیونکہ اس کا مخرج حلق ہے اور خلق بھی الٰہی، ہمزہ میں خود ثقالت تھی، تعلقہ سے یہ ثقالت زیادہ ہو جاتی لہذا ہمزہ میں تعلقہ نہیں، تعلقہ کے معنی ہیں، مخرج میں آواز کا ٹکڑا دوبارہ ظاہر ہونا۔

قلقلہ کا مفہوم جو کتابوں میں سمجھا ہے کہ مخرج میں آواز کو ہلانا، اس کا مقصد رَجْعِ صَوْت ہے یعنی حرف ساکن ہونے کے بعد اس کی آواز دوبارہ پلٹ کر آئے۔

۱۰۔ مد کی تین قسمیں کی گئی ہیں لازم واجب جائز۔ یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ یہ اصطلاح مجودین کی ٹھیکرانی ہوئی ہے یا یہ حکم شرعی ہے؟

واجب کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ واجب سے شرعی حکم مراد ہے کیونکہ ایک راویت میں ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ میں لفظ للفقراء پر مد کرنے کا حکم فرمایا والا امر للوجوب لہذا متصل پر اگر کوئی مد نہ کرے تو وہ تارک واجب ہوگا۔ اور باقی دو اصطلاحیں لازم اور جائز، مجودین کی ٹھیکرانی ہوئی ہیں شرعی حکم نہیں ہے۔

۱۱۔ فرمایا سورہ یوسف میں لَا تَأْخُذْ بَعِثَاتٍ پڑھنے کا قاعدہ یہ ہے کہ میم مفتوحہ کو نون میں میں ملاتے ہوئے جب نون کو ساکن پڑھا جائے تو اِشْتِمَامُ کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی منقول ہے کہ نون اول پر ختمہ پڑھا جائے۔ لیکن اس ختمہ کا اظہار بکمال نہ ہو بلکہ ناقص ہو، اس کو اس طرح پڑھنے کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ مروی یہی دو طریقے ہیں، لیکن نکتہ بعد الوقوع کے طور پر وجہ یہ بیان کی جاسکتی ہے کہ اصل میں لَا تَأْخُذْ بَعِثَاتٍ تھا، یعنی آئے نفی ہے لائے ہی نہیں دو حرف ایک جنس کے یعنی نو مِثْنُ جمع ہوئے اول کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کر دیا ادغام کی وجہ سے نون ساکن ہو جانے سے بظاہر لائے ہی کا اشتباہ ہونے لگا تھا۔ لہذا اسی اشتباہ کو دور کرتے کے لئے اند لائے نفی پر تنبیہ کرنے کے لئے قرأت کے یہ دو طریقے ایجاد ہوئے۔

۱۲۔ فرمایا۔ نون ساکن کے بعد اگر کوئی حرف حلقی ہو تو غنہ آئی ہوتا ہے۔ ورنہ غنہ زمانی ہوتا ہے۔

۱۳۔ فرمایا۔ مد فرعی کے اتمام میں مد لازم سب سے قوی ہے، پھر متصل پھر مد عارض

پھر منفصل اور ورش کا تبدیل سب قسموں میں اضعف ہے، چنانچہ اسی کو حسب ذیل شعروں میں کہا گیا ہے۔

أَقْوَاهُ السُّكُونُ يَلِيهِ الْمُتَّصِلُ
فَعَارِضُ السُّكُونِ ثُمَّ الْمُتَفَصِّلُ
ثُمَّ كَامِنٌ أَوْ ذَا أَضْعَفُهَا
قَاعِدَةٌ يُفَرِّبُهَا مُتَقِنُهَا،

ترجمہ۔ سب سے زیادہ قوی سکون اصلی والا ہے، اور اس کے قریب ہی متصل ہے پھر عارضی سکون والا مدعا راض ہے پھر منفصل ہے۔ پھر آمنہ کے مانند اور یہ سب سے زیادہ ضعیف قسم ہے۔ یہ ایک قواعد ہے کہ مدوں کی قسموں میں ماہر ہی اس کو یاد کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

۴۱۔ فرمایا۔ سکتہ کے معنی لغت و قسم ہی کے ہیں گو یا لغوی اعتبار سے سکتہ اور وقف میں کوئی فرق نہیں ہے، قرآن شریف میں سکتہ کل آٹھ جگہ بکھا ہوا ہے سکتہ کے اصطلاحی معنی ہیں۔ القَطْع الصوت دون النفس اور وقف کے معنی ہیں انْقِطَاعُ النَّفْسِ وَالصَّوْتِ، قرآن شریف میں چار جگہ سکتہ اصطلاحی ہے یعنی کہف یاسین، قیامہ اور مطففین میں اصطلاحی ہے، جو صاحب روایت امام حفص سے منقول ہے اور باقی چار جگہ بمعنی وقف جوازی ہے جو حفص کے بعد والوں نے کہا ہے۔ ان چار جگہوں میں یا تو بالکل وقف کیا جائے اور یا بالکل وصل کیا جائے جیسے یُؤْتَفُّ، اَعْرِضْ عَنْ هَذَا سَكَنَةً وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ۔

۱۵۔ حضرت الاستاذ نے والعصر تلاوت فرمائی تو اِلَّا پر وقف فرمایا۔ پوچھنے پر فرمایا کہ خُصْرٌ ۱۱ پر اس آیت ہے مگر وہاں میں نے وقف نہیں کیا۔ کیونکہ مجودین میں دو قسم کے مذاق ہیں، ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جہاں اس آیت ہو وہیں وقف

کرنا بہتر ہے، کیونکہ وہ قرآن کی طرح منزل ہے اور اس میں آئینہ آئینہ ہے جو بہر حال بہتر ہے۔
 اس آیت پر وقف کی وجہ سے اگر کوئی معنوی ایہام پیدا ہو تو وہ ہلکا کرے، اہل عربیت کلام
 کے سیاق و سباق سے خود تعین کلام کر کے مراد معنی کو پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن دوسری جماعت
 قراء کا مذاق یہ ہے کہ قاری کو رعایت معنی ملحوظ رہنی چاہیے اور سامعین کو ایہام معنی
 سے بچانا چاہیے۔ جیسا کہ اسی آیت میں اگر الّا پر وقف کر لیا جائے تو پہلی آیت سے تمام
 انسانوں کا خسارت میں ہونا مومہوم نہیں ہوتا لفظ الّا پر وقف سے مستثنیٰ اور خارجین
 عن الخسارت کے وجود پر اشارہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا میرا مذاق اسی کو ترجیح دینا ہے
 اگرچہ دوسرا خیال بھی بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۶۔ وَاسْتَبَقْنَا الْبَابَ تلاوت فرماتے ہوئے فرمایا کہ بعض اساتذہ پانی پت اور بہت
 سے لوگ ان کی اتباع میں ایسی جگہ الف تشبیہ کو باقی رکھتے ہوئے ذرا اشیاء کے ساتھ ٹپک
 آگے ملا لیتے ہیں۔

لیکن یہ صحیح نہیں الف کا گرنا ضروری ہے کیونکہ التقارر ساکنین علی غیر حاقہ جائز نہیں
 ہے اور قواعد نحو یہ کا لحاظ رکھتے ہوئے الف کو گرنا ضروری ہے۔

اساتذہ پانی پت اسکی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ الف گرنے کی شکل میں صیغہ تشبیہ
 کا صیغہ واحد کے ساتھ التباس ہوتا ہے۔ اور التباس و ایہام سے کلام اللہ کو بچانا ضروری
 ہے۔ مگر محققین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک تحقیقی اور ایک الزامی۔ الزامی تو یہ کہ
 قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ وَغَيْرِهِمْ دَاؤ کو تم گر کر ہی پڑھتے ہو
 حالانکہ اس صورت میں بھی صیغہ جمع کا صیغہ واحد کے ساتھ التباس لازم آتا ہے۔ ن التباس
 سے بچنے کی فکر کیوں نہیں کرتے ہو۔ صرف الف تشبیہ پر ہی کیوں توجہ ہے؟ تحقیقی جواب

یہ ہے کہ صیغوں کا التباس صرف عالم عربیت ہی کو ہو سکتا ہے، جاہل کو یہ گنہ نہیں ہو سکتا ہے اور عالم عربیت کے لئے سیاق و سباق سے معنی و مراد کی تعیین مشکل نہیں ہوتی ہے وہ قرآن سے خود ہی صیغوں کی تعیین بھی آسانی کر لے سکتا ہے جیسے کَلَّمْنَا ذَا قَاتَا الشَّجَرَةَ بِدَت لِهَمَا نَسُوا تَهُمَا وَكُفِفَا يَخْصِفَانِ عَلَيَّهِمَا مِنْ دَرَقِ الْجَنَّةِ اَلَا يَتَنَاسُ آیت کے سیاق میں آنے والے صیغے اور ضمیریں خود ہی ذاقا کے تثنیہ ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

۱۷۔ فرمایا قصہ جلال آباد ضلع مظفرنگر (یوپی) کے رہنے والے قاری محمد علی صاحب بن بہادر علی خان کوئی پرانے اساتذہ میں سے ہوئے ہیں انہوں نے ایک رسالہ حُجَّةُ الثَّوَارِ تصنیف کیا ہے جو فنی حیثیت سے بہترین رسالہ ہے، مگر اب وہ نایاب ہے اس میں انہوں نے اور تو سب باتیں بہترین ترتیب اور تامل و فکر سے کہی ہیں، مگر ایک تحقیق میں ان سے تسامح ہو گیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اللہ اسم جلالہ میں لام مفتوح ہے لیکن پہلے لام کو بھی مفتوح پڑھنا غلط ہے کیونکہ یہ اصل میں اَل لَّام تَحَا، لام تعریف کو لام اسم الجلالہ میں ادغام کیا گیا۔ اللہ ہو گیا تو تفہیم اس طرح پر ہونی چاہیے کہ پہلے لام کے پڑھنے کے وقت اس کی ترقیق باقی رہے اور صرف دوسرا لام مفتوح ہو۔ فرمایا اس میں غلطی یہ ہے کہ لام مدغم اور مدغم فیہ کو الگ سمجھا ہے لیکن یہ ادغام کی تعریف سے ناواقفیت کی دلیل ہے ادغام کی تعریف یہ ہے ضَمُّ الْمُتَجَانِسِ الْأَوَّلِ فِي الْمُتَجَانِسِ الْآخِرِ، اور ضم کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے متجانس کو پہلے متجانس کا ہم مخرج و ہم صفت بنا دیا جائے ورنہ ادغام نہیں ہوگا۔ لہذا قاعدہ مذکورہ کا تقاضا یہ ہوا کہ دونوں لام مفتوح پڑھے جائیں۔

۱۸۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس لہجہ میں (یعنی حسینی میں) میں پڑھ رہا ہوں، میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ یہ وہی لہجہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کیونکہ یہ

ہجہ بلسہ اسانذہ تواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہے اور زَيْنُ الْقُرْآنِ
يَا حُصَوًا قِكْهُ وَغَيْرَہ احادیث میں تحمیں صوت سے غالباً یہی ہجہ مراد ہے۔ باقی
اس کے علاوہ جو دوسرے ہجے ہیں جیسے مصری، عشاقی وغیرہ اُن کے متعلق
تواتر کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، ہو سکتا ہے کہ وہ بعد میں پیدا ہوئے ہوں اور ہمارا
یہ ہجہ کا تواتر پانی پتی حضرات پر محبت ہے کہ وہ خوش آوازی کو بہت قرار دیتے ہیں۔
اور گا کر پڑھنے والے بتلاتے ہیں۔

۱۹۔ فرمایا۔ خوش آوازی کے لئے ایک ہندی دوہا مشہور ہے، جو کسی سادھو نے
کہا ہے ے

مریج کلیمن باسچی بچ پیل اور پان
شہر ملا کر چاٹ لے کنٹھ کو کو کلا مان

یعنی سیاہ مریج، خولنجان فلغل دلمانہ، باسچی، بچ اور پان ہموزن لے کر کوٹ
چھان کر شہد میں ملا کر چاٹ لے اور سمجھ لے کہ کلا کو کلا پرندہ کی سی آواز دھالا ہو جائے
۲۰۔ فرمایا تمام وہ ذوات الباء کلمات کہ جن میں امام حمزہ و کسائی یا صرت کسائی نے
امالہ کیا ہے درش کے لئے اُن تمام کلمات میں فتح و قلیل دو وجہ ہیں، جیسا کہ مشہور قاعدہ
ہے۔ مگر علامہ دانی وغیرہ نے بتلایا ہے کہ اس اصول سے تین کلمات مرضات مشکرة
اور کلا ہما مستثنیٰ ہیں۔ لیکن علی نوری سقافسی صاحب غیث النفع نے ایک چوتھے
کلمہ میں اضافہ کیا ہے۔ لہذا کل چار کلمے مذکورہ اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی درش
کے لئے ان چاروں میں صرف فتح ہے۔ چنانچہ ان چاروں کلمات کو علی نوری سقافسی نے
تثابہ کی بحر میں وزن بھی کیا ہے فرماتے ہیں ے

هَمَالٌ عَلَى وَحْدًا مَا أَوْ وَحْمَةً
أَمَلٌ يَوْشِبُ لَذَائِعَ مَذَلَّةٍ

سَوِي اَرْبَعٌ وَهِيَ التَّرْبَاوَكُلَاهُمَا وَمَوْضَنَاتٌ مَشْكُوۃٌ وَذَاحِيَةٌ اُنْزِلَا

یعنی جس کلمہ میں صرف علی کسائی نے یا حمزہ و کسائی دونوں نے امالہ کیا ہو، اس میں ورش کے لئے (بطور رجوانہ) امالہ مغری کر دو، اس مسئلہ میں کوئی اختلاف بھی باعث لغزش نہیں ہے۔ البتہ چار کلمات اس اصول سے مستثنیٰ ہیں اور وہ ہیں رَبَّالْاَلْمَلَا مَوْضَنَاتٌ - مَشْكُوۃٌ - یہ الفاظ قرآن میں جہاں بھی ہوں یہی حکم ہے۔

۲۱۔ فرمایا مراتب متصل میں علی وجہ التفصیل یہ کہا گیا ہے کہ ورش و حمزہ کے لئے بقدر پانچ الف عاصم کے لئے بقدر چار الف ثانی و کسائی کے لئے بقدر تین الف اور قالون، مکی اور بصری کے لئے بقدر دو الف ہے۔ مگر اتنی احتیاط و تدقیق مشکل ہے لہذا دوسری درجوں پر اکتفا کیا جانے لگا یعنی یوں کہہ دیتے ہیں کہ ورش و حمزہ کے لئے طول اور باقیں کے لئے تو وسط ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں ۷

وَقَدْ قَرَأَ الشَّيْخَانِ طَوْلِي يَوْزِ شِهِمَ وَحَنْزَوَةً قَالُو سَطْلِي يَا قِيَهُمُ الْمَلَا

ترجمہ :- اور تحقیق شیخین (علامہ شاطبی و حمزہ) نے ورش و حمزہ کے لئے طول اور باقیں، معزز و قراء کے لئے تو وسط کیا ہے۔

۲۲۔ فرمایا اقصائے لسان کے اوپر جو نرم گوشت حلق کی طرف مائل ہے اس کو غَلَصْمَہ کہا گیا ہے جو قاف کا مخرج ہے اور نالوکا بڑی والا وہ حصہ جو غلصمہ سے ملا ہوا ہے وہ عَکَدَہ ہے لہذا مخرج قاف و کات اس طرح تھا کہ اقصائے زبان و غلصمہ قاف کا مخرج، اور اقصائے زبان و عَکَدَہ کات کا مخرج ہے۔

۲۳۔ فرمایا اکثر محجوبین نے صفات لازمہ غیر متضادہ کے اعداد ذکر نہیں فرمائے اسی لئے ان کو صفات لازمہ منفردہ کہا جاتا ہے مگر بعض محققین نے ان کے اعداد بھی ذکر کئے

ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ **سَبَّحَ سُبُّهُ صَغِيرٌ**۔ استقرارِ ضد قلقلہ، ثابۃ ضد منحرفہ،
قصیر ضد استطالات، صحیحہ ضد حرکت و ملت ہیں

۲۴۔ فرمایا کہ قاری محمد علی جلال آبادی وغیرہ بعض قراء مجمل نے ہمزہ کو تحقیق ادا کرنے پر زور دیا اور یہ بات کہی کہ اس کی ادائیگی میں پڑھنے والے کی نافرمانی ہوتی ہوئی محسوس ہو، خصوصاً اجتماع ہمزتین میں مثلاً **أَنْذَرْتَهُمْ** مگر استاذ حضرت قاری عبدالرحمن مکی المآبادی نے اس کا رد کیا ہے کہ ہمزہ کی ادائیگی تحقیق ہونی چاہیے مگر نہ اس قدر کہ نافرمانی جائے، ہمزہ کا نافرمانی سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۵۔ فرمایا کہ قاری محمد علی صاحب جلال آبادی نے حجتہ القاری صلا پر یہ بات بڑی عمدہ کہی ہے کہ سورۃ زمر میں **يَذُفُّهُ لَكَفُّ** کی بجائے ضمیر کو حذف وغیرہ نے باوجود حرکتِ طرفین صلہ سے نہیں پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ اصل **يُذْخِضُهُ** تھا۔ بجائے ضمیر کا ماقبل الف بسبب حرک شرط گر گیا۔ پس **مِنْهُ** کی قسم سے تہود لیکن اشکال ہوتا ہے کہ سورۃ بکہ میں **أَنْ لَّمْ يَذُفُّ أَحَدٌ** میں بھی تقریباً یہی صورت تھی پھر وہاں کیونکہ صلہ باقی رہنے دیا گیا، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیشک **يَذُفُّ** اصل میں **يَذُفُّ** تھا اور الف حالتِ جزمی کی وجہ سے گر گیا۔ لیکن اس کے صلہ کو اس لئے باقی رکھا گیا کہ یہاں ہا کے بعد ہمزہ ہے لہذا اس میں صلہ کو باقی رکھا گیا تاکہ یہ صلہ ہمزہ کے محقق ادا ہونے میں مددگار ثابت ہو یعنی ہمزہ اپنے مخرج و صفت سے بوجہ احسن ادا ہو۔

۲۶۔ فرمایا کہ قاری محمد علی صاحب نے حجتہ القاری میں فرمایا ہے کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ مد فرعی کی حقیقت مفہومی میں مد طبیعی داخل ہے یا نہیں؟ یعنی مد فرعی علاوہ مد طبیعی کے ہے یا مد طبیعی کے ساتھ ہے۔ بعض مشائخ کہتے ہیں کہ مد فرعی سے مراد مد طبیعی کے علاوہ مقدار مراد ہوتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مد فرعی مد طبیعی کے سمیت ہوتا ہے اور مد طبیعی اس میں داخل ہے۔ غور کرنے سے یہی

بات بہتر معلوم ہوتی ہے اور طبعی، مدفعی میں داخل ہے اس لئے کہ قصر کی حد باتفاق ایک الف قرار دی گئی ہے، چنانچہ مد منفصل کو قصر کے وقت بقدر یک الف کھینچتے ہیں اور اس قصر کے اوپر جو زیادتی ہوتی ہے وہ مدفعی کہلاتی ہے اور قصر اسی زیادتی کے ترک کا نام ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قصر میں مد ایک الف ہوتا ہے۔ لہذا دو الفی قصر کا دو چند ہوا اور تین الفی مد قصر کا تین گنا ہوا، اور چار الفی قصر کا چار گنا ہوا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قصر سے مراد ایک الفی، تو وسط سے دو الفی اور طول سے مراد تین الفی مع المد الطبعی ہے۔

۲۷۔ فرمایا کہ روایت حفص کے دو طریق ہیں ایک من طریق الاثنانی عن عبید اللہ بن صباح عن حفص دوسرا من طریق الفیل من عمرو عن حفص۔ پہلے طریق میں حفص کے لئے ساکن غیر مذکر قبل از ہمز پر سکتہ ہے مثلاً قرآن، من آمن۔ الأرض۔ واسئلہ، یسئلونک۔ شینا شئی وغیرہ یہ سکتہ لفظی کہلاتی ہے جو براہ تحقیق مہمزہ ہوتا ہے۔ اس طریق پر حفص کے لئے مد منفصل میں چار الفی مد ہے، قصر نہیں ہے۔ اور طریق الفیل میں حفص کے لئے مد منفصل میں قصر ہے، لیکن سکتہ لفظی نہیں۔ لہذا روایت حفص پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے۔ کہ سکناات پڑھتے وقت قصر نہ کرے، اور قصر کرنا ہو تو سکناات نہ کرے۔ ورنہ خلط فی الطریق ہوگا جو مثنائے کے یہاں جائز نہیں۔

چنانچہ حجتہ القاری میں ہے کہ سکتہ لفظی اور عدم سکتہ لفظی کی مد منفصل کی مقدار کے ساتھ چار صورتیں ہیں ان چار میں سے تین جائزہ اور ایک وجہ ناجائزہ ہے۔

- | | |
|-------------------------------------|------------------------|
| ۱۔ سکناات لفظی مع مد منفصل چار الفی | (منقول از نشر و انجات) |
| ۲۔ سکناات لفظی مع مد منفصل چار الفی | (منقول از شاطبیہ) |
| ۳۔ عدم سکناات لفظی مع قصر مد منفصل | (منقول از نشر و انجات) |
| ۴۔ قصر مد منفصل مع سکناات | (یہ ناجائزہ ہے) |

۲۸۔ فرمایا کہ شیخ ابو جعفر محمد بن طیفور سجاولی صاحب نے جو اوقاف کے رموز

مثلاً لازم، مطلق، جائزہ مجتوزہ وغیرہ مقرر کئے ہیں، ہمارے بلادِ ہندوستان کے مصاحف میں وہی رائج ہیں۔ ماوراء النہر کے مشائخ نے انہیں کو ترجیح دی ہے، گو اور طرح بھی اصطلاحات وارد ہیں، اور ابن الانباری ابن الخزری اور اسمثونی وغیرہ حضرات نے بھی اس موضوع پر تصانیف فرمائی ہیں اور مواقع وقف میں ہی اختلاف ہوا ہے۔ مگر یہ اختلاف، اختلافِ تفسیری پر متفرع ہے اور کہیں ترکیبِ نحوی کے اختلاف کے نتیجہ میں ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی بڑا اختلاف نہیں یا ٹوہل کہیے کہ صرف اختلافِ لفظی ہے حقیقی نہیں۔

۲۹۔ فرمایا جس آیت میں لفظ کلا ہوگا وہ آیت لازماً مکی ہوگی، مدنی نہیں علماء نے استقرار کیا ہے، دیگر یہ کہ کلا صرف قرآن کے نصفِ آخر میں ہے نصفِ اول میں نہیں، تیسرے یہ کہ یہ لفظ قرآن میں چھتیس جگہ واقع ہے۔
کسی شاعر نے کہا ہے۔

وَمَا نَزَلَتْ كَلًّا بِثَرَبٍ فَأَعْلَمَنْ
وَلَا حَيَاءً فِي الْقُرْآنِ فِي نِصْفِهِ الْأَعْلَى

یعنی کلا کا لفظ ثرب والی آیات میں نازل نہیں ہوا اور نہ نصفِ اول میں آیا ہے اس لفظ پر مزید بحث دیکھنی ہو تو نہایتہ القول المفید کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۳۰۔ فرمایا اس میں اختلاف ہے کہ حروفِ مدہ اصل اور حركات اُن کی فرع ہیں یا حركات اصل اور حروفِ مدہ ان کی فرع ہیں، یہ بحث ایسی ہی ہے کہ پہلے انڈیا تھا یا مرغنی؟ یعنی انڈیا مرغنی سے پہلے پیدا ہوا یا مرغنی انڈیے میں سے پہلے نکلی؟

بہر حال ایک جماعت کہتی ہے کہ حروفِ مدہ اصل اور حركات فرع ہیں، کیونکہ اگر حقیقت اس کے برعکس ہوگی تو یقیناً حركات، حروفِ مدہ سے پہلے ہوں گی۔

لیکن حرکات تو قائم بنفسہا ہو۔ ہی نہیں سکتیں۔ لہذا وہ شے کسی طرح لازم ہو سکتی ہے جو قائم بنفسہ ہی نہ ہو۔

اور دوسری جماعت کی رائے ہے کہ حروفِ مدہ حرکاتِ ثلثہ سے ماخوذ ہیں۔ اور حرکاتِ اصل ہیں۔ کیونکہ حرکات کو کھینچنے سے ہی یہ تینوں حروفِ مدہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز یہ بھی دلیل لاتے ہیں کہ اہل عرب بعض کلاموں میں داد کی جگہ ضمیمہ پیدا کر دیا۔ مادہ کی جگہ کسرہ اور الفت کی جگہ فتح پیدا کرتا کرتے ہیں اور انکشافِ اصل پر ہی کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ حرکاتِ ثلثہ اصل اور حروفِ مدہ فرع ہیں۔ یہ بحث مفصل کتابِ الرعاہ لابی محمد مکی بن ابی طالب قیس میں دیکھی جاسکتی ہے جس میں مصنف نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی کسی کی اصل نہیں دونوں مستقل الوجود ہیں۔ وہ قول صحیح ان شاء اللہ تعالیٰ ۳۱۔ فرمایا۔ ضاد اور ظاد میں مخرج اور صفت استطالات سے فرق کیا گیا ہے جو مشہور ہے۔ لیکن ایک فرق اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ضاد میں اطباق اور تغنیم ظاد معجم کے اطباق و تغنیم سے زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ فرق دقیق ہے اور ماہرین اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس فرق کو علامہ جزیری وغیرہ نہیں لئے، یہ بات ساقچلی زادہ محقق ترک نے جہدِ العقل میں کہی ہے۔

۳۲ فرمایا زمانہ حال کے مصری قراء کا امالہ کبریٰ میں تلفظ صحیح نہیں، وہ بجائے امالہ ابدال کرتے ہیں۔ امالہ یہ ہے کہ الفت کو بجائے الافتاح کامل کے صرف یاء کی طرف جھکا کر بڑھا جائے۔ نہ یہ کہ خالص یاء مدہ سے تبدیل کیا جائے۔ وَمَا اَدْبَيْتَ طُحَا جائے۔ یہ فاش غلطی ہے۔

۳۳ مدرسہ تجوید القرآن لاہور کا سالانہ جلسہ تھا۔ ایک نوجوان خوش گلہ قاری نے آیاتِ قرآن میں دَامِ اُتِی عَا قِرْتُکَ لَکَ ذَلِکَ اللہ ط پڑھتے ہوئے لفظ اللہ پر وقف کیا تلاوت ختم ہوئی تو حضرت قاری صاحب نے تارکحی بنیہ کی اور فرمایا تمہارے اس بے موقعہ وقف سے تلاوت کا سارا لطف جاتا رہا۔ کیونکہ دَامِ اُتِی عَا قِرْتُکَ کے جواب میں قال لَکَ ذَلِکَ اللہ کا مطلب ہوا کہ

اگر یہ سب عاقر ہے تو کوئی بات نہیں نعوذ باللہ اللہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس وقت اسٹیج پر اکابر کا مجمع تھا۔ علماء میں سے حضرت مفتی محمد حسن صاحب جامعہ اشرفیہ والے اور مولانا داد غزنوی صاحب اور حضرت مولانا احمد علی صاحب تھے قراء میں سے قاری کریم بخش صاحب اور قاری فضل کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تھے، مگر فاش غلط وقف کی طرف کسی کا بھی ذہن نہیں گیا، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی تنبیہ کے بعد سب ہی حضرات بے ساختہ طور پر حضرت قاری صاحب کی قرآن فہمی پر داد و تحمید دینے لگے۔ بلکہ مفتی محمد حسین صاحب نے تو فرمایا کہ حضرت ہمارا تو اس طرف ذہن ہی نہیں گیا۔ قرآن سننے کا بھی صحیح ذوق اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی بخشا ہے۔

غرض اسی طرح حضرت رحمہ اللہ وقف وابتدا میں حسن معنی کا بید خیال رکھتے تھے اور کسی قاری کے اچھی جگہ وقف کرنے پر خوش ہو کر داد و تحمید فرماتے تھے۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی تحریری علمی یادگاروں میں ان کا "فوائد مکملہ" کا حاشیہ تعلیقات مالکیہ ہے۔ یہ کتاب استاد اہل سائذہ حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکی الہ بادی کی بہترین تصنیف ہے اور مہارت فنی کا اعلیٰ نمونہ ہے، اس کتاب پر حواشی بہت سے مشائخ نے لکھے۔ مگر حق یہ ہے کہ تعلیقات مالکیہ کا مقام منفرد ہے، بہترین معلومات اور حواشی سے کتاب کو ایسا مزین کیا کہ اصل کتاب کی قدر و قیمت میں بہت بڑا اضافہ ہوا ہے مثلاً صفات ممیّزہ، استعاذہ، ابتدائے سورہ قریم میں بسم اللہ پر بحث حروف تلمذ کی تعداد اور اس صفت کا الطباق، ادغام، اخفاء، اجتماع ساکنین، وائے کی بحثیں قابل دید ہیں، نیز کتاب کے آخر میں باب التکیہ کے ضروری مسائل بڑی جامعیت اور اختصار سے لائے گئے جو کسی اردو کتاب میں ایسی جامعیت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے، اسی طرح الحال المرآۃ المکررہ سورہ اخلاص فی التراویح۔ بدایت الابدال فی تحقیق النطق الفصاحہ اور تائید مزید ہیں علماء حرمین شریفین کے فتاویٰ ایک تواریخ کی حیثیت

رکھتے ہیں۔ تجلید کی اس کتاب میں قراء کے لئے سجدۂ تلاوت کے عنوان کے تحت فقہی مسائل کا بیان بڑی ضرورت کی تکمیل ہے۔

دوسری علمی یادگار حضرت کے وہ عربی حواشی ہیں جو موصوف نے حرز الامانی المعروف شاہ طلیہ پر لکھے ہیں، اختصار، جامعیت اور آسان و سادہ عربی زبان میں اشعار کی تشریح ایسا علمی کارنامہ ہے کہ بڑی بڑی شرح و حواشی سے بے نیاز کرتا ہے۔ الحمد للہ کتاب شاہ طلیہ اور یہ حواشی لاہور میں مطبوع ہو چکے ہیں۔ اور وقت کی بڑی ضرورت پوری ہوئی ہے۔ اسی طرح فوائد نگینہ مع حاشیہ تعلیقات مالکیہ ہندوپاک میں سجدہ مقبول ہے، چھ سات ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ تقسیم ملک سے پہلے یہ دونوں کتابیں لکھنؤ میں چھپی تھیں، تقسیم کے بعد ملک میں ان کی بڑی ضرورت تھی۔ ان کے پھینے سے بڑا اعلیٰ خلا درج ہوا ہے۔ فَلَیْلَةُ الْحَمْدِ عَلٰی ذٰلِکَ،

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ فن ادا کے امام تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس فن کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا کہ غالباً، حضرت قاری عبداللہ صاحب اپنے اس ہونہار شاگرد کو دیکھتے اور سنتے تو نہ معلوم کس قدر کس قدر داد و تحسین سے نوازتے، شاگرد نے حضرت الاستاذ کے آگے دس سال ترتیل و صدر میں مشق کی، آج کون ہے جو رعایت حفصہ پر دس سال لگائے۔ علاوہ ازیں حفظ قرآن بھی حضرت قاری عبداللہ صاحب زعیم و صدر مدرس مدرسہ صوفیہ مکتہ المکرمہ کی خدمت میں رہ کر ہی کیا، ترتیل میں حضرت ابو حنیفہ کے امام تھے اس لیے میں ایسی عمدہ تمنوعات پیدا کی تھیں کہ اس کی جھلک، قاری رفعت صاحب مرحوم کی تلاوت میں ہی سنی جاسکتی ہیں، اس کے علاوہ دیگر حجازی لہجوں (یعنی مائتہ عشائی، دھکا، سیلکا، حوب، دکن، اور مصری لہجہ پر بڑی فنی مہارت تھی قرآن شریف کا بہت عمدہ ضبط تھا، تراویح میں کہیں بھولنے اور اٹکنے کا نام نہ تھا۔

مجال ہے کہ کہیں م منفصل یا متصل کی مقداروں میں تعادلات ہو جائے، غنہ کی مقدار

میں کمی زیادتی ہرگز نہ ہو سکتی۔ غرض تلاوت، لہجہ یکسانیت اور مترنم آواز میں علامہ جزیریؒ کے قول **ع** **وَالْقَظُّ فِي تَطْيِيرِهِ كَالْمِثْلِ** کا مصداق تھی۔ اور یہ وہ وصف ہے کہ لفظوں میں اس کا بیان جس قدر آسان ہے، عمل میں اس کا وجود اتنا ہی مشکل و نایاب ہے۔ اور خود اس کمال کو سمجھنے کے لئے بھی صاحب کمال ہونا ضروری ہے ہر شخص اس کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔

ایک دفعہ فرمایا کہ اکثر رمضان المبارک میں ہمیں حضرت الاستاذ قاری عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ کا حذر سننے کا موقعہ پیش آتا۔ تلافی کو یہ موقعہ بہت ہی محسوس ہوتا۔ بڑے بڑے ماہر قاری تلاوت سننے کے لئے آ موجود ہوتے تھے یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب اللہ تعالیٰ نے استاذ کی یہ وراثت، اور کمال ادا، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ کو منتقل فرمائی بلاشبہ آپ اس وراثت کے حامل اور اپنے استاذ مرحوم کے جانشین ہیں۔ تلاوت کیا تھی گویا موتی پرور ہے ہیں



قاری سرفراز احمد تھانوی

ہذا ذکر مبارک

غالباً ستمبر ۱۹۵۲ء میں فجر سے قبل ایک سرایا قرآن کی آمد کی خوشخبری سچے خواب کی شکل میں مجھے ملی تھی۔ اللہ والوں کی آمد کی خبر اللہ کے فرشتے منادی کی طرح دیتے ہیں۔ بڑے بھائی صاحب قاری اظہار احمد صاحب اولیت کے ساتھ قاری صاحب سے درس تجوید میں شامل ہو گئے۔ اُن کی زبان سے حضرت کے کمالات علمی و روحانی کئی ماہ تک سننا رہا۔ ایک روز میری زبان سے بھی آخر نکلا بھائی مجھے بھی قاری صاحب کے پاس داخل کرادیں بھی قرأت سیکھ لوں گا۔ بھائی صاحب نے اگلے ہفتے قاری صاحب سے مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور کی پہلی منزل میں مجھے لے جا کر داخلہ دلادیا۔ میں اُن دنوں میٹرک سے فارغ ہو کر اسلامیہ کالج لاہور ریلوے روڈ میں انٹر آرٹس کلاس میں پڑھتا تھا۔ قاری صاحب نے مجھے کالج جاتے ہوئے صبح کو پڑھکر جانے کی تاکید فرمائی۔ لہذا میں روزانہ صبح سویرے دارالعلوم کالج کے لباس میں ہی قاری صاحب کی خدمت میں پہنچ جاتا۔ قاری صاحب مجھے کالج کے وقت سے پندرہ منٹ قبل یعنی آٹھ بجے صبح رخصت کر دیتے تھے۔ کالج میں میرا پہلا پیریڈ روفیہ مسعود صاحب کے پاس اکنا مکس کا ہوتا تھا۔ شیخ نے مجھے کرٹ تپلون پہننے

سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ مزاحم کبھی کبھی فرماتے "بھئی میں بھی تم سے انگریزی سیکھوں گا" میں خاموش ہو جاتا۔

روزانہ نریتل میں رکوع کی مشق ہو جاتی تھی بعد میں میرا خود ہی حضرت کی غلبہ سے جلدی اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا اور کافی وقت روزانہ اور چھٹی کے دن بھی سماعت میں گزارتا تھا۔ حضرت کی تلاوت سننے سے مجھے بہت علمی و عملی بصیرت ہوتی۔ بقول

”ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی“

حضرت عرب و عجم کے مانے ہوئے ماہر و کامل استاد القراء میں شمار کئے جاتے تھے، ایک روز فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے میرے تلامذہ شاگرد نہیں بلکہ اساتذہ بکر فارغ ہوتے ہیں۔ بلاد عرب کے علاوہ کل ہند و پاک اور یورپین ممالک اور روس و امریکہ میں بھی قاری صاحب کے شاگرد موجود ہیں اور صرف خدمت قرآن ہیں۔ جو لوگ اللہ کیلئے اللہ کے کلام کی خدمت میں اپنی زندگی وقف کر چکے ہوں۔ ان کو دنیا کی شہرت و جہاد و حشم کی تمنا نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر لمحہ دہر سانس اللہ سے ہی اجر و ثواب دارین پاتے ہیں۔ اور اس طرح سے اللہ کے حضور مقبول و محمود ہوتے ہیں کہ سب وہ قرآن نمید پڑھتے ہیں تو اللہ ان کی آواز پر متوجہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقررین نریتل میں ان کا ذکر ہوتا ہے اللہ کے فرشتے ان کی تلاوت کی آواز پر اس قدر نازل ہوتے ہیں کہ نازل ہوتے ہیں کہ ان کو پردوں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔ پڑھنے اور سننے والوں اللہ کی رحمت سے سیکھتے یعنی فرحت و سکون کی بارش ہونے لگتی ہے۔

بس یہی درجہ حضرت کی تلاوت یا اپنی اسکیار آنکھوں سے دیکھا اور سنا ہے۔ آج درجہ سے راقم الحروف زندگی کی آخری ساعت یعنی اس درجہ تک پہنچاؤں گا کہ شیخ کی خدمت میں اللہ کے لئے محبت کے اصول پر ساتھ رہا ہے۔ آخری ایام ہیں

یوں جو قاری صاحب کو ضیق النفس کا غلبہ ہوتا گیا میری بھی صحت اُن کے ہمراہ خراب ہوتی چلی گئی۔ اُن کے دل کی کمزوری کا مجھ پر بار بار اثر ہوتا رہا۔ انتقال سے قبل ڈاکٹر عبد المتین صاحب نسبت روڈ لاہور میں ڈاکٹر ضیاء اللہ مرحوم کی کوٹھی کے سامنے رہتے تھے۔ اُن کو بلا کر لایا وہ گاڑی میں آئے قاری صاحب اس وقت نواں کوٹ ملتان روڈ بالمقابل قصر سخادت میں قیام پذیر تھے۔ ایک روز مجھے کمر اور سر کو مالش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بھائی میری عمر ۷۲ سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ اب جو زمانہ گزرے گا وہ اللہ کی طرف سے بطور انعام و نفع ہی نفع ہے۔ ایک اور دن گرمیوں کی شام صحن میں غسل کر رہے تھے۔ میں اپنی قیام گاہ پرانی انارکلی سے اچانک قاری صاحب کے پاس پہنچا۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اندر سے قاری صاحب کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا کہ ابھی تمہیں یاد کر رہے تھے! سبکی سمیٹ غسل کیا کرتے۔ میں نے کمر لی سر پر پانی ڈالا تو فرمایا کہ میرے سینے میں ایسے پیرے اور جواہرات علمی ہیں جو اس وقت دنیا میں نہیں مل سکتے!“

وہ قرآن مجید ہی کے کمالات و محاسن ہوں گے! اللہ کے کلام سے اعلیٰ کلام تو کسی انسان و جن کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

بقول ڈاکٹر اقبالؒ

آں کتابے زندہ قرآن حکیم

حکمت اولیٰ ایزال است و قدیم

۱۹۵۶ء و ۵۷ء میں مدینہ مسجد لاہور میں مولانا قاری محمد طیب صاحب کی

صدارت میں حلیہ لقیہ اسناد ہوا دارالعلوم اسلامیہ

لاہور پرانی انارکلی کے فارغین کے ساتھ میری بھی دستار بندی و سند کی رسم عمل میں آئی
 طلباء کو حضرت کی تحریر اور تقریر اپنی ناکید تھی کہ اللہ کے کلام کو اعلیٰ و ارفع مقام پر عطا
 و علما رکھیں۔ ذریعہ معاش کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں۔

”وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا“ پر سختی سے عمل کریں۔

قاری صاحب قلاوت کلام اللہ سے ہر وقت سرشار رہتے تھے۔ بعض اوقات سلمہ
 گفتگو میں اشارۃً طلبہ کو ترغیب دلانے کے لئے فرماتے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ ایک دن
 رات میں ایک قرآن مجید ختم کر لیتے تھے ایسے ہی حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی روزانہ
 ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ قاری صاحب کا بھی یہی عمل تھا۔ اس کی طرف بعض اوقات
 مولانا احمد علیؒ مولانا محمد ادریس صاحب جو قاری صاحب کے قریبی ساتھیوں
 میں تھے اپنی گفتگو میں اظہار فرمایا کرتے تھے۔ ان حضرات سے ملاقات کے وقت ان میں
 ساتھ ہوتا تھا۔ تو قاری صاحب فرماتے جواب میں کہ حضرت یہ تو سب آپ کا حسن ظن
 ہے۔ ایسے ہی حقوڑا بہت پڑھ لیتا ہوں۔“

جمعہ کی چھٹی کا دن میں قاری صاحب کے پاس آٹھ سال تک مسلسل کسب فیض میں گھر
 پر خدمت میں گزارتا رہا ہوں۔ مجھے بعض اوقات قاری صاحب اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے
 میں موسم گرما کی اسکول و کالج کی تعطیلات میں گھر جا کر قاری صاحب کے فرمانے
 پر صاحبزادے عزیزان منظور المنان، مرغوب الانام اور فامرد ناصر کو اسکول کی انگریزی
 حساب کی تیاری کراتا تھا۔ سب بچے شیخ کا فیض نظر کر انتہائی ذہین و نیک سیرت تھے
 آج کل سب مع متعلقین قاری ذاکر عبدالماجد صاحب کی سرپرستی میں ریاض (سعودی
 عرب) میں برسر روزگار خوش و خرم ہیں ان کی والدہ صاحبہ کا ریاض ہی میں انتقال ہوا

وہیں موفون ہیں۔ نورا اللہ مرقدہما۔

قاری صاحب کی خدمت میں رہتے ہوئے عرب مزاج و طبائع اور علوم قرآنیہ کے جو اللہ نے مجھ پر دروازے کھولے وہ میں سمجھتا ہوں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ بیشتر بزرگوں سے مجھے زندگی میں فیض ہونے کا موقع ملا ہے ہزاروں رنگ دیکھنے میں آئے لیکن جو شان ماہر قرآن کامل و اکمل بزرگ قاری صاحب میں پائی وہ یقیناً فیض نبوت کا سرچشمہ ہے۔ حضرت کے متعلق مجھے بھی کچھ اندازہ ہے اور کچھ لوگوں نے میری رہنمائی کے طور پر بتایا کہ قاری صاحب ہمہ وقت یا بیشتر وقت اور بالخصوص تدریس و تعلیم قرآن کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہی بزرگوں میں سے تھے۔ بعض مضامین قرآن کی تلاوت پر آنکھوں میں آن کے آنسو جھلکتے تھے۔ بعض اوقات سامع کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپکنے لگتے تھے۔ علوم قرآن لاریب ہیں۔ قرآن مجید اللہ کی ذات کی طرح بے مثل ہے۔ اس کے محاسن و اسرار عربی دان پر جو کھلتے ہیں وہ ہم عجیبوں کے علماء و مشائخ کو بھی واللہ العظیم متیر نہیں! قاری صاحب نے آٹھ سال تک خانہ کعبہ مکہ میں پڑھا ہے۔ فرماتے تھے کعبۃ اللہ المشرقیہ میں مینار پر چڑھ کر تہجد و فجر کی اذان بھی میں دیتا تھا۔ عادات و اخلاق عمل و علم بالکل عرب تھا۔ سنت نبوی اور قرآن پر عربوں کی طرح سے پورا پورا عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عمل عطا فرمائے۔

قاری صاحب کے شاگرد روایت حصص قراءت سبعہ اور قراءت ثلاثہ یعنی قراءت عشرہ کے اساتذہ کی حیثیت سے آج بھی مسند علوم قرآن پر مدارس قرآن و تجوید میں مدرس و مصنف قاری و مقرئ ظاہر و باطن سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قاری صاحب کی سند کا سلسلہ حضورؐ سے انتہائی آقرب شمار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر دور کے بزرگوں میں عرب و عجم میں مقبول ہیں جو تیس یا بیسویں سلسلہ میں حضورؐ سے جالتے ہیں جو آج کی دنیا میں بڑوں سے بڑوں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ قاری صاحبؒ کی قبر لاہور میں میانی صاحب کی سیڑھیوں کے بائیں جانب احاطہ مہر بکھو مزنگ میں راقم الحروف کے نشان لگانے پر تیار کرانی گئی تھی۔ بعض حضرات نواں کوٹ لاہور کے قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ نصیب یہ اس بزرگوار قاری صاحب کے لئے اس لئے پسند کیا تھا۔ لاؤہ نشیب میں واقع نننی بارش کا اور گندہ پانی وہاں جمع ہونے کا امکان تھا۔ ثانیاً قریب و جوار میں بدعتی حضرات کے کچھ مزارات تھے۔ جن پر عرس وغیرہ ہوتے تھے۔ قاری صاحبؒ اعلیٰ درجہ کے مومنانہ حضرت نور العین ثانیؒ کے عقیدت مندوں اور مولانا تھانویؒ کے ہم خیال لوگوں میں سے تھے۔ اس لئے ان کا لحاظ رکھا گیا۔

اصحاب قرآن اپنے فیض قرآن کی دیسے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ چنانچہ قاری صاحب کی قبر پر مولانا القاری سعید احمد صاحب نے جو گوجرانوالہ کے بڑے بافیض بزرگ ہوتے ہیں ایک دن صبح کو مراقبہ کیا تو معلوم ہوا کہ قاری صاحبؒ صرف تعلیم قرآن میں اور آسمان سے کچھ عرب حضرات جسے کرتے ہیں قبر پر حلقہ دارا رہے ہیں واللہ اعلم

والبشر و بالجنۃ کنتم توعدون

مجھے قاری صاحبؒ کے وفات پر زندگی میں سب بڑا صدمہ ہوا۔ اس سے قبل اپنے وطن تھانہ بھون ضلع مظفرنگر یوپی انڈیا میں مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے

انتقال کا منظر بھی اپنی کم سنی میں دیکھ چکا تھا۔

قاری صاحب کی طرح مولانا تھانوی کی بھی مجھ پر خصوصی نظر عنایت رہی تھی اور مولانا تھانوی سے میری اور مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم کی صرت آخری شب ملاقات ہوئی تھی زندگی میں باقی سب حضرات وفات کے بعد یہاں بھی اور وہاں بھی پہنچے ہیں

قاری صاحب کی نماز جنازہ پہلے نواں کوٹ لاہور میں مولانا احمد علی نے پڑھائی اور پھر قبل از تدفین میانی صاحب میں ان کے بزرگ اور صحیح جانشین صاحب کو

قاری محمد عبدالمجید ذکر کرتے جو اس وقت کراچی سے اخبار میں قاری صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر پہنچے تھے۔ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مذکورہ جانشین کو عرب و عجم میں فیض قرآنِ قرآن کا لازوال سرچشمہ بنائے اور ان کی زندگی طویل فرمائے آمین

قاری صاحب تعلیمی سال کے ختم پر شعبان و رمضان میں اکثر کراچی اپنے بڑے صاحبزادوں ایشیخ القاری الحافظ عبد الرشید غافر لکھنوی جو کراچی کے سب سے اعلیٰ طبیب حاذق اور بہترین نباض اور شاعر شعلہ بیاں ہیں اور گارڈن کراچی میں رہتے ہیں کے پاس چلے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ قاری صاحب کے اور بھی لڑکے ایشیخ عبد القادر مرحوم اور ایشیخ قاری محمد شاکر ایشیخ قاری محمد طاہر بھی کراچی میں ہوتے تھے وہاں پر رمضان المبارک میں شبینہ اور مجالس جن قرأت ہوتی تھیں۔ راقم کو جملہ حالات و قیام مذکورہ کی بذریعہ خط اطلاع دیتے اور خط میں گوناگوں نصائح فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ خط میں قاری صاحب نے مجھے لاہور لکھا کہ قرآن مجید تراویح میں ضرور سناؤ اور

اہل مسجد اگر بخوشی کوئی مالی خدمت کریں تو قبول کر لینا ایک اور خط میں لکھا کہ

فکر مادر کار ما آنا دوا

ایک مرتبہ لکھا کہ میں کراچی میں حکیم عبدالرشید غافر مذکورہ بالا کے پاس زیادہ ٹھہرتا ہوں۔ یہ بہت خوش طبع اور بہت ہی میرا مزاج شناس ہے۔ حکیم صاحب اس زمانے میں رامسوامی کراچی میں مطب کرتے تھے میں جب بھی کراچی گیا حکیم صاحب کے پاس کافی وقت گزارا۔ دیگر صاحبزادوں سے بھی ملا کرتا تھا۔ جس روز کراچی سے قاری صاحب تشریف لاتے تو میں لاہور اسٹیشن پر ان کو لینے کے لئے پہلے پہنچ جاتا تھا۔ قاری صاحب فرماتے تھے کہ سفر کا قطعاً تکان نہیں ہوا وجہ یہ تھی کہ تمام رستے ریل میں کراچی سے لاہور تک تقریباً ایک قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ ذکر اللہ اور خصوصاً قرآن مجید تو خود ہی تلب کے لئے غذا اور شفا ہے تکان کیسے ہو سکتا تھا ۱۹۵۸ء اور ۱۹۵۹ء میں قاری صاحب نے مدرسہ دارالعلوم سے علیحدہ کی اختیار کر لی۔ اور کوچہ نواب صاحب جامع مسجد دھیان شاہ مزنگ لاہور میں اپنے مدرسہ مرکزی دارالتربیل کی بنیاد ڈالی جو آج بھی موجود ہے۔ اس کے تمام ذرائع آمد و خرچ کا حساب راقم مامانہ یا سالانہ ایک سہ ماہی تک قاری صاحب کی خواہش پر اللہ کے لئے انجام دیتا رہا۔

غرضیکہ آٹھ سالہ طویل زمانہ قاری صاحب کی علمی دینی روحانی، مجلس خانگی زندگی میں طلب علم صادق میں گزرا۔ شاید کوئی ایسا جلسہ یا محفل قرأت ہوگی لاہور کی جس میں راقم ساتھ نہ ہو۔ ہر شبنم ہر مدرسہ ہر جلسہ میں مجھے قاری صاحب کی بنا پر ورام پہلے

ہی سے بتا دیتے اور میں ہر تلاوت کو سنت کے شوق میں پہنچ جاتا۔ کبھی عبد میلاد البنی کے لاہور کے جلسے تھے اور کبھی رمضان المبارک کی لیلۃ القدر کے شبنم ہوتے تھے۔ ترتیب قاری

صاحب پروگرام میں خود جیتے تھے جو ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب بلحاظ آواز و علم پہنچتی تھی۔ ایک مرتبہ قاری صاحب نے شبینہ میں اول خود مدینہ مسجد میں پڑھا اور ثانیاً میر انبر تھا۔ ایک اور جگہ ایک شب پہلے قاری عبد الماجد ذاکر صاحب نے پڑھا اور ثانیاً میں نے پڑھا۔ کبھی پہلے باری میری ہوئی اور ثانیاً قاری عبد الماجد ذاکر صاحب کی۔ مہدی مان حضرات کی موجودگی میں کمال احتیاط قرأت ملحوظ رکھنا پڑھتا تھا۔ لاہور کے بڑے بڑے پرانے اساتذہ قراء ایک پارہ قاری صاحب کی موجودگی میں پڑھنا بڑا مشکل سمجھتے تھے اور بعض تو پڑھ ہی نہ سکتے تھے۔ مولانا ادیب صاحب شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور مسجد نبیلا گنبد میں خطبہ دیا کرتے اکثر رمضان المبارک کے جمعہ کی نماز قاری صاحب و ماں پڑھتے تھے۔ مولانا مذکور نے قاری صاحب کے انتقال کے بعد ایک روز نبیلا گنبد میں نہایت صدمہ کے ساتھ فرمایا قاری صاحب کا مقام حضور کے اقرا صحابی اُبی ابن کعبؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ جیسا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا

منہم۔

آخر میں میں ناظرین کو قاری صاحب کی آخری غزل جو مارچ ۱۹۵۹ء میں قاری صاحب نے بختلص خلش کہی تھی تحریر کرتا ہوں اور قاری صاحب کا شجرہ نسب جو مجھے نقل کرنے کے لئے قاری صاحب نے عنایت فرمایا تھا نقل کرتا ہوں۔ وَمَا عَلَيْنَا الْاَبْلَاغُ الْمُبَیِّن :

نمونہ کلام قاری عبد المالك خلش مکتبہ نوئی

غزلے

جبرِ پداختیارِ پا نہ سکے
 لاکھ چاہا تمہیں مہلانہ سکے
 مسکرائے بھی اٹک بھی روکے
 تیرے غم کو مگر چھپانہ سکے

پھول بھی ہیں چمن میں کانتے بھی
 اک ہمیں آشیانہ بنا نہ سکے
 لمٹے مجبوریاں محبت کی
 حالِ دل بھی انہیں ستانہ سکے

عظمتِ زندگی وہ کیا جانے
 لطفِ طوفاں کا جو اٹھانہ سکے
 اللہ اللہ یہ سخنِ رسی اپنی
 اُن کو پا کر بھی، ان کو پا نہ سکے

عظمتِ زندگی وہ کیا جانے
 لطفِ طوفاں کا جو اٹھانہ سکے
 اللہ اللہ یہ سخنِ رسی اپنی
 ان کو پا کر بھی، ان کو پا نہ سکے

چشم گریاں غلش نہ کام آئیں
 اشک دل کی لگی سجا نہ سکے
 کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی،
 بات بگڑی ہوئی بنا نہ سکے

آخری ایام حیات میں مجھے اشارتاً ایک دن یہ شعر سنایا ہے
 میرا جذبِ دل کام آنے لگا ہے
 کوئی اب سرِ بام آنے لگا ہے
 شجرہ نسب حضرت ایشخ قاری عبدالمالکؒ

قاری عبدالمالکؒ بن جیون علی بن محمد شمعون بن
 حاجی محمد مارون بن محمد شعیب بن حبیب اللہ بن نعیم الدین بن فرید الدین -
 خلیل الدین بن سراج الحسن بن نظیر احمد بن حیدر حسین بن حسین سخیش بن عبد الرحمن
 بن محمد اشرف بن حبیب اللہ بن خلیل احمد بن مولوی مشتاق احمد بن طیب علی
 بن مظہر علی بن رفیق احمد بن کمال الدین بن ضیاء الدین بن زین الدین بن
 شرف الدین بن محمد صادق بن نور الحسن بن احمد حسن بن عبد المجید بن عبد الطیف
 بن محمد الیاس بن محمد طاہر بن عبد اللہ بن سعد بن حسین بن قاسم سوئم بن نظر
 سوئم بن قاسم دوم بن نظر اول بن حضرت ابو محمد بن عبد الرحمن بن حضرت
 قاسم نقیہ اول بن حضرت محمد بن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

احوال و آثار

حضرت مولانا قاری غلام نبی صاحب، اکوٹہ

حضرت قاری صاحب قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں استاذ القرائت والتجوید تھے۔ حلقہ درس میں تمام طلبہ ہوتے تھے حتیٰ قاری عبد الوہاب سبکی اور قاری فرید الدین اور صاحبزادہ عبد الرحمن و صاحبزادہ سعید الرحمن ابنا مرشح الحدیث مولانا عبد الرحمن کیمبلپوری اور یہ حقیر بھی۔ بنگال کے تقریباً ۲۸ طلبہ مرقات میں شریک تھے۔ تبدیلی اوقات کی وجہ سے سبق تجوید سے تعارض ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ افسوس مرقات اور قرآن کا تعارض بھی ہوتا تھا کسی نے سنا ہے۔ جاؤ آئندہ میرے پاس مت آؤ۔

اسی طرح دورہ حدیث کے ۴۰ طلبہ ہوتے تھے ۲۰ نفر ایک دن ۲۰ نفر دوسرے دن اگر تجوید پڑھتے تھے۔ بوجہ مذکور نسائی کے سبق کا تعارض ہو گیا۔ حضرت نے اپنے قلم سے اعلان تحریر فرما کر دارالحدیث کے سامنے چپاں کر دیا۔ کہ آئندہ دورہ حدیث کے طلبہ میرے پاس تجوید کے لئے نہ آئیں۔

فرمانے لگے کہ جب تک اس فن کے لئے مستقل ادارہ قائم نہ ہو تب تک اس کی اشاعت مشکل ہے۔ اسی طرح میرے ابن عقیل کے سبق کا آخر سال میں تعارض آیا۔ حضرت فرماتے تھے کہ تجوید کے لئے تمہیں ضرور میرے پاس آنا ہونا ہو گا۔ حضرت نبوری فرماتے تھے کہ ابن عقیل کا سبق تم پر فرض ہے اگر ناغمہ کر دو گے تو مدرسہ سے نکال دلاں گا اس وقت حضرت مولانا لے اب وصال فرما چکے ہیں۔

بدر عالم ناظم مدرسہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے اور حضرت بنوریؒ ناظم مقرر ہوئے تھے یہ غریب طالب علم درمیان میں پریشان تھا۔ کسی دوست نے مشورہ دیا کہ صدر صاحب کو درخواست دیدہ چنانچہ میں نے درخواست صدر صاحب کو پیش کی۔ حضرت صدر نے فرمایا کہ کل دفتر مدرسہ میں آکر فیصلہ کر دوں گا۔ دوسرے دن چپڑا سی آیا کہ حضرت صدر مولانا عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ دفتر میں بلاتے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حضرت بنوریؒ بھی موجود تھے۔ باوجودیکہ وہ حضرت صدر کی قدر استاد شاگرد جیسے کرتے تھے۔ لیکن چونکہ جلالی تھے تو بلا اختیار غصہ میں آگئے کہ ابن عقیل ضرور بڑھو گے یا مدرسہ سے چلے جاؤ گے۔ حضرت صدر محترم نے فرمایا کہ درخواست لکھ دو جس سبق کو اپنے مرضی سے ترجیح دیتے ہو تو وہ بھی لکھ دو میں نے لکھ دیا کہ میں قرآن کو ابن عقیل پر ترجیح دیتا ہوں۔

حضرت صدر صاحب نے فیصلہ تحریر فرمایا کہ یہ طالب العلم ابن عقیل کے سبق سے معاف ہے اس کی جگہ تجوید پڑھے۔ حضرت بنوریؒ مجھ سے تو ناراض ہو گئے بلکہ مزید برآں وہ حضرت شیخ القرآنؒ سے بھی اسی بنا پر ناراض ہو گئے۔ رمضان کے مبارک مہینہ میں میری مسجد کے نازیوں نے اصرار کیا کہ حضرت قاری صاحب ہماری مسجد میں تداویع پڑھائیں۔ حضرت نے انکار فرما دیا۔ معلوم ہوا کہ اگر صدر محترم سفارش فرمادیں گے تو حضرت قاری صاحب مان جاویں گے۔ کیونکہ وہ دونوں آپس میں بڑے دوست ہیں اور ان کے آپس میں بے حساب تعلقات ہیں۔ چنانچہ مقتدی لوگ حضرت صدر کے پاس گئے اور ان میں مسجد کے بانی اور مدرسہ کی زمین کے وقف کرنے والے حاجی سوار خان مرحوم بھی تھے تو حضرت صدر محترم خود بنفس نفیس حضرت قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفارش فرمائی۔ چنانچہ

حضرت قاری صاحب نے مندرجہ ذیل شرائط لگادیں۔

۱۔ روزانہ ایک آدمی مجھے لینے آجاوے

۲۔ وقت نماز میرے اختیار میں ہو۔

۳۔ رفتار تلاوت میرے اختیار میں ہو۔

۴۔ تاریخ ختم قرآن میرے اختیار میں ہو۔

۵۔ بموقع ختم قرآن کوئی رسم وغیرہ نہ ہو۔

۶۔ راستہ میں روشنی کے لئے لال ٹین بھی ساتھ ہو۔

۷۔ مقدار تلاوت بھی میرے اختیار میں ہو۔

چنانچہ تمام شرائط منظور ہو گئیں۔ حضرت تیار ہوئے۔ حسن اتفاق کہ حضرت بنوری بھی اسی محلہ میں مکان کرایہ پر لے کر سکونت پذیر تھے۔ شب اول سے وہ بھی مقتدیوں میں شامل ہو گئے۔ انداز تلاوت۔ طریقی ادا۔۔۔ ہجراتنے دلکش ہوتے تھے کہ ہر انسان فریفتہ نظر آتا تھا۔ ایک سکون اور خاموشی کا منظر تھا۔ چنانچہ ۱۵ رمضان کو ختم فرما کر فرمایا کہ بھائی قاری عبدالحق صاحب کی استدعا پر مجھے سہارنپور جا کر دواں نژادیرج میں شریک ہوتا ہے۔ سادگی کیساتھ دعا ہوئی۔ بعدہ فوراً حضرت بنوری کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ میں نے نو سال مصر لبنان میں گناہا کیے۔ عربیت کے ذوق سے میں خوب واقف ہوں۔ حضرت قاری عبدالملک صاحب نے قرآن کو قرآن کے معراج کے مطابق ہی ہمیں سنایا ہے۔ اگر بنوری کا علم آپ لوگوں کے دماغ میں ہوتا تو ہم آپ لوگوں کو بچہ چٹا کہ قاری صاحب نے کس طرح قرآن پڑھ کر سنایا ہے کہ ان کے ہجرات اور آواز قرآن کے مضامین کے مطابق ہوتے تھے یعنی استفہام، نہی، نفی، بشارت، ترغیب، ترہیب وغیرہ وغیرہ کے مطابق یعنی ذوق و مزاج قرآنی میں پڑھ کر ہمیں سنایا۔ چنانچہ

اس دن کے بعد تمام دل نشکنی اور ناراضگیاں ختم ہو گئیں۔ بلکہ مجھ سے بھی حضرت نورانی خود بخود راضی ہو گئے۔

حضرت قاری صاحب میرے اس تصحیحی ذہن کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ اب تعطیلات میں تم گھر آ کر مجھے حدر میں قرآن سناؤ چنانچہ تین مرتبہ انفرادی طور پر اول سے آخر تک اس فقیر سے قرآن پاک سنا۔ اور فرمانے لگے کہ یہ کتابیں میں تم کو دیتا ہوں تم میری طرف سے مجاز ہو۔ لیکن حضرت کی اس شفقت نے جدائی کو مشکل بنا دیا۔ چنانچہ لاہور سے ایک مہتمم ٹنڈوالہ بار تشریف لائے۔ قاری صاحب کو اصرار کیا کہ قراءات ہی کا مدرسہ ہے اور سب اختیارات آپ کے ہوں گے۔ لہذا میرے مدرسہ میں تشریف لادیں۔ چونکہ حضرت قبل ازیں فرما چکے تھے کہ درس نظامی کے ضمن میں تبعا اس فن کی اشاعت مشکل ہے جب تک مستقل ادارہ اور مستقل ماحول نہ ہو یہ کام مشکل نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت لاہور کے لئے تیار ہو گئے۔ تلامذہ میں سے یہ حقیر بھی ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ طلبہ نے کہا کہ کتابوں کو درمیان میں چھوڑ کر جاریا ہے۔ میں نے رفقائے سے کہا کہ درس نظامی کے اساتذہ اب تک مجددِ تعالیٰ بہت ہیں۔ لیکن فن تجوید و قراءات کی یہ ایک ہی شخصیت نظر آتی ہے۔ لہذا سکوان سے حاصل کر کے بعدہ درس نظامی کی تکمیل کرو گا۔ چنانچہ مجھے دیکھ کر دو ساتھی اور بھی تیار ہو گئے۔

۱۔ قاری محمد اسلم افغانی مرحوم

۲۔ قاری راز محمد قندھاری جو کہ حافظ عالم فاضل حکیم بھی تھے۔ اب تک حیات میں۔ لاہور جب گئے تو مدرسہ کی طرف سے کوئی انتظام نہیں تھا۔ چند دنوں تک ان تین مسافروں کو علی الصبح گھر بلا کر اپنی ذاتی چائے ناشتہ میں شریک فرماتے تھے

بعدہ مدرسہ والوں نے برائے نام انتظام کیا۔ لیکن مدرسہ میں تنگی کی وجہ سے اور مسجدوں میں امتناع کی وجہ سے ہم جا کر قبرستان میں مشق کرتے تھے۔ مدرسہ کے افتتاح پر بہت سے علماء اور قراء حضرات موجود تھے۔ زیادہ قابل حضرات مفتی محمد حسن خلیفہ اعظم حضرت تھانویؒ اور حضرت سحر العلوم مولانا الحلج الحافظ محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت الحاج الفارسی فضل کیم صاحب تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت قاری صاحب۔ اس مدرسہ کا افتتاح میرے بچہ مولوی عبدالرحمن سے کرادیں۔ یعنی اول سبق اسکو پڑھادیں۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب نے پہلے سبق صاحبزادہ کو پڑھایا۔ بعدہ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ آج کے بعد تجوید پڑھنے کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ آیا کرے گا۔ کچھ دنوں کے بعد صاحبزادہ نے کہا کہ حضرت میرے اس گھنٹہ میں مشکوٰۃ کا سبق ہے۔ لہذا تجوید کے لئے کوئی وقت میرے لئے مقرر فرمادیں۔ فرماتے لگے کہ مشکوٰۃ اور قرآن کا تعارض ہو نہیں سکتا ہے۔ لہذا اس کے بعد تم میرے پاس مت آنا۔ چنانچہ صاحبزادہ مذکور آج تک اس فن سے محروم رہ گئے۔ فرماتے تھے کہ بخاری شریف کا بھی قرآن سے تعارض نہیں ہو سکتا ہے جامعہ شریفیہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں حضرت کے خصوصی شاگرد قاری عبداللہ کابلی کو منتظیلین نے تلاوت کے لئے کہا۔ چنانچہ اس بچہ نے تلاوت کی۔ دوسرے دن جب عبداللہ کابلی سبق کے لئے آیا تو حضرت قاری صاحب فرماتے لگے کہ ایک جاہل نعت خوان کو مدارس واسطے پیش دعوت نامہ ارسال کرتے ہیں۔ بعدہ اس کا نام بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ پھر اسکو دو طرف کا کرایہ بھی دیتے ہیں۔ بلکہ مزید خاطر داری بھی کرتے ہیں۔ تو کیا قرآن کا قاری نعت خوان سے بھی کم ہے کہ عین وقت پر بچے کی طرح اسکو بلا کر اپنے جلسہ کی رونق بنایا جاتا ہے۔ تم نے کیوں تلاوت کی۔ تم نے قرآن کی بے عزتی کی ہے تم نااہل ہوا۔

نا اہل کو میں نہیں پڑھاتا۔ جاؤ۔

چنانچہ وہ خصوصی شاگرد جو کہ کھنوسے حضرت کے شوق پر آیا تھا۔ تین چار دنوں تک روتا رہا۔ بعدہ معاف فرما کر سبق جاری کر دیا۔

مولانا سعید الرحمن بن مولانا عبدالرحمن صاحب کیمیلپوری سال کے اواخر میں اکوڑہ ٹھک سے لاہور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ملاقات کے بعد عرض کرنے لگے کہ حضرت والد کے حکم پر آیا ہوں کہ ایام تعطیلات میں مزید استفادہ کروں۔

قدیمی شاگرد بھی تھے اور دوست کے فرزند بھی۔ لیکن فرمایا کہ عمدہ اوقات کتابوں میں لگا کر فضول اور زائد اوقات کو قرآن کے لئے لے کر آئے ہو۔ میرے پاس ایسوں کیلئے وقت نہیں ہے۔ چنانچہ صاحبزادہ واپس چلے گئے۔

ایک دن صدر مسلم لیگ مدرسہ کے معائنہ کے لئے آئے۔ جب مدرسہ کے دروازہ پر آنے کی خبر ملی تو پہلے سیدھے تشریف فرما پڑھا رہے تھے۔ اس اطلاع کے بعد تکیہ لگا کر پڑھانے لگے کہ یہ اس لئے تاکہ وہ دنیا دار یہ خیال نہ کرے کہ یہ انتظار میں اور میری تعلیم کے لئے بیٹھا ہوا ہے۔

فرماتے تھے ایک عالم کہتے ہیں کہ قاری عبدالملک مشکبر ہے۔ افسوس کہ بعض علماء کو اب تک کبر اور استغناء کی تینڑی نہیں ہے۔

بے علم شاگرد کو۔ روایت حفصؓ کی سند بھی نہیں دیتے تھے ہاں بوقت ضرورت تصدیقی نامہ تحریر فرما کر دے دیتے تھے۔

روایت حفصؓ کے فارغین اگر صحیح معنی میں صرف و نحو سے واقف نہیں ہوتے

تہ سبب عشرہ میں ان کو شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ قاری امیرالدین امام جامع

مسجد واپڈالاہور نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ لیکن حضرت نے انکار فرمادیا۔
 جب کوئی پڑھا ہوا قاری استفادہ کے لئے آتا تھا تو پہلے اس کی نفس کشی فرماتے
 تو پھر اس کو اپنے شعبہ میں اجازت دیتے تھے۔ قاری عبدالقادر صاحب بہاولپوری جب
 آئے تو قاری قاسمی کراچی والے کے لہجہ میں تلاوت کرتے تھے تو فرمایا غلام نبی اس کو
 اتباری مشق کرا دو۔ چنانچہ مفردات کی مشق اس کو کرائی کہ سورۃ فاتحہ اور معوذتین پڑھا
 کہ بعدہ حضرت نے بلالیا فرمایا کہ قاسمی کے لہجہ کو بھول جاو ورنہ نہیں پڑھاؤں گا۔
 چار چیزوں کے سخت مخالف تھے ریڈیو پر تلاوت

۲۔ تراویح پر اجرت

۳۔ شرکت مقابلہ حسن قرأت

۴۔ گھروں میں جا کر ٹیوشن پڑھانا۔

مجھے تیرا پتہ نہیں تھا۔ حضرت تھانوی تو میرے شیخ ہیں۔ جاؤ آج کے بعد مت آنا۔
 خورد و نوش۔ لباس میں تعاست مزاج میں نزاکت رکھنے میں اپنے نظیر آپ تھے

فرماتے تھے کہ ایک غلط صبح شکوہ شام تک سر میں درد رہتا ہے۔

جب کسی مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کا موقع ہوتا تو بالکل آخری صف میں
 بہت دور شریک ہوتے تھے فرماتے تھے کہ غلط قرآن سن کر پریشان ہو جاتا ہوں۔
 میری نماز میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

اگر ان کا لالعلی میں مٹی کے تیل کے سلٹوپ پر چائے بنا کر پیش کی جاتی سمجھی تو فوراً
 فرماتے تھے کہ اس چائے میں مٹی کے تیل کی بو ہے۔

جب حضرت لاہور سے جی کی اسٹوڈنٹس کی اسٹوڈنٹس کی اسٹوڈنٹس کی اسٹوڈنٹس کے سالانہ امتحان کے

تشریف لے جاتے تھے تو یہ خادم ساتھ ہوتا تھا۔ نماز کے وقت حضرت الہادیؑ فرماتے تھے کہ آپ کی نماز دوسروں کی اقتداء میں صحیح نہیں ہوتی۔ لہذا آپ ہی نماز پڑھا میں۔ واپسی کے وقت تانگہ منگوا کر حضرت قاری صاحب کو سوار کرتے تھے اور خود کھڑے رہتے تھے آپس میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا تھا تو معتقدین اور مریدین حیران ہوتے تھے کہ یہ کون ہیں جن کی اتنی عزت اور احترام حضرت فرماتے ہیں۔

قاری نتج محمد صاحب مظلہ، غنایات رحمانی شرح شاطبیہ کی تالیف کے دوران اکثر بذریعہ خط و کتابت مشکل مسائل کے حل دریافت فرماتے تھے۔ جب کبھی لاہور آتے تھے تو حضرت قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر فرماتے تھے کہ حضرت میں پڑھتا ہوں آپ میری اصلاح فرمادیں۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب بے تکلفی سے اصلاح فرماتے تھے اور ان کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دیتے تھے کہ آپ حروفِ مفحیہ کی ادا کے وقت ہونٹ گول کرتے ہیں۔ جب کہ ان کی ادائیگی میں ہونٹوں کو دخل نہیں ہے۔

مولانا حامد میاں وغیرہ علماء بھی استفادہ کے لئے آتے تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب گوجرانوالہ والے جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ کے بعد ایک ہفتہ قیام فرما کر روضۃ حضرت سے سورۃ ناتھ کی مشق کرتے تھے۔ لیکن الحمد کے آل سے آگے نہیں گذر سکتے تھے۔ ربا وجود یکے حضرت شیخ الہند کے خصوصی شاگردوں میں تھے، آخری دن صاف رونے لگے اور فرمانے لگے کہ افسوس تمام عمر درس نظامی کے پڑھنے پڑھانے میں گذاری لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک آل مجھے نہیں آتا ہے۔ اسی حسرت میں واپس گھر جا کر بیمار ہو کر انتقال فرما گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قاری صاحب کے کتب خانہ میں نادر کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ موجود تھیں۔ خصوصاً شرح جعبری علی الشاطبہ اور شرح درہ اور وغیرہ۔ وجہ عدم تالیف کتب۔ فرماتے تھے کہ اس فن میں کتب کافی موجود ہیں۔ لیکن عمل مفقود ہے۔ یعنی صحیح تلاوت، تو اسی وجہ سے میری توجہ اس عمل کی طرف زیادہ۔ حضرت کے اہل و عیال سب کے سب قاری تھے۔ خصوصاً قاری محمد شاکر انور جو اکثر و بیشتر حضرت کے معادن مدرس بھی ہوتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے کہ شاکر کے پڑھنے میں عربیت ہے۔

علی الخصوص۔ ایشخ فی الشبَاب عزیز محترم قاری عبد الماجد ذاکر کہ حضرت انکو خصوصیت سے مشق کرتے تھے بلکہ الفاظ کے علاوہ ہجوں کی بھی مشق کراتے تھے۔ حضرت کو ان کے ساتھ بے حد محبت تھی۔

حضرت نے تقسیم کے بعد تین مرتبہ تراویح پڑھائی۔
۱۔ کراچی میں ناظم الدین کے زمانہ میں یہ بھی مقتدی تھے یعنی ناظم الدین مرحوم گورنر جنرل پاکستان کی رہائش گاہ پر جہاں وہ خود بھی اور ان کی کینیٹ کے جملہ اراکین وغیرہ بھی موجود ہوتے تھے۔

۲۔ ٹنڈوالہہ کی جس مسجد میں یہ راقم پیش امام تھا۔ یعنی حاجی سوارخان محرم کی مسجد میں۔

۳۔ مدینہ مسجد چوک پراخی انارکلی لاہور میں، اس موقع پر پنجاب کے بڑے بڑے حفاظ اور قراء اپنی اپنی مسجدوں کو چھوڑ کر حضرت کا قرآن سننے کے لئے لاہور آئے تھے۔ ایک عجیب منظر تھا۔ دوران تراویح میں بریلوی طبقہ کے حفاظ آکر دروازہ پر کھڑے

ہو کر بڑے زور شور سے غلط لقمے دیتے تھے تاکہ حضرت کی بدنامی ہو جائے۔
لیکن ناکام ہو کر واپس جاتے تھے۔ حضرت فرماتے کہ میں جب قرآن شروع کرتا ہوں
اور مجھے کسی چیز کا پتہ نہیں ہوتا۔ صرف روایات مختلفہ کے مشابہات کبھی کبھی عارضی
ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت ہمیں روایات کے حافظ تھے۔

بعضے ناقابل برداشت چند اسباب کی بنا پر حضرت قاری صاحب دارالعلوم
انارکلی سے مستعفی ہو گئے۔

اس وقت راقم جامع مسجد باغیچہ نواب بہاولپور لٹن روڈ لاہور میں امام و خطیب
تھا۔ فرمایا کہ اپنی مسجد کے صدر ملک محمد نادر مرحوم کو میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ ملک صاحب
کو لے کر سعدی پارک مکان پر حاضر ہوئے تو حضرت نے صدر مسجد سے فرمایا کہ مجھے
صرف کام کرنے کے اجازت ہو مسجد میں ملک صاحب نے فرمایا کہ اس سے بڑھکر اور
کیا خوش قسمتی ہمارے لئے ہو سکتی ہے کہ آپ ہماری مسجد تشریف لادیں لیکن آپ کو
مدرسہ والے واپس مجبور کر کے لے جا دیں گے۔ فرمایا نہیں نہیں چنانچہ مسجد مذکور میں
مرکزی دارالتربیت مدرسہ قائم فرمایا۔ (جو کہ اب تک قائم ہے)، اس وقت چند نالائق
شاگرد بھی مقابلہ میں آئے (نام لینا مناسب نہیں ہے) دوسرے سال کراچی سے مطالبہ
آیا کہ نانک واڑہ میں صرف قراءت ہی کا مدرسہ قائم کیا جائے گا۔ اور حضرت وہاں
تشریف لادیں۔

چنانچہ حضرت وقتی طور پر تشریف لے گئے یا راقم کو فرمایا کہ اس مدرسہ کی تمام ذمہ داریاں
تم پر ہوں گی۔

سبعہ و عشرہ کے اسباق بھی تمہارے ذمے ہوں گے حضرت کے اپنے چند

مشہرت پسند شاگردوں کی وجہ سے حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے تھے تو میں نے حضرت کو بار بار خطوط تحریر کر کے اصرار کیا کہ حضرت آپ اپنا یہ ارادہ ملتوی فرما کر واپس تشریف لادیں کہ حالات خراب معلوم ہو رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت واپس لاہور تشریف لے آئے اور آخری دم تک اسی مسجد میں پڑھاتے رہے۔ آخری دن ایک بجے تک پڑھاتے رہے بعد گھر تشریف لے گئے۔

دوسرے دن علی الصباح بعد نماز فجر میں میانی قبرستان کی طرف گیا تھا کہ نواں کوٹ کی مسجد کے رہنے والا طالب علم قاری خیر محمد آیا کہ رات کو حضرت قاری صاحب کا وصال ہو چکا ہے۔ میں تو یہ سن کر حیران ہو گیا۔ دماغ بالکل ہی معطل ہو گیا۔ جو اس خراب ہو گئے۔ فوراً آستانہ پر حاضر ہوا۔ پردہ کا انتظام ہو گیا۔ اندر گیا تو حضرت چارپائی پر آرام فرما رہے۔ المنع انکریہ شرح مقدمہ جزئی یکبہ کے ساتھ رکھی ہوئی ہے۔ اور تسبیح بھی موجود ہے۔ گھروالوں سے معلوم ہوا کہ تمام معمولات مطالعہ تہجد اور وظائف قارئین ہو کر آرام فرما رہے تھے کہ طبیعت قدرے ٹھیک نہیں ہے۔ بس اسی آرام میں دارالبقار کی طرف رحلت فرما چکے ہیں غسل میں یہ راقم شریک تھا۔ بدن بالکل روئی کی طرح نرم چہرہ پیشانی اسی طرح شفاف یعنی بالکل ہی زندہ معلوم ہوتے تھے۔

جنازہ کے وقت بڑے بڑے اکابر موجود تھے ہر ایک کا یہی تقاضا تھا کہ حضرت قاری صاحب کی نماز جنازہ میں پڑھاؤں۔ مثلاً حضرت استاد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ۔ اور خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق صاحب زیادہ

قابل ذکر ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا فن آیا ہے کہ انتظار کرو میں خود اگر قاری صاحب کا نماز جنازہ پڑھاؤں گا۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ کثرت لائے۔ صفت بندی ہوئی بقول قاری محمد شاکر صاحب۔ حضرت لاہوریؒ فرمایا کہ قاری صاحب کا مقام بہت بلند ہے۔ میں کس طرح ان کی نماز جنازہ پڑھاؤں۔ بہر حال نماز کے بعد جنازہ کو لے کر میانی قبرستان کی طرف رخ ہوا۔ وہ ہجوم اور منظر عجیب تھا اس شاہراہ کی ٹریفک معطل ہی نظر آتی تھی۔ جیب قبرستان کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قاری عبد الماجد ذکر جو کہ اس وقت جامعۃ العلوم الاسلامیہ لاہوری ٹاؤن میں زیر تعلیم تھے، پہنچ چکے ہیں۔ دوبارہ جنازہ ہوا۔ جس کی امامت انہوں نے کرائی۔

بعدہ بصد حسرت اس امام الفن اور مقرر الزمان اور شاطبی العصر اور جزری الادوان کو آخری آرام گاہ میں سپرد کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔
بعدہ قاری محمد شاکر انور نے کافی اصرار فرمایا کہ حضرت کا قائم مقام ہم تمہیں مقرر کریں گے جیسے کہ زندگی میں ان کے عمل و اشارات سے معلوم ہوتا تھا۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔ بعدہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بِاتِّفَاقِ اَہْلِ عَزِیزِہِ محترم قاری عبد الماجد ذکر صاحب کا انتخاب ہو گیا وہ سال گذار کر بعدہ یہ راقم سفر حرمین پر روانہ ہو گیا۔ وہاں حرم میں حضرت حافظ الحدیث والقرآن مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ نے فرمایا کہ میں نے استخارہ کیا ہے۔ بلوچستان میں کام کی اشد ضرورت ہے لہذا تم بلوچستان جاؤ۔

میں نے کہا کہ حضرت قاری صاحب گھروالے اور بچے نہیں اجازت دیں گے بعدہ واپسی ہوئی۔ پاکستان آنے کے بعد حضرت درخواستی صاحب کے خطوط بار بار آتے رہے میں غاموش رہا۔ پھر حضرت خود لاہور آئے میں قاری ذکر دونوں اسٹیشن پر گئے تو حضرت غصہ میں تھے

کہ میں نے کوئٹہ والوں سے وعدہ کیا ہے۔ اب یہ اگر نہیں جائے گا تو میں وعدہ
خلاف ہو جاؤں گا۔ فرمایا میں تمہارے مدرسہ میں نہیں آتا ہوں ناراض ہو کر ہوٹل میں فرمایا
مجھے فرمایا کہ ایک استغنیٰ مسجد والوں کو پیش کرو اور ایک استغنیٰ مدرسہ والوں کو
اور تیار رہنا۔ جب میں خانپور سے پیغام بھیجوں گا پھر تم لاہور سے روانہ ہو جانا۔ چنانچہ
بعد شکل دونوں استغنیٰ منظور ہو گئے۔

چند دنوں کے بعد حضرت کا پیغام آیا کہ فلاں دن کی گاڑی پر روانہ ہونا چنانچہ تاریخ
مقررہ پر لاہور سے رخصت ہو کر بذریعہ گاڑی روانہ ہوا۔ جب خانپور اسٹیشن پر پہنچا تو
حضرت حافظ الحدیث اور جناب مولانا محمد علی جالندھری دونوں اسی گاڑی میں سوار ہو گئے
اسی طرح کوئٹہ پہنچ کر بذریعہ الحاج ایس پی فضل محمود خان خاکوافی رجو کہ اس وقت ملازمت
سے سبکدوش ہو کر خانقاہ کنڈیاں میں سلوک نقشبندیہ کے مقامات طے کر رہے ہیں اس
مدرسہ کا افتتاح کیا گیا۔

نوٹ: اردو بھی غلط ہے۔ اور طریق تحریر بھی بیس سال کی یہ بات ذہن سے نکل
کر تحریر میں آ رہی ہے۔ زیادتی نقصان کا احتمال ہے۔ میں خدا اور خداوند کریم کے بندوں
سے معافی اور عفو کا طلب گار ہوں۔

علامہ النبی خادم مرکزی تجوید القرآن سر کی روڈ
کوئٹہ بلوچستان پوسٹ بکس نمبر ۱۰۰

لے افسوس کہ اس تحریر کی وصولیابی کے چند دن بعد ہی حضرت کے یہ معتمد ترین شاگرد بھی اللہ کو
پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

مولانا حامد میاں صاحب

امام المجدوبین رئیس المقدسین مجددیننا المحترم حضرت

مولانا قاری عبدالماکین نور اللہ مرقدہ

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف مجھے لاہور ہی میں حاصل ہوا ہے۔ اس سے پہلے آپ کی شہرت ہی سنتا رہا تھا۔ جن اساتذہ کبار سے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کی شہرت کو چار چاند لگے۔ ان میں آپ سرفہرست ہیں۔

جب میری پہلی ملاقات ہوئی اس وقت آپ علم ظاہری کے امام تھے اور وہی اوصاف غالب تھے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر تبدیلی آئی کہ یوں لگتا تھا کہ جیسے شخصیت ہی بدل گئی ہے۔ علم و تواضع کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ ذکر و فکر کی طرف توجہ ہونے لگی۔ اور آپ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ذکر میں شرکت فرمانے لگے۔

اہل اللہ سے عقیدت تو یقیناً پہلے سے تھی جن میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت نمایاں تھی۔ کیوں کہ پہلی ملاقات میں معلوم ہوا کہ آپ حضرت کے مزار اقدس پر آپ کے عرس میں شرکت کے لئے جانے والے ہیں۔

رائے پور سے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری تشریف لاتے تو ان کے پاس برابر حاضر ہوتے۔ لاہور میں حضرت کا قیام اگرچہ کافی کافی طویل رہا ہے۔ لیکن آپ پھر ہندوستان رائے پور تشریف لے جاتے تھے۔ اس لئے وہ تڑپ آپ

کو پھر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لے جاتی تھی یہ سعادت ذکر و فکر
سنونے پر سہاگہ تھی۔ اور گویا قرآنی نظم کا باطن پر اثر روز بروز تقویت پذیر ہوتا جا رہا تھا۔ اور
یوں آپ امامت تجوید کے ساتھ شغل باطن جمع ہو جانے سے اور بھی قابل رشک بن گئے تھے
طلبہ کی تربیت کے حق میں آپ قدسے سخت تھے، اتنے کہ طلبہ بھاگیں بھی نہیں۔
اور پوری محنت کریں۔ اس سے سب طلبہ کی کیفیت یہ رہتی کہ گویا وہ ہیبت سے لڑتے
رہتے تھے۔ ان کی پوری استعداد علی حسب مراتب کھل کر سامنے آ جاتی تھی۔

ہمارے اکابر میں یہ وسعت قلب جلی آرہی ہے کہ وہ بلا تفریق ہر طبقہ کے طلبہ کو
علوم سکھاتے ہیں اور درسگاہوں میں اختلافی باتوں کا ذکر نہیں ہوتا۔ اس لیے ہر طبقہ فکر کے
لوگ آپ سے بھی پڑھتے رہے ہیں۔ چنانچہ آج کے قاری غلام رسول، قاری خوشی محمد
سب ہی اعلیٰ پڑھنے والے آپ کے پاس برسوں مشق کرتے رہے ہیں اور محمد عمر صاحب
اچھروی کے صاحب زادے جامعہ اشرفیہ کے طالب علم رہے۔ لیکن شاید یہ لوگ اپنے اساتذہ
کا نام لیتے ہوئے بھی شرماتے ہوں گے۔ مگر وہ بندی کے جذبات انہیں دور کھینچے لیے جا رہے
ہیں۔ ان کے لیے دونوں راستے کھلے ہیں جو چاہیں اختیار کریں۔ بہتر ہو کہ اس آیت کا مصداق
نہ بنیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا

اس وقت لاہور میں سب سے زیادہ آپ ہی کے شاگردوں کا فیض ہے۔ تجوید
اور روایات سبعہ و عشرہ کے مسلمہ اساتذہ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ حالانکہ لاہور میں تو آخری
زمانہ کے چند سال ہی گزرے ہیں۔

طلبہ میں آپ سے علم حاصل کرنے کے شوق کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ جناب
محترم مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد

المدنی رحمہ اللہ فیض باغ سے پرانی انارکلی پیدل آتے تھے (وہ عمر میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے قریب تھے) حضرت مولانا رسول خاں صاحب کے ابتدائی دور کے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ کے شاگرد تھے۔ غالباً سترہ میں وہ لاہور آگئے تھے۔ حضرت مولانا رسول خاں صاحب کو طب کی کتابیں پڑھنے کا شوق ہوا تو آپ نے یہ کتابیں مولانا عبدالحکیم صاحب سے پڑھیں۔ جب ان کی عمر ستر سال کے قریب ہوئی تو امام المجددین حضرت مولانا قاری عبدالحاکم صاحب سے تجوید اور پھر سب سے عشرہ کی تکمیل کا شوق ہوا۔ حکیم صاحب فرماتے تھے کہ انہوں نے اس عرصہ میں فقط دو غیر حاضریاں کی ہیں۔ ایک دفعہ تو اسٹیشن تک پہنچے تھے کہ شدید بارش آگئی اور وہیں وقت گزر گیا۔ دوسری دفعہ بھی کوئی عذر پیش آیا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اس قصہ سے ایک طالب علم بہت سے سبق حاصل کر سکتا ہے اور اس عرصے میں نے مختصر لوہا واقعہ لکھا ہے، انہیں حضرت قاری صاحب سے اور حضرت قاری صاحب کو ان سے ایسا تعلق رہا کہ وہ ہر جمعہ کو ان سے ملنے ہمیشہ جاتے رہے۔ جمعہ کی صبح کو وہ فیض باغ سے نواں کوٹ پہنچتے حضرت قاری صاحب اپنے ناشتہ میں سے ان کے لیے بچا کر رکھ دیا کرتے تھے۔ وہ انکو عنایت فرماتے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ

آپ کو اس چیز سے سخت کراہت تھی کہ تلاوت کے وقت طالب علم کسی قسم کا منہ بنائے یا پیشانی پر بل ڈالے۔ ان کی ابتدائی تربیت ہی میں ان عادتوں کی بھی اصلاح کر دی جاتی تھی اور جب وہ پڑھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ بے تکلف پڑھ رہے ہیں۔ تجوید میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے ہم پلہ بہت ہی کم اساتذہ ہوں گے۔ انہیں خدا نے وہ ملکہ بخشا جس نے انہیں ملک التجوید بلکہ امام علم تجوید بنا دیا تھا۔

میں نے تقریباً دس سال حضرت مولانا القاری المقری محمد عبداللہ صاحب تھانوی رحمہ اللہ سے تجوید کی مشق کی اور وقفہ وقفہ سے کبھی کبھار سات آٹھ بار حضرت مولانا قاری عبدالحماد صاحب رحمہ اللہ سے مشق کی۔ مجھے انہوں نے ازراہِ کرم اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ جس دن وقت نلے آجایا کر دوں۔ وہ جب دوسرے تلامذہ کی اصلاح فرماتے تھے تو مجھے اس سے بھی بہت فائدہ ہوتا تھا۔

حضرت مولانا قاری عبدالحماد صاحب کی خوش قسمتی تھی کہ ساری عمر تا وفات علومِ قراءت و تجوید کی تعلیم میں بسر ہوئی اور بعد میں دیگر تلامذہ کے علاوہ ان کے صاحبزادگان گرامی ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں خصوصاً جناب قاری محمد شاکر صاحب اور ان سے چھوٹے مولانا قاری عبدالحماد ذاکر دونوں حضرات قرآنِ کریم کی خدمت میں مصروف ہیں۔

تقبل اللہ منہم



شیخ القراء و اتاذ العلماء حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ

احقر نے حضرت قاری صاحب قدس سرہ العزیزہ کو سالہ ۱۹۵۲ء تا سالہ ۱۹۵۶ء لاہور کی علمی مجالس میں بار بار دیکھا ہے لاہور میں میرا یہ تعلیمی دور تھا۔ جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسوں میں جہاں ملک بھر کے اکابر علماء کا اجتماع ہوتا تھا۔ وہاں حضرت قاری صاحب مرحوم کو اکابرین دین کی صفوں میں دیکھنے کے لئے طالب علمانہ جذبے کے ساتھ حضرت سے قرآن پاک سننے کے لئے شوق و ذوق کا عجیب سماں ہوتا تھا۔

بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم ان علمی جلسوں میں حضرت قاری صاحب مرحوم کو نہایت اہتمام کے ساتھ بلایا کرتے تھے۔ میں نے اپنے تعلیمی دور میں چند ماہ حضرت قاری صاحب کے بڑے صاحب زادے حضرت قاری محمد شاکر صاحب سے آخری پارہ (تقریباً نصف کی مشق کی تھی چنانچہ میرا امتحان حضرت قاری عبدالمالک صاحب ہی نے لیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے سورۃ والشمس آپ کو سنائی تھی۔ میں نے وَ اَنۡتَہَاۤیَ اِذَا حِثَّہَا پر وقف کر دیا۔ تو حضرت قاری صاحب نے فرمایا بھائی کو لسی کتابیں پڑھتے ہو؟ میں نے ہدایہ و سلم العلوم وغیرہ کا نام لیا تو فرمانے لگے کہ وقف کرنا تھا تو وَ اَلۡقَمَرِ اِذَا تَلَّہَا پر کرتے اور اگر آگے ہی پڑھنا تھا تو وَ اَنۡتَہَاۤیَ اِذَا حِثَّہَا کے بجائے وَ اَلۡلَّیۡلِ اِذَا اِنۡقَشَہَا پر وقف کرتے تو ایک معنوی مناسبت باقی رہتی۔ میری بدقسمتی کہ میں حضرت قاری صاحب مرحوم سے اس امتحان کے سوا مزید کچھ حاصل نہ کر سکا۔ تاہم ۱۹۵۸ء کے بعد وفات تک جامع مسجد نبیلہ گنبد میں جمعۃ المبارک کے موقعہ پر جب کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ عطا ہوتا تھا۔ تو عربی خطبہ اور نماز جمعہ میں ہی پڑھا یا کرتا تھا۔ کئی جمعوں میں حضرت قاری صاحب مرحوم کو جامع ہذا

میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور بار بار نماز کے بعد حضرت شیخ الحدیث کی موجودگی میں ملاقات کا شرف بھی نصیب ہوا۔

احقر علی اصغر خطیب جامع مسجد نیا گنیر لاہور و
صوبائی خطیب محکمہ اوقاف پنجاب،



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قاری تقی الاسلام صاحب

حضرت قاری صاحب

غالباً ۱۹۴۲ء بمطابق ۱۳۶۳ھ کی بات ہے کہ راقم الحروف دہلی میں اپنے محلہ گلی شاہتارا سے متصل دوسرا محلہ شاہ گنج میں قاری سید قربان علی صاحب کے ہاں پڑھنے جاتا تھا۔ ماشاء اللہ قاری صاحب موصوفِ خوش آواز تھے اور قرآن مجید خوب عمدہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ استاد صاحب کے ہاں باہر سے کوئی بزرگ بطور مہمان خاص تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی زیارۃ کی سعادت بخشی۔ کسی نے بتایا کہ یہ بزرگ حضرت قاری عبدالمالک صاحب ہیں۔ اس بات سے تو طبیعت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ اس لئے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے قاری صاحب سب اچھا پڑھتے ہیں۔ لیکن بتانے والے نے جب یہ بتایا کہ یہ بزرگ ہمارے قاری صاحب کے استاد ہیں اس جملہ نے ہمارے دل کی کیفیت ہی بدل دی کہ جب شاگرد اتنا اچھا قرآن مجید پڑھتے ہیں نہ جانے استاد صاحب کتنا عمدہ پڑھتے ہوں گے ہم میں سے کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہ ہو سکی کہ حضرت کی تلاوت سننے کی تنہا رکھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت کا قیام کئی روز تک رہا۔ ایک روز صبح حسب معمول پڑھنے گیا تو استاد صاحب نے فرمایا کہ آج صبح کی نماز حضرت قاری صاحب نے پڑھائی تھی یہ سنکر انتہائی صدمہ ہوا۔ کاش اگر پہلے علم ہو جاتا تو صبح کی نماز حضرت قاری صاحب

کے پیچھے پڑھتے۔ ایک روز استاد صاحب نے فرمایا کہ حضرت قاری صاحب مہرولی تشریف لے جانا چاہتے ہیں (جو کہ دہلی سے سات یا نو میل کے فاصلہ پر ہے) بس کے اڈہ تک حضرت کے ہمراہ آیا۔ اڈہ قریب ہی تھا۔ اس وقت حضرت قاری صاحب بسے ہاتھ میں چھتری تھی۔ چند منٹ کا سفر تھا۔ بس کے اڈہ تک حضرت نے مسرور گفتگو رکھا۔ حضرت کی عقیدت و احترام کے لئے اتنی بات کافی تھی کہ ہمارے قاری صاحب کے استاد صاحب ہیں۔ مگر اس مختصر سی گفتگو نے دل کی دنیا ہی بدل دی اور بے زور کا غلام بنا دیا۔ اس کے بعد دہلی میں حضرت کی زیارت پھر نصیب نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی مہمان تشریف لاتے ہیں۔ وہ پلنگ پر ہیں اور استاد صاحب نیچے بیٹھے ہیں۔ بہت حیرانی ہوئی کہ یہ کون صاحب ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرت قاری عبدالمالک صاحب کے بڑے صاحبزادے (قاری عبدالقادر صاحب) ہیں ان کا قیام بھی کئی روز تک رہا۔ ایک دو نکرے کے آگے چلن پڑی ہے اور اندر سے عجیب و غریب انداز میں تلاوت قرآن مجید کی آواز آرہی ہے۔ اس انداز میں اس سے پہلے قرآن مجید کبھی نہیں سنا تھا۔ اس وقت یہ بات دل میں گھر کر گئی کہ جن کے صاحبزادے کے پڑھنے کی یہ کیفیت ہے وہ خود کیسا پڑھتے ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحب کی عقیدۂ میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو گیا اور قرآن مجید سننے کی تمنا عشق کی شکل اختیار کر گئی۔ اور چنگاری کی طرح اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ اس کے بعد ملک تقسیم ہو گیا اور ہم پاکستان آ گئے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن اور حاملین قرآن سے عقیدہ اور ان کا احترام کرتے کے صلہ میں یہ خصوصی فضل فرمایا کہ اپنے وقت کے کامل الفن اور منفرد لغات ماہر استاد حضرت قاری محمد شریف صاحب کی خدمت میں حصول تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ حضرت نے بے لوث اور پوری محنت کے ساتھ فارغ اوقات میں اس طرح پڑھایا کہ شاید ہی کوئی اتنے اہتمام اور فکر و محنت کے ساتھ پڑھائے۔ حضرت قاری صاحب محمد شریف سے تجوید کی تکمیل ہو جانے کے بعد قراوت سببہ بھی حضرت موصوف ہی سے پڑھ رہا تھا کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحب دارالعلوم الاسلامیہ پرائی انارکلی لاہور میں تشریف لے آئے۔ بناءً کہ کبھی کبھی موقع ہا کر تعلیمی اوقات میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور دیوبند پیاس بجاتا۔ حتیٰ کہ ایک روز اپنی تراویح کا ناغہ کر کے مدنی مسجد پرائی انارکلی میں حضرت کے پیچھے تراویح پڑھیں وہ کیف و سرور آج تک یاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجوید کی پختگی اور حسن ادا میں آپ اپنے وقت کے امام تھے۔

راقم الحروف جس وقت قراوت سببہ سے فارغ ہوا تو اس وقت حضرت نے مزنگ میں اپنا مدرسہ قائم فرمایا تھا۔ سوال ۱۳۷۹ مطابق ۱۹۵۹ء میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ درہ پڑھنے کا ارادہ ہے۔ اتنی بات نہ کہ حضرت دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ اختتام وقت کے قریب فرمایا اکل آنا۔ دوسرے دن حاضر ہوا تو دَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ ۱۱ بَاءِ حِی اور یَصَاحِبِی السَّبْعِیْنَ (یوسف ع) دو آیتیں جمع الجمع میں سنیں۔ تیسرے دن شاطبیہ میں سے کچھ پوچھا۔ چوتھے دن حدیث میں کچھ سنا اور تجوید کے کچھ مسائل اور ان کی توضیحات پوچھیں ربِّ کریم نے تینوں

دن عزت رکھی۔ پھر فرمایا کہ میں کسی پر اعتماد نہیں کرتا جب تک خود تسلی نہ کر لوں۔ اس کے بعد الوجہ المسفرة اور الدرۃ المیشتہ دونوں کتابیں ساتھ ہی شروع کر وادیں۔ احقر کی انتہائی خوش قسمتی تھی کہ جو حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا اور حضرت نے قبول فرمایا۔ دہلی میں حضرت کی زیارت اور آپ کے ہمراہ چند منٹ چلنے کی برکت سے دل میں جو تمنا پیدا ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے احسن طریقہ سے اسکی تکمیل فرمادی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی فقالَ لِمَا یُؤیدُہ ہے۔ مولانا قاری محمد اسلم صاحب بلوچی رحمہ اللہ احقر کے رفیق درس تھے۔ کئی روز بعد محترم قاری حسن شاہ صاحب کو بھی احقر کی زبانی علم ہو گیا تو وہ بھی حضرت کی خدمت میں پہنچے بحمد اللہ ان کو بھی ہمارے ساتھ پڑھنے کی اجازت مل گئی۔ قراءت عشرۃ پڑھنے کی برکت سے حضرت سے قریب تر ہونے کا موقع ملا۔ اور اس عرصہ میں جو شہادت ہوئے ہیں۔ ان میں سے بطور نمونہ دو نین پیش کرتا ہوں۔

حضرت کی طبیعت میں عدد درجہ استغناء اور خدایا مہتی۔ کبھی کسی کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار تک نہیں ہونے دیا۔ اور ہمیشہ یہ سمجھا کہ قرآن کی دولت کے مقابلہ میں پوری دنیا کی دولت ہیچ ہے۔ جس نے قرآن کی دولت کے ہوتے ہوئے دنیا کی کسی چیز پر لپچا ہی نظر ڈالی اس نے قرآن جیسی دولت کی نادری کی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے بڑے سے بڑے مالدار کے مقابلہ میں خود کو کمتر نہیں سمجھا۔ سرسری نظر رکھنے والے بعض دنیا دار آپ کو مغرور اور تکبر سمجھتے تھے مگر یہ ان کا کج فہمی تھی۔

خواجہ ناظم الدین صاحب گورنر پاکستان کی خواہش پر آپ نے ایک جگہ قرآن مجید تراویح میں سنانا منظور فرمایا۔ اور گورنر صاحب نے بھی پورے شوق و رغبت سے

پورے رمضان آپ کے پیچھے تراویح پڑھیں۔ اس عرصہ میں کچھ آپ نے از خود خواجہ صاحب سے سلام کلام کرنے کی کوشش تو کوشش خواہش تک نہیں رکھی۔ اگر حضرت چاہتے تو گھر پر نہ صاحب سے قیام مدرسہ کچھ لیے بہت کچھ کام لے سکتے تھے حالانکہ آپ کی ذات ایک مانی ہوئی شخصیت تھی اور تادرا کلام تھے۔ مگر حضرت نے ساری زندگی بے نیازی کے ساتھ گزاری اور دنیا دار کے در پر نہیں گئے۔ یہ باتیں منہ سے کہنا تو آسان ہے۔ مگر عملی طور پر ان پر پورا اتنا مشکل ہے۔

بسم اللہ حضرت کے قول و عمل میں تضاد نہیں پایا۔ جو کہنا وہ کرنا۔

حضرت کو طلبہ کی تعلیم کا حد درجہ نگر رہتا تھا۔ بڑی سے بڑی تکلیف اور رکاوٹ میں بھی آپ مدرسہ ضرور تشریف لاتے۔ نزلہ زکام تو کسی گنتی میں نہیں۔ حضرت کو کئی ماہ تک ٹانگ میں درد عرق النساء کی تکلیف رہی اس شدت کی تکلیف میں بھی بلا تاخیر مدرسہ تشریف لاتے رہے۔ جب کہ آپ کی رہائش گاہ مدرسہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھی۔ حضرت نے ساری زندگی ورزش کے طور پر با پیادہ چلنے کا معمول بنائے رکھا تھا۔

ایک مرتبہ پوری رات بارش لگی رہی۔ صبح سو کر بھی نہیں تھیں۔ غصہ کی بارش تھی کا بوجھ ادارے تک نہ کھل سکے۔ بڑے بڑے اڈوں پر بھی پانی کھڑا ہو گیا۔ حضرت حسب معمول مدرسہ تشریف لائے۔ حالانکہ ٹانگ میں درد عرق النساء کی تکلیف ہے گھروں سے منع بھی کر رہے ہیں۔ کثرت بارش کی وجہ سے سواری بھی کوئی نظر نہیں آتی تھی۔ گو یا حضرت عزم و استقلال کے پہاڑ تھے۔ جب مدرسہ پہنچے تو مقیمی طلبہ کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا۔ حتیٰ کہ دیگر مدرسین حضرات بھی نہیں پہنچے۔ راقم الحروف کا جانا آنا سائیکل پر ہوتا تھا اس دن بھی حسب معمول برساتی اور ٹھکر پہلے گڑھی شاہو والے مدرسہ تجوید القرآن میں

پڑھانے گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر مزنگ حضرت کی خدمت میں پڑھنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت کے علاوہ نہ کوئی مدرس اور نہ کوئی پڑھنے والا۔ حضرت نے قیام پذیر طلبہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج گھر میں سب ہی منع کر رہے تھے کہ مدرسہ مت جائیں آج کون آئے گا۔ اگر میں ان کی باتوں میں آ کر مدرسہ نہ آتا تو اس (تعلی) کا آنا بیکار جاتا۔ حالانکہ یہ کتنی دور سے آتا ہے۔ اب یہ فکر اور احساس مفقود ہوتا نظر آ رہا ہے۔ دین پڑھنے کا ویسے ہی رجحان نہیں رہا۔ اگر کوئی توفیق بزدانی سے پڑھنا چاہتا بھی تو وہ ہمدردی اور شفقت نہیں رہی۔ جس کی سبب بڑی وجہ یہ ہے کہ کارکنان مدارس اور مہتمم خیر مدرّسین کو تنخواہ دینے کے بارے میں پُرانی سوچ پر ہیں۔ اگر وہ یہ سوچ لیں کہ آج کے دور میں ہمارے گھروں میں کیا خرچ ہو رہا ہے۔ اور مدرّسین بھی ہماری طرح انسان ہیں اور ان کی بھی ضروریات ہیں اور ان کی ضروریات پوری کرنا ہمارے ذمہ ہے تو تعلیمی معیار کی سطح بلند ہو سکتی ہے۔ بقول حضرت قاری مقبول الہی صاحب سابق مہتمم مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور مدرّسین کو تنخواہ پوری پوری دو تا کہ یہ فکر ماش سے بے نیاز ہو کر اطمینان سے کام کریں۔ اور ان سے کام لینے میں رعایت مت کرو۔ کیا سنہری اصول خدا کی شان جیسے ہمارا تعلیمی کام پورا ہوتا حضرت نے خلوت معمول ہمارا اتمان لیکر محترم قاری محمد شاکر انور صاحب کو نتیجہ سے آگاہ بھی کھودیا۔ اور قاری محمد شاکر صاحب کے استفسار پر فرمادیا کہ یہ تینوں قابلِ سند ہیں۔ اسی طرح گھر پر بعض ضروری جو مسائل تھے وہ بھی ہاتھوں ہاتھ نکلا دئے۔ جو کام ہو جاتا تو فرماتے الحمد للہ یہ کام بھی ہو گیا گو یا کہ حضرت کو کوئی سفر حبش ہے اور وہ سفر سے پہلے پہلے ضروری کام نٹانا چاہتے ہیں۔ خلوت معمول ایک روز پورے ذوق و شوق اور جوانوں جیسے جوش کے ساتھ سب کو

مشق کرائی۔ طبیعت میں سکون چہرے پر مسرت و خوشی کے آثار گھر میں بھی اپنے معمولات حسب عادت پورے کئے۔ رات کو چانک کچھ تکلیف ہوتی وہ بھی پریشان کن نہ تھی حضرت نے سب کو مطمئن کر کے سلا دیا۔ اور حسب معمول اپنے کمرے میں تنہا رہے۔

حضرت کا نماز تہجد کیلئے اٹھنے کا پرانا اور زنجیہ معمول تھا۔ مگر اس رات نہیں اٹھے محترم قاری شاکر صاحب کی والدہ صاحبہ نے یہ سوچا کہ رات کو طبیعت کچھ خراب تھی۔ جلی وجہ سے آنکھ نہیں کھلی۔ وہ جگاتی ہیں۔ مگر اندر سے جواب نہیں آ رہا۔ ان کو تسلیش پیدا ہوئی سب اٹھ گئے۔ کسی طرح کمرے کا دروازہ کھولا تو معلوم ہوا حضرت توم اپنے رفیق اعلیٰ سے ملاقات کر چکے ہیں نہ جانے کس وقت روح نے پرواز کی۔ چہرے پر موت کے بالکل بھی آثار نہ تھے۔ تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر زندوں کی طرح صحیح حالت میں تھے منہ آنکھیں نہ ناک کان اپنی اصلی حالت میں غرضیکہ مسرت کی ظاہری کوئی بھی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ استراحت فرما رہے ہیں۔ قبر میں اتارنے تک چہرے کی ہیبت بلکہ زنجت تک میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ چہرے پر مسکراہٹ اور خوشی کے آثار نمایاں تھے حالانکہ کراچی سے حضرت کے صاحبزادگان آئے تب تدفین عمل میں آئی۔ اور کافی تاخیر ہو گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ سچے سامعین قرآن کا آخرۃ میں جو اعزاز و اکرام ہو گا سو ہو گا دنیا ہی میں اس کی ہلکی سی یہ جھلک دکھادی جاتی ہے کہ وہ دنیا سے خوشی خوشی جاتے ہیں ان کے چہروں پر موت کے آثار نہیں ہوتے۔ اور ان کو موت سے پہلے پہلے یہ مشرودہ سنا دیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْمِيَّةً
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتِي ۖ

اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل
تو اس سے راضی۔ وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے دہمنا بندوں میں داخل ہو جا۔
اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

حضرت کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ مگر
مستشرقین نے حضرت ابن عربین صاحب کے تعبیل ارشاد میں چند کلمات۔۔۔ اس بابرکت
مجلس میں حاضر ہو گیا ہوں۔

بارہویں صدی ہجری میں ایک خوش نصیب پانی پتی نوجوان حافظ مصلح الدین
جو بعد میں شیخ القراء بنے عوارض زمانہ کی وجہ سے کسی طرح پانی پت سے مدینہ منورہ
پہنچ گئے۔ وہاں ایک ہندوستانی نوجوان محمد نسیم صاحب رامپوری سے انکی ملاقات
ہو گئی۔ باری تعالیٰ نے ان دونوں کی قسمت کا ستارا چمکایا دونوں نے صلاح مشورہ
کر کے مدینہ منورہ کے شیخ القراء عبید اللہ مدنی سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔
حضرت شیخ نے لگاتار پندرہ سال محنت کر کے اس جوڑے کو امام التجوید والقرأت
بنایا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات ہندوستان واپس آ گئے۔ تناری نسیم صاحب نے
اپنے وطن رامپور میں اور تناری مصلح الدین صاحب نے پانی پت میں تجوید وقرأت
کے مبارک علم و فن کی خدمت کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنایا۔ آخر الذکر تناری صاحب
نے ذی استعداد بڑوں چھوٹوں پر محنت کرنی شروع کی جس کی برکت آپ کے نامور
فرزند تناری عبید اللہ صاحب عرف تناری لالہ تجوید وقرأة کے امام بن کر دنیا
میں چمکے۔ پھر تناری لالہ صاحب کی ثبانیہ محنت سے بے شمار صاحب فضل و کمال اور
اور قابل قدر قراء کرام تیار ہوئے۔ پانی پت کی گلی گلی کو چہ کو چہ حسن صوت اور احسن ادا

اور عربی لہجوں سے گوہر بنج اٹھے۔ اس طرح قاری مصلح الدین صاحب اور ان کے
 فرزند قاری لالہ صاحب کی قربانیوں اور محنتوں کی برکت سے سرزمین پانی پت تجوید
 قرأت کا مرکز بن گئی اور قاری قادر بخش صاحب قاری نجیب اللہ صاحب عثمانی ہال
 کبیر الدین صاحب مولانا قاری عبد الرحمن صاحب انصاری محدث پانی پتی جیسے اہل
 علم و فضل حضرات تیار ہوئے۔ پانی پت کے متعدد حضرات نے دہلی کے اساتذہ کرام سے
 بھی علم قراءۃ و تجوید پڑھا ہے۔ جیسا کہ ۱۲۴۸ھ میں قاری عبد الرحمن صاحب محدث
 پانی پتی نے دہلی کے شیخ القراء مولانا قاری سید امام الدین صاحب نقشبندی سے قراءت
 پڑھیں۔

پانی پت میں ابتداءً ایک طویل زمانہ تک عربی لہجوں ہی میں پڑھنے پڑھانے کا
 رواج رہا ہے۔ مگر بعد میں بعض محتاط اساتذہ کرام نے بڑھتے ہوئے فتنوں کی وجہ سے
 لہجوں کے زیر و بم سے قطع نظر کر کے سادگی اختیار کر لی۔ پھر رفتہ رفتہ یہ سادگی پانی پتی
 قراء حضرات کا شعار بن گیا۔ اور مستقلاً منفرد الوجود لہجہ کی شکل اختیار کر گئی اور صفت
 لازمہ کی طرح ایک ماہرہ امتیاز صفت بن گئی اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حضرات
 کا اخلاص اور جان کھپائی قابل رشک ہے۔ مگر اتنا ضرور تھا کہ اس سادگی میں عربی لہجوں
 کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ حالانکہ متعدد احادیث میں حُنّ صوت اور خوش
 آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر فوائد مدریہ
 میں آنے والا ہے۔ ان شاء اللہ۔ یہ کتاب آخری مرحلوں میں ہے۔ باری تعالیٰ
 اسکی تکمیل کرادے۔

ان کے بعد ۱۳۲۲ھ میں مکہ مکرمہ سے حضرت قاری عبد الخالق صاحب^۲
اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت قاری عبد الماک صاحب^۲ دونوں حضرات حضرت
قاری عبد اللہ صاحب مہاجر مکی کی شاگردگی کی برکت سے شیخ القراء بن کر تقریباً
۹ سال بعد ہندوستان واپس لوٹے۔ حضرت قاری عبد الخالق صاحب نے اپنی پوری زندگی
مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں ہی گزار دی۔ اور حضرت قاری عبد الماک صاحب
مدرسہ عالیہ فرقانیہ کھنؤ کے صدر مدرس بن کر چلے۔ اور ساری عمر تجوید و قرأت ہی کی
خدمت کی جس کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی

جب حضرت کھنؤ تشریف لائے تو مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے لئے صدر مدرس
کے انتخاب کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب نے یہ مسئلہ حضرت
قاری عبد الرحمان صاحب مکی کے سامنے رکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ قاری عبد الماک
صاحب کی اداسی عمدہ ہے اور فن تجوید و قرأت میں اصل حسن ادا ہی ہے
کیسا عمدہ اور دیانت دارانہ فیصلہ دیا۔ حالانکہ دیگر مدرسین حضرات آپ ہی کے
یا قاری ضیاء الدین احمد صاحب کے شاگرد تھے۔ چنانچہ حضرت مہتمم صاحب
حضرت قاری عبد الماک صاحب کو صدر مدرس کا منصب دیا۔ مگر حضرت
نے بھی اخلاص و دیانت کی مثال قائم کر دی کہ اس فیصلہ کے بعد حضرت شیخ نے
مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔ اور کہا کہ دوسرے حضرات کی معلومات مجھ سے زیادہ
ہیں۔ وہ اس منصب کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے لطیف انداز

جیسے ہی پانی پت میں عربی لہجوں کا فقدان ہوا اللہ تعالیٰ نے حضرت تاجدار
عبداللہ کے تایا جان کے دل میں مکر مکر کی کشش پیدا کی وہ ۱۸۵۷ء کے
انقلاب کے بعد پورے خاندان کو لے کر مکہ مکرمہ ہجرت کر کے چلے گئے
امیر قافلہ قاری صاحب موصوف کے تایا جان ہی تھے اور یہ قافلہ، افراد
پر مشتمل تھا۔ اس وقت قاری عبداللہ صاحب بالکل بچہ تھے۔ آپ نے مدرسہ
صولیتہ مکہ مکرمہ میں ابتدا سے انتہاء تک تعلیم حاصل کی۔ اور معین المدرسین سے شروع
ہو کر صدر المدرسین کے اعلیٰ منصب تک پہنچے۔ اور اسی مدرسہ میں آپ کی پوری زندگی
کھپی ۱۳۲۷ھ کو علم و عرفان کا یہ آفتاب جنت المعلیٰ میں غروب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے
حضرت قاری صاحب موصوف سے تجوید و قرأت کا وہ کام لیکر ایک نئی تازگی پیدا
ہو گئی۔

آپ نے حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکی۔ قاری عبدالوجید صاحب
شیخ القراءة دارالعلوم دیوبند۔ قاری عبدالخالق صاحب اور قاری عبدالملک صاحب
ردو فہم بھائی، اور بے شمار صاحب فضل و کمال حضرات تیار کئے جنہوں نے
اپنی ساری زندگیاں کتاب اللہ کی خدمت میں کھپا دیں۔

حضرت قاری عبدالرحمان صاحب مکی مکہ مکرمہ سے آئے انہوں نے متحدہ
ہندوستان میں تجوید و قرأت کی گرانقدر خدمت انجام دی اور عربی لہجوں میں
پڑھنے پڑھانے کی داغ بیل ڈالی۔

۱۔ جتنے بھی لکھنوی قراء ہیں سب حضرت قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکی اور ان کے
بھائی قاری عبدالرحمان صاحب مکی کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد محترم سیٹھی محمد یوسف صاحب نے کراچی میں مجلس قراءۃ منقذہ کرائی۔ جس میں پانی پتی اور لکھنوی تمام قراء کرام مدعو تھے۔ شیخ القراء حضرت قاری عبد المالک صاحب لکھنوی و شیخ القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب مظلمہ پانی پتی مہاجر مدنی نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت قاری فضل کریم صاحب بانی مدرسہ تجوید القرآن۔ موتی بانسار۔ لاہور کی روایت ہے کہ ملتان والے اساذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب مظلمہ پانی پتی نے بجائے اپنی پتی ہجہ کے عربی ہجہ میں پڑھا اور خوب پڑھا۔ علاوہ انہیں حضرت موصوف کے استاد حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی ثم مدنی نے دیوبند میں قاری حفظ الرحمن صاحب سے قراءت عشرہ بطریق درہ و طبیبہ کی سند اور اجازت حاصل کی۔ اور قاری حفظ الرحمن صاحب حضرت قاری عبد الرحمن صاحب مکتی کے شاگرد ہیں یہ خاتمی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پانی پتی قراء کرام عربی ہجوں کے مخالفت نہیں پاک و ہند میں حضرت قاری عبد المالک صاحب اپنے وقت کے ابن الجری اور فن تجوید کے مجدد امام تھے حضرت کو پڑھنے میں تکلف اور بناوٹ سے حد درجہ نفرت تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ عرب تجوید کی بہت غلطیاں کرنے لگے ہیں اور تکلف و بناوٹ کرتے ہیں مجھے ان میں کام کرنا چاہیے مگر حضرت کا اسی سال وصال ہو گیا ارادہ کی تکمیل نہ ہو سکی۔

اور عربوں میں شیخ علی بن محی الصباع مصری اپنے وقت میں فن تجوید کے امام ہیں۔ بقول حضرت قاری محمد شریف صاحب عالم اسلام کے سب سے بڑے قاری ہیں راقم الحوادث کو ۱۹۶۵ء میں ان کی تلامذت بغداد بڑیو

میں عالمانہ کیا خوب جواب دیا۔
 فرمایا اگر دوسرے مدرسین کی معلومات زیادہ ہیں تو آپ کے معمولات
 زیادہ ہیں۔ مطلب یہ تھا آپ کی حسن ادا ان سے کہیں زیادہ ہے۔

اس واقعہ سے یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن اور واضح ہو گئی
 کہ استاد کل حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکی نے فن تجوید اور حسن ادا میں سب
 کے مقابلہ میں آپ کو فوقیت اور ترجیح دی۔ اور مرکزی مدرسہ کے لئے آپ کو صدر
 مدرس منتخب فرمایا جب کہ دوسرے مدرسین کی معلومات بھی زیادہ تھیں اور وہ
 قراءت سب سے دس عشرہ میں فارغ تھے۔ اور حضرت نے صرف روایت حصہ ہی پر
 نو سال لگائے تھے۔ اور صرف مشق و حد ہی پر محنت ہوتی رہی۔ مدرسہ عالیہ قرقانیہ
 لکھنؤ میں تشریف لے آنے کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے قراءت سب سے دس عشرہ
 کی تکمیل کے لئے حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکی کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت
 نے صرف ساڑھے چار ماہ میں فن کی بڑے کتب شاطبیہ، رائیہ الوجہ المسفرة الدرہ
 طیبۃ النشر وغیرہ پڑھیں۔ اور قراءت سب سے دس عشرہ میں جمع الجمع کے ساتھ اجزاء
 پورا کیا۔ جب کہ شاطبیہ و رائیہ کے لئے دو سال الوجہ المسفرة کے لئے ایک سال
 اور طیبۃ النشر کے لئے ایک سال مقرر چلے آ رہے ہیں۔ گویا کہ چار سال کا کام صرف
 ساڑھے چار ماہ میں حسن و خوبی کے ساتھ پورا کیا۔ اور حضرت قاری عبدالرحمن
 صاحب مکی نے قراءت سب سے دس عشرہ کی جو سندیں دی ہیں ان میں حضرت کے بارے
 میں جو توصیفی کلمات لکھے ہیں یہ کلمات کسی اور کی سند میں نہیں ملیں گے سنہری پانی سے
 نکلنے کے قابل ہیں۔

حضرت کے انتخاب سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ لکھنؤی قراء کے نزدیک فن تجوید اور حسن ادا میں پختگی اولین درجہ میں ہے۔ اور عربی لہجوں کا اہتمام اس کے تابع اور ثانوی درجہ میں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت قاری عبد المالك صاحب نے فرمایا فن تجوید کی عملی کمزوری استاد کے بغیر دور نہیں ہو سکتی۔ البتہ عملی کمی کتب بینی سے پوری ہو سکتی ہے اسی بنا پر حضرت کی سب سے زیادہ توجہ اور گرفت ادائیگی کی غلطیوں پر ہوتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قراء لکھنؤ نے تجوید و قراءۃ کی خدمت کے ساتھ ساتھ ثانوی درجہ میں عربی لہجوں کے اہتمام کو بھی ضروری سمجھا اور باقاعدہ ان کے سیکھنے سکھانے پر محنت کی کہ عربی لہجوں سے قرآن کی زینت و شان بڑھتی ہے۔

ایک مرتبہ کسی طالب علم نے لہجہ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہا تو حضرت نے فرمایا کہ لہجوں میں الجھنے سے مقصود اصلی یعنی صحیح ادا کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے حسی تجوید اور حسن ادا میں کمال پیدا کرنا چاہیے۔ لہجے سننے سے بھی آجاتے ہیں۔ یہی مزاج حضرت قاری محمد شریف صاحب اور حضرت قاری فضل کریم صاحب کا تھا۔ اسی بنا پر ان حضرات کے شاگرد حسن ادا میں زیادہ سچتہ نظر آتے ہیں۔

ایک مرتبہ لہجوں پر بات چل پڑی۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ قیام میں حرم

مکی کے تمام منادوں پر اذان سنا کرتی تھی۔ اور ایسا ہوتا تھا کہ پہلے رئیس المؤذن جن جس لہجہ میں اذانیں پڑھتے پھر اسی میں تکبیر و اقامت، ہوتی۔ پھر اسی لہجہ میں امام قراءۃ پڑھتا۔ کیا عجیب منظر ہوتا ہوگا۔

آج کل بھی مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ایک دقت میں کئی مؤذن

اذان پڑھتے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سب پہلے منبر شریف کے سامنے

مَمنونہ پر اذان شروع ہوگی۔ اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر توقف کرے گا۔ پھر سب ہی
 باری اسی طرح کہیں گے۔ سب کے بعد پھر مَمنونہ والا مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے گا
 پھر باقی مؤذن بھی حسب ترتیب کہیں گے اور مؤذنین کی ڈیڑھیاں بدلتی رہتی
 ہیں۔ اکثر مؤذن ایسے ہیں کہ جن کو پانچوں وقت کے بجائے صرف ایک ہی وقت
 ڈیوٹی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ایک ہی وقت میں سب ہی خوش آواز جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر
 مغرب کا وقت نہ ہو تو پھر خوب مقابلہ ہوتا ہے۔ لہجہ سب کا ایک ہی ہوگا۔ اور سب
 بہتر سے بہتر انداز میں اذان پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وقت پورے حرم
 میں کیفیت دسروں کی جو فضا پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک دنیا و مافیہا کو اس پر قربان کرنے
 کو تیار ہوتا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں پہلی بار جو حاضری نصیب ہوئی اس وقت تو تقریباً
 سہراذان میں یہی کیفیت ہوتی تھی۔ اب کافی فرق آچکا ہے۔ اسی طرح ۱۹۶۵ء میں حرم
 مکی میں بھی ایک وقت میں کئی مؤذن اذان پڑھتے تھے اور عجیب کیفیت پیدا ہوتی تھی
 تقریباً سو سال پہلے جب کہ حضرت قاری عبداللہ صاحب مکہ مکرمہ میں پڑھتے تھے اس
 وقت مؤذنین کی اذانوں سے کیا کیفیت پیدا ہوتا ہو گا کہ اس زمانہ میں نہ گاڑیوں کا شور
 تھا اور نہ ریڈیو اور ٹیلیوژن کی گرج اور نہ فلک لبس عمارتیں۔ بس حرم کے منار سے
 ہی سب بلند تھے اس وقت جب حرم شریف کے چاروں طرف پہاڑوں میں خوش
 آواز اذانیں گونجتی ہوں گی تو اس سے سننے والوں کا کیا ذوق پیدا ہوتا ہو گا۔ اس
 سے ذرا اوپر کی طرف نظر ڈالیں کہ جب بارہویں صدی میں پانی پت کے سب سے بڑے

شیخ القراءینے والے حافظ مصلح الدین صاحب امدان کے دوست محمد سلیم صاحب
راپوری مدینہ منورہ میں پڑھتے ہوئے گئے تو اس زمانہ میں اذانوں اور نمازوں میں عربی
لہجوں میں حسن ادا کی وجہ سے کیا کیفیت و سرور مچتا ہو گا۔ اور عربی لہجوں کا کتنا اعلیٰ
ذوق ہو گا۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں عربی لہجوں میں پڑھنے
پڑھانے کا کوئی ذوق ہی نہ تھا۔ انہوں نے دیکھی بات ہے کہ چار ساڑھے چار سال پہلے
مدینہ منورہ کے شیخ القراء حسن ابراہیم الشاعری کی مجلسوں میں حاضری کا موقع ملا۔

تہایت ضعیف العمر ہو چکے ہیں۔ سو سال سے کہیں زیادہ ان کی عمر ہے بوجہ
ضعف خود تو پڑھنے پر قادر نہیں رہے۔ البتہ جب ان کی مجلس میں کوئی پڑھتا تو
حضرت کی رگ پھر ٹک اٹھتی۔ اور مٹھوں ہی سے آواز کے اتار چڑاؤ کی طرٹ اشارہ فرمانے
جس سے ان کے ذوق اور عربی لہجوں میں مہارت نامہ کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت قاری عبدالملک صاحب نے اپنے زمانہ طالب علمی کے
حالات سنائے۔ فرمایا ہر جمعرات کو تمام طلبہ مجلس قراءۃ منعقد کرتے۔ کبھی کسی کے
ہاں کبھی کسی کے ہاں جس میں تمام ساتھی ذوق و شوق سے شرکت کرتے یہ مجلس صرف
جس میں استاد صاحب حضرت قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکی بھی شرکت فرماتے۔

ان مجالس میں حسن ادا، حسن وقوف، حسن لہجہ اور حسن نفس (سانس) غرضیکہ
ہر چیز میں مسابقہ اور مقابلہ ہوتا تھا۔ اور ہر ایک ہر اعتبار سے بہتر سے بہتر
کی کوشش کرتا۔ حضرت قاری عبداللہ صاحب صدر مجلس ہوتے۔ آخر میں صدر مجلس
استاد صاحب نقد و جرح فرماتے۔ جس کی وجہ سے آئندہ مجلس میں اور بھی اچھا پڑھنے
کی کوشش اور فکر ہوتی تھی۔ اس طرح ان مجالس کے بہت عمدہ اثرات مرتب ہوتے

طلبہ کی مجلس

پر سننے کا موقع ملا۔ تجوید اور حسن ادا میں اپنی مثال آپ ہیں جو حضرات صرف فناء کی صحت کے بارے میں عربوں کے تلفظ کو دلیل بناتے ہیں وہ اگر شیخ علی بن محمد انصاری مصری کی تلاوت سن لیں تو صرف فساد کے صحیح تلفظ کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ آج کے عرب صحیح تلفظ سے کتنے دور جا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جملہ حاملین قرآن جو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں سب کو غفران و رضوان کی دولت سے نوازے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور اپنی شانِ شانِ حُبِّ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین)

اور جو حضرات کتاب اللہ کی خدمت میں گئے ہوئے ہیں۔ ان کو ہر قسم کے نقول سے محفوظ رکھے۔ دنیا و آخرت کی عزت سے سرفراز فرمائے۔ اور اسلاف کے نقش قدم پر زیادہ سے زیادہ چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

مولانا قاری سید محمد ابراہیم شاہ

المناظر

حضرت المحترم المقام جناب الشیخ القاری المقری حضرت مولانا فیض الرحمن

صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ارشاد کے مطابق حالات زندگی مختصراً لکھ کر ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ سہوہ
 نسیان کے غلبہ کی وجہ سے اگر کچھ واقعات رہ گئے تو میری شومی قیمت ہوگی۔ اپنی طرف سے
 پوری طرح دماغ کو حاضر کر کے لکھوں گا۔ بندہ کا آبائی گاؤں موضع موسیٰ نزد حضرت ضلع
 اٹک ہے۔ اب رہائشی گاؤں طال منصورہ ڈاک خانہ ایضاً ضلع اٹک ہے۔ سن پیدائش
 ۱۹۲۹ء ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول موضع موسیٰ میں حاصل کی اور
 سیکنڈری تعلیم کے لیے ہائی سکول حضرت ضلع اٹک میں داخلہ لیا۔ لیکن سکھوں کے
 بے رحم ہاتھوں نے مجھے سکول چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ آخر مجھے والدہ صاحبہ نے
 حفظ کی تعلیم کی طرف لگایا۔ حفظ کا کچھ حصہ موضع دریا ضلع اٹک میں ستمبر ۱۹۵۴ء میں
 کھوٹہ ضلع راولپنڈی میں جناب قاری عبدالحلیم صاحب سے با تجوید شروع کیا بعد
 میں جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خشک میں جناب قاری محمد افضل صاحب مرحوم کی خدمت
 میں حاضر ہو کر قرآن پاک بکمل کر لیا۔ قاری محمد افضل صاحب حضرت شیخ العرب والعجم قاری
 عبدالکمال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص تھے۔ انھیں سے قاری صاحب رحمۃ
 اللہ علیہ کا پتہ چلا اور شوق پڑھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کروں۔ لیکن
 راستے میں کچھ ایسی رکاوٹیں کھڑی ہو گئیں وہاں پہنچتے تک کچھ دیر لگی یعنی قاری ممدین
 صاحب کے مشورہ کے مطابق گنبد والی مسجد جہلم میں کچھ عرصہ پڑھانا پڑ گیا۔ ۱۹۵۶ء کی

اداغرمیں استعفیٰ پیش کر کے لاہور کا سفر کیا۔ دارالعلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی کی بالائی منزل
 میں جا کر قاری سراج احمد صاحب مرحوم ناظم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ قاری
 عزت علی صاحب اور بندہ ایک ہی وقت میں داخل ہوئے۔ ہمیں قاری انہار احمد تھانوی
 صاحب کا درجہ دیا گیا اور کچھ درسی کتابیں ساتھ رکھی گئیں۔ الطوال واضح وغیرہ اور خوش خطی
 کے لیے بھی موقع ملتا رہا۔ وہیں میں نے ادیب عربی کی تیاری بھی شروع کر دی لیکن
 حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجے میں بیٹھنے کا شوق دل میں دن بدن تیز ہوتا گیا۔ گاہے
 گاہے۔ ان کی خدمت میں بیٹھ کر قرآن پاک سننے کا موقع مل جاتا تھا۔ لیکن جب بھی حضرت
 کی نگاہ بندہ کی طرف اٹھتی فوراً مجھے بھگا دیتے تھے۔

کئی بار ایسا واقعہ پیش آیا۔ لیکن میں پروانے کی طرح اس پر چلنے کے لیے
 گیا تھا۔ بار بار گیا۔ آخر وہ تنگ آ گئے یا سیرا وہ امتحان سے رہے تھے۔ مجھے فرمایا
 قریب آؤ۔ میں ڈرتے ہوئے قریب پہنچا تو فرمایا پڑھو میں نے سورہ یوسف کا دوسرا
 رکوع پڑھنا شروع کیا۔ جب لاتامتا پہنچا تو تین بار لوٹانے کا حکم فرمایا۔ دراصل وہ
 استحکام کا خیال فرما رہے تھے۔ میں نے تینوں بار صحیح انداز پر کیا تو فرمایا اچھا اب
 آئندہ ہمارے ہال میں بیٹھا کرو۔ اور میرا نام اپنے رجسٹر میں درج فرمایا۔ اب تو
 بندہ کی خوشی کی انتہا ہو گئی کیونکہ جس شمع کے پروانے تھے وہی شمع اب دعوتِ نظارہ
 دے رہی تھی۔ پھر قاری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ عالم ہو گیا۔ صبح کا ناشتہ بدستور
 اپنے کمرہ میں بلا کر کرایا کرتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر فرماتے پیو
 کبخت ایسی چائے تمہیں کہیں بھی نہ ملے گی۔ واقعی آپ کے ہاتھوں کی بنی ہوئی
 چائے میں طرح طرح کی خوشبو ہوتی تھی آج نہ لے سکا۔ میں نے ہزار کوشش کی
 کہ اور برتن الگ بیٹھی وغیرہ سب مکمل کرنے کے بعد ایسی چائے مجھ سے تیار نہ ہو سکی۔ کسی دن
 اگر وقت پر نہ پہنچ سکا تو خود اپنے دست مبارک سے چائے پراٹھ وغیرہ ساتھ لاتے
 اور فرماتے اس کم بخت کو بلا کر اس نے آج ناشتہ نہیں کیا۔ اپنے سامنے بٹھا کر
 فرماتے۔ ناشتہ کرو۔ بندہ صبح کے ٹائم پر ایک مدد میں پڑھا کرتا تو اس وقت

ہماری جماعت کا سبق شروع ہوتا۔ اگر کسی دن سبق رہ جاتا۔ دوسرے ٹائم اوپر والی منزل سے اتر کر فرماتے اس کم بخت کو بلانا اس نے آج سبق نہیں پڑھا۔ حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وقت صرف ایک ٹائم بارہ بجے کا تھا۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۷۰ سال کے قریب تھے لیکن ان کی پھرتی آواز چال و حال ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے بیسٹ پچیس سال کا جوان ہو۔ فقار میں یہ کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ ۷۰ سال کا بوڑھا جا رہا ہے۔ بازدار سے سودا سلف آشر خود لایا کرتے تھے اور رمضان المبارک میں تو عین بارہ بجے پرانی انارکلی سے شاہ عالم اور رنگ محل تک کا پیدل سفر و زائد کا معمول تھا کیونکہ کئی اشیاء عام بازار سے وہاں ارزاں قیمت پر مل جاتی تھیں نجی زندگی میں آپ کسی عابد و زاہد سے کم نہ تھے۔ سحری کے وقت اٹھ کر پہلے درزش اس بڑھاپے کی عمر میں بھی کرتے تھے یعنی پہلے ڈنڈ اور بیٹھکیں باقاعدہ پہلو انوں کی چوتا بادھ کر کرتے تھے۔ پھر نہادھو کر تہجد کے نوافل سے فارغ ہو کر صبح کی نماز سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اور نماز فجر کے بعد ناستہ وغیرہ فرما کر ذکر و اذکار میں مشغول ہوتے اور مدرسہ کے وقت مقرہ پر اپنے دہجے میں بیٹھ کر پوری یکسوئی کے ساتھ طلبہ کو اپنے نور سے منور فرماتے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی اصلاح باطنی بھی فرماتے اور انھیں خود داری بے لوثی اور بغیر لالچ کے ساتھ قرآن پاک پڑھانے کی تلقین فرماتے۔ بندہ کو ۱۹۵۷ء میں آپ نے سند وایت جنس عطا فرمادی تھی۔ لیکن دلی خواہش تھی کہ کچھ عرصہ مزید آپ کی خدمت اقدس میں رہ کر نودانی شعاعوں سے فیض یاب ہو جاؤ ہوں۔

اس کے اظہار کرنا تھا جب قاری صاحب غصے میں لال سرخ ہو گئے اور فرمایا کہ میں اپنی سندیں ایسے انھیں بانٹا کرتا ہوں کہ کسی کو رشوت کے طوبہ دیتا ہوں اور انھیں سے سند دیتا ہوں جس میں کچھ دیکھتا ہوں اسے سند دیتا ہوں۔ فرمایا کہ ابھی تمہاری عمر مزید علم حاصل کرنے کی ہے لہذا میرا مشورہ یہ ہے کہ لیکن عربی تعلیم میں مصروف ہو جاؤں اور تقریر کرنے کی مشق جاری رکھو۔

بندہ نے اس میں عافیت سمجھی اور بندہ آپ کے صامیزاد سے حضرت مولانا قاری

قاری محمد ذاکر صاحب کے ساتھ قاسم العلوم ملتان میں درجہ وسطیٰ میں داخل ہو گیا۔
 پھر میں نے اپنے استاذ جو ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے ان کا سایہ
 وہاں بھی رحمت بن کر پہنچا اور اپنے نخت جگر کو جتنا خرچہ وہ عنایت فرما رہے تھے اتنا ہی
 مجھے بھی ارسال فرماتے۔ دونوں کی دینی تعلیم کی اہمیت دلاتے اور شوق بڑھاتے۔ میں
 نے ایسی شفقت اور ہر بانی اپنے صلیبی ماں باپ میں نہ دیکھی تھی جتنی کہ اس روحانی باپ نے
 مجھ بندہ ناجیر کو کی۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء
 اللہ رب العالمین ان پر کہ و طرہ رحمتیں نازل فرمائے اور انھیں اپنی جوار رحمت
 میں لے لے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور تھا کہ بڑے متکبر اور بڑے بداخلاق
 ہیں۔ جو لوگ ایسی باتیں کرتے تھے انھیں لوگوں سے بعد ان کی تعریف و توصیف سن
 تولی لیکن مجھے اپنے مشاہدہ سے جو باتیں ملی ہیں وہ با اصول، با وقار، رحم دل، منکر
 المزاج اور اپنے کام میں مگن دین کی لگن اور قرآن پاک کی صحیح ترویج کا عشق ان کے
 دل میں موجزن تھا۔

و لا قرآن پاک کو غلط سننا پسند ہی نہ فرماتے تھے۔ اس لیے کبھی کبھی مزاج میں تلخی
 ہو جاتی تھی اور وہ تلخی بھی صرف رضاء الہی کو حاصل کرنے کے لیے کسی کے دل کو آزار پہنچانے
 کے لیے نہیں۔ کبھی کبھی ہنسی مذاق سے بھی حاضرین کو محفوظ فرماتے تھے۔ اور اتباع شیخ
 کے لیے ایک یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

بے سجادہ رنگین گیت پیر مغاں گوید
 کہ سالک بے خبر بود ز رسم راہ و منزلھا

فقط والسلام
 آپ کا حقیر خادم
 سید محمد ابراہیم شاہ

از: مولانا قاری فضل ربی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت قاری عبد المالک صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد، دنیا جو دار الفنا کے نام سے یاد کی جاتی ہے، اس میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ بڑی بڑی ہستیاں اس دنیا میں تشریف فرما ہوئیں، اور اپنا وقت پورا کر کے اس دنیا سے چل بسیں، اس میں انبیاء علیہم صلوٰۃ والسلام بھی شامل ہیں۔ اولیاء اللہ بھی، علماء بھی اور عوام بھی۔ علماء دنیا سے رخصت ہوتے ہیں مگر اپنے علم، تقویٰ اور پرہیزگاری کی یادیں چھوڑ کر کے جاتے ہیں۔

۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ جب میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں ایک طالب علم کی حیثیت سے زیر تعلیم تھا تو میرے ہم درسوں میں سے ایک مولانا قاری سید حسن شاہ صاحب بھی تھے، جو مرتبہ بیفادی شریف کے سبق میں ہمارے ساتھ عصر کے بعد شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو حضرت مولانا قاری حسن شاہ صاحب نے اپنے طور پر تلاوت کلام پاک شروع کی۔ ان کی تلاوت اور حسن صفات سے متاثر ہو کر مجھے انتہائی اشتیاق ہوا کہ میں بھی تجوید کے ساتھ پڑھنے والا ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے قاری حسن شاہ سے پوچھا کہ آپ کن کے پاس پڑھتے ہیں۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ آپ کو بھی ساتھ لئے چلتا ہوں۔ قاری حسن شاہ صاحب بیفادی کے سبق سے فارغ ہو کر دارالعلوم اسلامیہ جو پرانی انارکلی میں واقع تھی، وہاں جا کر حضرت مولانا قاری عبدالعزیز صاحب شوقی مرحوم کے پاس تجوید پڑھا کرتے تھے۔ مجھے بھی اس دن اپنے ہمراہ لے گئے اور حضرت مولانا قاری عبدالعزیز شوقی مرحوم جو انتہائی خلیق الطبع استاد تھے، سے عرض کیا کہ یہ طالب علم بھی پڑھنے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ مجھے قاری صاحب مرحوم نے اسی وقت پڑھانا شروع کیا۔ میں بھی بلاناغہ عصر کے بعد قاری صاحب مرحوم کے پاس پڑھنے جایا کرتا تھا۔ اکثر قاری حسن شاہ صاحب بھی اسی وقت تشریف لے جاتے۔

ایک دن جب ہم دونوں قاری صاحب کے پاس عصر کے بعد گئے تو حضرت قاری
عبدالعزیز صاحب مرحوم نے حسن شاہ صاحب سے فرمایا کہ آپ اتنے دن کہاں تھے۔ مولانا قاری
عبدالمالک صاحب ششہ دالایا سے مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لائے تھے۔ آپ کے ساتھیوں نے
ان سے پڑھنا شروع کر دیا ہے مگر آپ بھیچے پرہ گئے ہیں۔ چنانچہ دوسرے ہی دن مولانا سید قاری حسن شاہ
صاحب نے قدوۃ المجدوبین شیخ العرب والعجم حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب سے پڑھنا شروع
کیا۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک قاری عبدالقادر صاحب بہاولپور والے تھے۔ باقیوں کے نام
یاد نہیں ہیں مگر بندہ بدستور مولانا قاری عبدالعزیز شوقی مرحوم کے پاس پڑھتا رہا۔ بندہ نے آخر
سے سورہ الیقین تک مشق قاری صاحب مرحوم سے کی مگر بعض وجوہات کی بنا پر قاری صاحب
مرحوم کو مدرسہ سے اختلاف ہوا، اور قاری صاحب ورسہ چھوڑ کر چلے گئے۔

چند دن بعد قاری عبدالعزیز صاحب مرحوم کی جگہ قاری محمد شاکر صاحب جو حضرت مولانا
قاری عبدالمالک کے صاحبزادے ہیں، ان کو مقرر کیا گیا اور بندہ نے ان سے پڑھنا شروع کیا۔
ایک سال مسلسل حضرت قاری محمد شاکر صاحب سے مشق کی اور دوسرے سال حضرت مولانا قاری
عبدالمالک صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قاری صاحب نے پہلے میرا امتحان لیا بعد مجھے بھی
اپنے حلقہ درس میں شامل کر لیا۔ قاری صاحب نے اپنے تلامذہ اور قرآن پڑھنے والوں پر بے انتہا
تفصیلت فرمایا کرتے تھے، اور اس کے ساتھ فرق مراتب کا بہت ہی لحاظ کرتے تھے لیکن ساتھ
میں ابتداء آزمائشی امتحان بھی کیا کرتے تھے جس سے پہلی ملاقات والے کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ حضرت
کچھ سخت طبیعت ہیں۔ جب بندہ کو قاری صاحب نے اپنے حلقہ درس میں امتحان کے بعد شامل
فرمایا تو دریافت فرمایا کہ ہامعہ شریفہ میں آپ کونسی کتابیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ میں کتابوں کے نام گنوا
دیئے تو مجھ سے فرمانے لگے کہ عربی کا ایک رسالہ ہدایت المستفید جو سوال جواباً لکھا گیا ہے، لائیں
تاکہ میرا آپ کو وہ پڑھاؤں اور میرے باقی ساتھی جی میں قاری محمد افضل مرحوم قاری محمد صدیق کیمیل پوری
اور قاری غلام رسول لاہور والے بھی شامل تھے۔ ان کو حضرت قاری نے جمال القرآن شروع کرا دیا
قاری صاحب کا طبعی رجحان عربی کی طرف اس واسطے بھی مائل تھا کہ حضرت قاری صاحب مرحوم
نے قرآن پاک بھی بلد الامین دکتہ المکرّم مدرسہ صولتسیہ میں یاد پایا تھا اور تجویز بھی اسی مدرسہ

میں حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔ اس واسطے قاری صاحب کو اردو سے زیادہ محبت عربی کے ساتھ تھی اور یہی وجہ ہے کہ قاری صاحب ادب کے امام تھے۔ فنِ تجرید کا اصل مقصد بھی ادا ہی ہے اور یہ کہا جائے کہ حضرت قاری صاحب مرحوم ہی علامہ جزریؒ کے اس شعر کے مصداق تھے۔

مکملًا من غیر ما تکلف باللفظ فی النطق بلا تقصّف

تو یہ مبالغہ نہ ہو گا۔ کیونکہ ہونٹوں پر، پیشانی پر، چہرے پر پورا کنٹرول رکھنا کہ نہ تو ہونٹ بے جا ہلکیں، نہ پیشانی پر پیل پڑیں اور نہ ہی چہرے پر گرانی کے آثار ہوں۔ یہ قاری صاحب مرحوم ہی کے صفے میں آیا تھا۔ نہ تو عجیبوں میں ایسا بے تکلف پڑھنے والا دیکھا ہے اور نہ ہی عربوں میں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت قاری صاحب کے تلامذہ میں اکثر حضرات اس کا کافی خیال کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ پاک نے قاری صاحب مرحوم کو ادا کا امام بنایا۔ اسی طرح آپ کو اللہ تعالیٰ نے قراءاتِ سبعہ و عشرہ کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت قاری صاحب مرحوم کو اللہ پاک نے ایسا ذہن عطا فرمایا تھا کہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ روایتِ حفص تو آپ نے حضرت قاری عبداللہ صاحب مرحوم مکی سے حاصل کی اور جب ہندوستان واپس تشریف لائے تو مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں بحیثیت صدر مدرس استاد مقرر ہوئے تو آپ کے ساتھ دیگر اساتذہ میں سے اکثریت ایسی تھی جو قراءاتِ سبعہ و عشرہ کے فاضل تھے۔ اس وقت قاری عبداللہ صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی حضرت قاری عبدالکلی صاحب مکیؒ آباد میں تشریف فرما تھے تو بہ رعایت قاری آل احمد صاحب لاہور والے، اور قاری محمد حسن صاحب قلات والوں کے کہ قاری عبدالرحمان صاحب مکیؒ مدرسہ فرقانیہ کے منتظم مولانا عین العقدا صاحب سے فرمایا کہ قاری عبدالملک صاحب کو میرے پاس چھ ماہ کے لئے بھیج دیں۔ چنانچہ قاری صاحب چھ ماہ کے لئے قاری عبدالرحمان صاحب مکیؒ کے ہاں تشریف لے گئے تو اس وقت قاری عبدالرحمان صاحب مکیؒ کے پاس قاری آل احمد صاحب قاری محمد حسن صاحب قلات والے اور دیگر حضرات باقاعدہ قراءاتِ سبعہ پڑھتے تھے، مگر قاری صاحب کو قاری عبدالرحمان صاحب مکیؒ نے ان سے علیحدہ پڑھانا شروع کیا، اور

چھ ماہ میں قراءات سب سے مکمل کروا کے والہی فرقانہ بھیج دیا۔ یہ بات قاری صاحب کو کمال فہانت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ قاری صاحب مرحوم نے جو کورس صرف چھ ماہ میں مکمل کیا۔ اس کے لئے کم از کم دس سال کی مدت درکار ہوتی ہے تو قاری صاحب نے چھ ماہ میں صرف اسے مکمل کیا بلکہ اس میں کمال بھی حاصل کیا اور اس کی دلیل آپ کے تلامذہ ہیں کہ جن کو آپ نے قراءات سب سے عشرہ کی تعلیم دی۔ وہ صرف خود ہی قراءات سب سے عشرہ جاننے والے نہیں بلکہ اس اشرف ترین فن کے پھیلانے کا ذریعہ بھی بنے۔ مدرسہ فرقانہ لکھنؤ کے اقامت کے زمانے کے تلامذہ کی پوری فہرست تو ہمارے سامنے نہیں ہے۔ البتہ قاری محمد شاہ صاحب (جو غالباً اب بھی مدرسہ فرقانہ کے صدر مدرس ہیں) قاری صاحب مرحوم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مگر لاہور تشریف لانے کے بعد جن حضرات نے آپ سے استفادہ کیا۔ وہ اس علم شریف کے پھیلانے اور شائع کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بنے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت قاری صاحب مرحوم کے پڑھانے میں اللہ پاک نے بہت بڑی برکت ڈال دی تھی۔ جن حضرات نے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لاہور کے زمانے میں استفادہ کیا اور قاری صاحب کے علوم کے پھیلانے کا وہ ذریعہ بنے، ان میں سے حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب، حضرت مولانا قاری خدا بخش صاحب، حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب صدر مدرس تجوید القرآن لاہور۔ حضرت مولانا قاری عبدالوہاب صاحب مکی مدظلہ العالی۔ حضرت مولانا قاری حسن شاہ صاحب۔ حضرت مولانا قاری محمد ذاکر صاحب۔ حضرت مولانا قاری عکیم عبدالحکیم صاحب مرحوم۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضرت قاری صاحب سے قراءات سب سے عشرہ میں استفادہ کیا اور اس علم کے پھیلانے کا ذریعہ بنے۔ ویسے روایت حضرت اور قراءات سب سے عشرہ والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میں اپنے علم کی بات کرتا ہوں کہ جان کس مجھے معلوم ہے تو وہ حضرات جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ان میں زیادہ تر قاری محمد شریف صاحب، اور حضرت مولانا قاری خدا بخش صاحب کے علم پر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت زیادہ اعتماد تھا۔ ایک مرتبہ حضرات مولانا قاری حسن شاہ صاحب اور مولانا قاری عبدالحکیم صاحب بطریق شاطیہ احمد اکر رہے تھے اور بندہ پاس بیٹھا تھا کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا کہ اجراء تو قاری محمد شریف اور قاری خدا بخش صاحب کا مزہ دیتا تھا اور مجھے کہیں ان کو بتانا

کی ضرورت نہیں پڑی۔ اگر کہیں کوئی بھی ہوتی ہوئی نعر آئی تو صرف ہوں کیا، اور ان کے علاوہ باقی سب کے ساتھ مجھے مغز سوزی کرنا پڑی ہے۔ قاری صاحب جب لاہور تشریف لائے تھے، تو صرف ایک دفعہ جلسہ میں۔ آپ نے پرانی انارکلی کی بہت بڑی مسجد مدینہ مسجد میں قرآن پاک خود سنایا۔ اس کے بعد اکثر تراویح آپ قاری خدا بخش صاحب مرحوم کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ ۵۵ھ میں برادرِ مکرم مولانا قادی محمد ذاکر صاحب گنپت روڈ انارکلی کی چکتوں والی مسجد میں تراویح میں قرآن سناتے تھے جب کہ بندہ اسی مسجد میں امام و خطیب تھا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھار تو قاری ذاکر صاحب کے ساتھ تانمہ میں تشریف لے آتے اور تراویح ان کی اقتدا میں ادا فرماتے مگر اکثر نیلا گنبد کے چوک میں اتر کر گھوڑا ہسپتال کی مسجد میں تشریف لے جاتے اور قاری خدا بخش صاحب کی اقتدا میں نماز تراویح ادا فرماتے۔ ایک تو اس واسطے کہ قاری خدا بخش صاحب کا قرآن بہت ہی سچہ تھا۔ دوسرے جو تقویٰ اور پرہیزگاری اللہ پاک نے ان کو عطا کی تھی اس کی وجہ سے بھی قاری صاحب مرحوم کو ان سے بچہ محبت تھی۔ تیسرے یہ کہ جب قاری خدا بخش صاحب قاری صاحب کے پاس پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ جامعہ اشرفیہ لاہور میں مدرس تھے تو قاری صاحب مرحوم نے قاری خدا بخش صاحب سے پوچھا کہ ”کیسے آنا ہوا؟“ آپ نے جواباً عرض کیا کہ استفادہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ تو قاری صاحب نے پھر سوال کیا کہ ”نام کیا کرتے ہو؟“ قاری خدا بخش صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ جامعہ اشرفیہ میں مفتی کی خدمت سرانجام دیتا ہوں۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ جب استاد ہو تو پھر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہنے لگے کہ حضرت ابھی تو بہت کمی ہے تو قاری صاحب نے پھر پوچھا کہ جب کمی ہے تو پھر پڑھاتے ہی کیوں ہو؟ چنانچہ قاری خدا بخش صاحب نے اس سوال کے جواب میں غامضی اختیار کر لی۔ مگر قاری صاحب مرحوم نے ایک اور سوال کیا کہ آپ نے کئی اساتذہ سے پڑھا ہے۔ تو آپ نے اپنے اساتذہ کے نام گنوا دیے۔ جن میں بڑے بڑے اکابر شامل تھے یعنی قادی کریم بخش صاحب۔ قاری حسن شاعر مصری مدینہ منورہ۔ ان کے علاوہ دوسرے حضرات کا نام بھی دیا۔ اس پر حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ اتنے بڑے حضرات سے پڑھنے کے بعد میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو قاری خدا بخش صاحب نے جواب دیا کہ حضرت ابھی موت تو نہیں

آئی تو اس جواب سے حضرت قاری صاحبؒ کی طبیعت پر بہت بڑا اثر ہوا اور کافی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ فی الحال وقت نہیں ہے۔ جب وقت مل جائے گا تو دیکھیں گے۔ مگر قاری خدائے بخش صاحبؒ باقاعدگی سے حضرت قاری صاحبؒ کی درسگاہ میں تشریف فرما ہو کر خاموش بیٹھ جاتے اور سنا کرتے۔ چنانچہ دوسرے تیسرے دن حضرت قاری صاحبؒ نے قاری خدائے بخش صاحبؒ کو پڑھانا شروع کر دیا۔ پھر جتنی محبت قاری خدائے بخش صاحبؒ اپنے شیخ سے کرتے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ شیخ کو اپنے اس معتقد سے محبت تھی۔ جس طرح کہ اس بیان سے معلوم ہوا کہ قاری صاحبؒ کو علماء اور صلحاء سے بڑی محبت و عقیدت تھی اور دل سے ان کی قدر کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر حضرت قاری صاحبؒ جمعہ کی نماز شیرازہ گیٹ میں قلوب الاقطاب شیخ الاجل حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری کی اقتداء میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور پرانی انارکلی سے شیرازہ گیٹ تک یہ سفر پیدل ہی ہوتا تھا۔ والپسی پر کشمیری بازار میں حافظ محمد یوسف صاحبؒ ٹہیوں والے کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ جاتے اور کبھی انارکلی بازار سے گزرتے ہوئے گنپت روڈ پر قاری ال احمد صاحبؒ کے پاس تھوڑی دیر تفریح طبع کے لئے تشریف فرما ہو جاتے اور چائے بھی نوش فرما لیتے۔ جس طرح حضرت قاری صاحبؒ کو حضرت لاہوریؒ سے محبت تھی۔ اسی طرح حضرت لاہوریؒ بھی آپ سے بڑی محبت کیا کرتے اور جب آپ کا انتقال ہوا تو جنازہ بھی حضرت لاہوریؒ نے ہی پڑھایا۔

قاری صاحبؒ کو اللہ پاک نے استثناء میں کمال عطا فرمایا تھا۔ باوجود کثیر العیال ہونے کے خدائے پاک کی ذات پر کامل بھروسہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے کا کامل یقین تھا۔ کبھی کسی دنیا دار کی خوشامد کی اور نہ آؤ بھگت۔ دارالعلوم اسلامیہ سے حضرت قاری صاحبؒ کو بڑی معقول تنخواہ مل رہی تھی۔ مگر قاری صاحبؒ کے مقصود تنخواہ نہ تھی بلکہ اچھے طلباء اور طلباء کا حسن انتظام تھا۔ دارالعلوم اسلامیہ کے مہتمم صاحبؒ کے ساتھ کچھ اختلاف ہونے کی بناء پر اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے آپ اپنے ایک شاگرد کے ہاں مزنگ تشریف لے گئے اور وہاں دارالتزیل کے نام سے مدرسہ قائم فرمایا۔

مدرسہ نور اصل قاری صاحبؒ کا وجود مسعود تھا۔ جہاں آپ تشریف فرما ہوئے طلباء اور

علماء کا جنگستان بن جاتا مگر قاری صاحب نے مدرسہ کی اعانت کے لئے کسی سے اپیل نہیں فرمائی اور
 خدائے پاک کی ذات پر توکل کرتے ہوئے مسجد میں بیٹھ کر حفاظ اور علماء کو اپنے ایک صاحبزادہ قاری
 محمد شاگر صاحب اور ایک شاگرد مولانا قاری غلام نبی صاحب ایرانی، جو اس مسجد کے امام بھی تھے
 کے ہمراہ پڑھانے لگے۔ اور اسی مدرسہ میں حسب معمول ایک روز پڑھانے کے لئے تشریف لائے اور
 سامنے دن طلباء کو پڑھا کر واپس گھر تشریف لے گئے اور رات کے وقت اپنے کمرے میں
 آرام فرمانے لگے تو تنہا کے وقت گھر والوں کو علم ہوا کہ حضرت صاحب اس فانی دنیا سے رخصت
 ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ قاری صاحب
 اور ہمارے تمام اساتذہ اور بزرگوں کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمادے اور ہمیں
 ان کے نقش قدم پر چلنے کو توفیق عطا فرمائے آمین بر محمدت یا ارحم الراحمین۔



ڈاکٹر فیوض الرحمن

حضرت کے قلام مذہ

۱۔ السید الصالح طلحة بن محمد بن نور الہدی بن محمد علی بن السبحان
 الشولین المحنی البریلوی ثم الطوکی، احد العلماء المبرزين فی الحديث
 والرجال والعربية ولد بطوك سنة ثمان وثلاث مائة وألف و
 نشأ بها، وسافر للعلم إلى كهنو سنة ثمان عشرة وثلاث مائة وألف
 حين سافرت إلى طوك، فرائقني في ذلك السفر عند رجوعي إلى مدينة
 كهنو وقرى العربية على مولانا محمد فاروق الجديا كوتی وعلی غیرہ
 من العلماء بدارالعلوم ولبث بها أياماً، ثم رجع إلى طوك وقرى
 الكتب الدراسية على مولانا حیدر حسن و مولانا سیف الرحمن
 (البشاوری) فی المدرسة الكلية بها، ثم دخل دہلی و طبیب علی
 (البشاوری) فی المدرسة الناصرية ثم سافر إلى لاهور ونال
 درجة العقیدة فی المدرسة الكلية بها ثم دخل دہلی و طبیب علی
 الحکیم غلام رضا خان الشریقی وأقام ببلدة طوك وبعثی زماناً طويلاً
 كان يدرس ويتطبيب، ثم دخل بلد تاراى بریلی وتزوج بأختی
 شمس النساء بنت والدى المرحوم فخر الدين بن عبد العلى رحهما
 الله تعالى وهو من عیثرتی وبنى أعوامی رزقه الله سبحانه الذکار
 المقرط والذهن الثاقب والحفظ السريع والحمل الصالح، حفظ القرآن
 بعد تراغله من التحصيل فی أربعة أشهر

وقد دخل في سلك المحققين في الكلية الشرقية التابعة
 لجامعة بنجاب في سنة خمس وثلاثين وثلاث مائة وألف
 واستقام على ذلك خمساً وعشرين سنة، مشغلاً بالإنفاضة والإ
 سترادة في العلم والإستكثار من الدراسات والمطالعة، ودخل في
 اختبارات كثيرة في الإنجليزية، ونال شهادة ماجستير فيها، حتى اعتزل
 الوظيفة بطلبه سنة إحدى وستين وثلاث مائة وألف. وله نهامة
 بالعلم وطلب للمزيد الجديد وحرص على الإتقان والتثبت
 لا يجد كتاباً جديداً إلا ويعكف عليه مطالعة ولا يجد
 صاحب اختصاص في فن إلا ويخترق من علمه، له
 مشاركة في أكثر الفنون النحوية والأدبية والرياضية
 واسع الإطلاع في التاريخ والتراجم، مستحضر للسنين والحوادث
 وله شغف بالنجوم والمواقيت يعرف سيرها وبروجها ويحفظ
 الكثير من أسمائها ومواقعها، كثير المحفوظ في الشعر العربي والفارسي
 والأدبي، لطيف العشرة كثير الإنبساط، طارح للتكلفت انتقل سنة
 سبع وستين وثلاث مائة وألف إلى باكستان وأقام في كراچی، وما ذر
 في سنة سبع وسبعين وثلاث مائة وألف إلى مصر والشام وسطونطينية
 وزار مكباتها، وألف كتاباً في الحضارة في عهد النبي ومهد المعابة استوعب فيه
 من العادات والأدوات ومرافق الحياة وأشكال المدنية وما
 بلغت إليه العلوم والآداب في عصرهم، وجمع من ذلك الشيء

الكثير الذي قلما يوجد مثله في كتاب آخر، ولد كتاب وسيط ألفه
 في بهو يال في بداية حاله في سيرة سيدتنا أم سلمة زوج
 النبي صلى الله عليه وسلم وله مقالات علمية في إجازة القراءان و
 بلاغته وهو ممن يعمل بنصوص الكتاب والسنة، ولا يرى التقليد
 واجباً إلا أنه يتبع المذهب الحنفي في أكثر شؤونته وعباداته
 توفي لبيع بقرين من رجب سنة تسعين وثلاث مائة وألف له
 نبح في امتحان مولوي فاضل من جامعة بنجاب مع مرتبة
 الشرف الأولى عين استاذاً بكلية العلوم الشرقية بلاهور في أيلول
 عام ١٩١٨م ودرس بها إلى ١٩٣٢م كما في تاريخ كلية العلوم الشرقية
 (ص ٢١٣) حج وزار عام ١٣٤٤هـ / ١٩٢٦م

انتقل إلى رحمة الله في ٢٣ رجب ١٣٩٠هـ / ٢٥ سبتمبر ١٩٧٠م في يوم
 الجمعة بكرة الشى ودفن بمقبرة مجاهد آباد كراتشى

ولاء تقديم على القا موسى العربى / والى نجليزى وجمع تحت
 إشرافه. قدس التجويد على الشيخ عبدالمالك المقرئ وطى تلميذه حبيب الله
 وله ابن واحد السيد محمد دادر.

حافظ مقری صبغة اللہ خاں ٹونکی

”آپ کے والد صاحب کا نام محمد اسد اللہ خان ہے۔

۱۳۳۴ھ میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم ۱۱ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا

اور شیخ القراء حضرت عبدالمالکؒ سے ۱۳۴۹ھ میں روایت حفص پڑھنے کے بعد شاطبی

اور مقدمۃ الجزری پڑھی۔ آپ کے ساتھ اسد خان بن مولانا جید حسن خان کانپوری اور

فیض محمد خان نے ایک ساتھ روایت حفص کی تکمیل کی۔

اعلیٰ تعلیم قاری صبغة اللہ صاحب نے سب سے پہلے کی اجرائی کی تکمیل شیخ القراء عبدالمالکؒ سے کی۔

تدریسی خدمات فراغت کے بعد مدرسہ فرقانیہ ٹونک میں بحیثیت شیخ التجوید ایک عرصہ

تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصہ مدرسہ نامریہ ٹونک میں بھی تدریس کی۔ اب

ایک جدید مدرسہ ”تجوید الفرقان“ کے نام سے قائم کیا ہے۔

”قاری صبغة اللہ صاحب خوش الحان، خوش رو اور وجہ آدمی ہیں۔ طلبہ کو بڑی

محنت سے تیار کرتے ہیں۔ حافظہ بہت قوی ہے۔ سمجھ دار اور خوش گفتار ہیں، باطن

ہیں، ادائی بہت صاف ہے، مخارج و صفات واضح ہیں، تحقیق و تدقیق میں کمال رکھتے

ہیں۔ طلبہ کی تعداد خاصی ہے۔“

مولانا قاری عبدالوہاب مکیؒ

آپ بنو زہرہ کی شاخ (بن عوف) سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیخ عبداللطیف

خاندان کے فرزند ہیں۔

۲۹۔ دسمبر، ۱۹۲۰ء کو بیت عوف، محلہ شامیہ مکہ مکرمہ میں پیدا

ولادت ہوئے۔

آپ نے مدرسۃ الفلاح مکہ مکرمہ ہی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ قرأت سبۃ عشرہ
حصولِ تعلیم کی تکمیل شیخ احمد عبدالرزاق الحجازی رئیس المقرئین فی المملکتہ السعودیہ سے

کی اور ۱۳۵۵ھ میں فراغت حاصل کی۔

آپ نے شیخ عبدالغفور مکاوی سے بھی پڑھا ہے۔ بلکہ یہ آپ کے بنیادی اساتذہ ہیں
ہیں۔ دینی علوم کی تحصیل باب العمرہ میں جو مدرسہ شریعیہ ہے اس میں تکمیل کی۔

اساتذہ میں شیخ عبدالحمید الخطیب، شیخ عبدالحسن، عمر حمدان، شیخ عبدالملک المرود اور

عبدالقادر السمع خطیب حرم سے تکمیل کی فراغت ۱۳۵۹ھ میں ہوئی ۴۷-۱۹۴۶ء میں سعودیہ

سے بیٹی آتے جاتے رہے۔

مولانا محمد صادق کے مدرسہ مظہر العلوم کھڑے کراچی میں ایک سال پڑھایا۔ اسی

تدریس دوران آپ سے حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نے بھی استفادہ کیا۔ پھر

مدرسہ اشرفیہ حبیب لائن میں تین سال تدریس کی۔ ایک سال مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

کے مدرسہ میں بھی پڑھایا۔ اس دوران مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا محمد رفیع عثمانی بھی آپ سے

پڑھتے رہے۔ ایک سال سکھر میں بھی پڑھایا سکھڑ شریف کیمبلور میں ایک سال تدریس کی۔

المدرستہ الکبریٰ مسلم مسجد کے صدر مدرس کے طور پر ۱۹۵۹ء میں چایج
صدارت تدریس لیا اور ۱۹۶۸ء تک اعلیٰ تدریس خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۱ء سے محکمہ اوقاف سے تعلق میں اور مدارس کی تعلیم و ضبط کے نگران ہیں حضرت
 قاری عبدالملک صاحب کی شاگردی کا فخر آپ کو اس وقت حاصل ہوا جب آپ ٹنڈو الہ وار
 میں تھے پھر لاہور میں قرأت عشرہ میں کتاب النشر فی القراءات العشر کے اصول بالاستیعاب حضرت
 قاری صاحب سے پڑھے، قاری صاحب کے حکم پر فراموش گئی اور دیگر کتب کا درس آج تک
 دے رہے ہیں۔ حضرت قاری عبدالملک صاحب نے بھی قراءات سبعہ عشرہ کی سند عطا
 فرمائی ہے

قاری مکی صاحب کا انداز حضرت قاری عبدالملک صاحب کو بھی بہت محبوب تھا اور
 ہے بھی محبوب آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ملک اور بیرون ملک تدریسی اور علمی خدمات
 انجام دے رہے ہیں۔ ماتم الحروف کے بھی اساتذہ میں سے ہیں۔ روایت خاص ہی میں دوسری
 سند حضرت قاری مکی صاحب مدظلہم نے عنایت فرمائی تھی۔

قاری حافظ فخر الدین

”وطن گیا، والد کا نام خیر الدین۔ نانیاں گیلانی، ولادت ۱۳۱۶ء ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ ۱۳۵۰ء و ۱۳۵۱ء دو سال مکھنویں رہے۔ قاری عبدالمالک سے پہلے ایک روایت سے اور پھر سب سے قراءت سیکھیں۔ ۱۳۴۸-۴۹ء میں ٹونک گئے۔ ۱۳۵۱ء میں مظاہر العلوم سہارنپور میں رہے۔ ۱۳۵۲ء میں دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ درس نظامی کے ساتھ بروایت حفص تجوید سیکھی تھی۔ بعد ازاں حفظ و قراءت کی تکمیل مولانا ارادت الحق حافظ و قاری عبد القدوس و حافظ فرید الدین سے کی۔ پھر ۱۳۵۶ء میں دیوبند جا کر اس کی تکمیل کی۔ اسی سال رنگون گئے۔ حاجی داؤد مرحوم کے مدرسہ تامو سے سیمبل روڈ میں ایک سال تک تجوید کی تعلیم دی۔ وہاں سے واپس ہو کر رنگون میں الگ مدرسہ قائم کر کے دو سال تک رنگون میں رہے۔ پھر حسبِ ایما مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب دارالعلوم دیوبند رنگون میں جامعہ قاسمیہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ مدرسہ مغل سٹریٹ میں تھا۔ گذشتہ جنگ میں جاپانیوں کی زیادتیوں کی افواہیں سن کر ہندوستان واپس آ گئے۔

گیا میں ایک مدرسہ قاسمیہ ۱۳۹۵ء سے قائم تھا اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ایک خلیفہ حضرت مولانا عبد الغفار نے مدرسہ اسلامیہ کے نام سے قائم کیا تھا اور زندگی بھر اس کی خدمت کی۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا خیر الدین نے اس مدرسہ کو سنبھالا اور

علم بھر اس کی خدمت کی۔

اس کے بعد اب یہ تیسرا دور ہے کہ اس کا احیاء مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ کے نام سے کر کے دارالعلوم دیوبند سے اس کا الحاق کیا گیا ہے۔ جس کی سرپرستی مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں۔ کثیر تعداد طلبہ علم سے فیض یاب اور پرورش پاتے ہیں۔ اس مدرسے نے کئی حافظ و قاری پیدا کئے اور مزید پیدا کر رہے ہیں۔ حافظ قاری فخر الدین صاحب جید حافظ اور ترتیل سے پڑھنے والے قاری ہیں۔ رمضان شریف میں دو پارے تراویح میں اور دو پارے تہجد میں سناتے ہیں۔ والہانہ انداز میں استغراقی کیفیت میں سناتے ہیں۔ جو دعائیں اور بشارتیں آتی، میں ان کو تین بار دہرا کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سامعین بھی اسی استغراق سے سنتے ہیں مستعد اور باہمت ناظم ہیں۔ انتظامی سلیقہ عداد ادا ہے۔ خوش اسلوبی سے انتظام فرماتے ہیں منکسر المزاج باحوصلہ صدق و خلوص کے پکیر ہیں۔ سلف صالحین کا نمونہ دیکھنا ہے تو لوگ آپ کی محبت سے مستفید ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس زمانہ میں بھی ایسی بزرگ بہتیاں موجود ہیں جنہوں نے حبسہ لہذا دینی تعلیم کی ترویج میں اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ " ۱۷



قاری حافظ محمد شرف الدین

” وطن گیا۔ والد کا نام مولانا خیر الدین۔ ولادت ۱۳۴۲ھ۔ یہ حافظ قاری فخر الدین کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ابتدائی تعلیم گیتا میں حافظ قاری عبدالقدوس سے حاصل کی۔ بڑے بھائی کی نگرانی میں بمقام رنگون حفظ کی تکمیل کی۔ تجوید و قرأت کی ابتداء مدرسہ قاسمیہ گیتا میں کی گئی۔ مولانا حسین احمد مدنی کی موجودگی میں ۱۳۶۳ھ میں دستار بندی کی رسم ادا ہوئی۔ پھر مدرسہ فرقانیہ جا کر قاری عبدالحمک سے قرأت سبحد کی تکمیل ۱۳۶۴ھ میں کر لی اور ایک ہی سال میں مدرسہ قاسمیہ واپس آ گئے۔ پھر مراد آباد گئے۔ وہاں سے دیوبند جا کر حفظ الرحمن صاحب کو قرآن سنایا۔ وہاں سے سہارنپور میں قاری عبدالخالق خان کو قرآن سنایا۔ ۱۳۷۱ھ میں علوم دینیہ کے درس نظامی کی تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کی۔ ۱۳۷۲ھ میں مدرسہ اشرفیہ ضلع آراہ میں مدرس ہوئے۔ پھر شیرگمائی ضلع گیتا میں ایک مدرسہ عربیہ محمودیہ قائم کیا۔ اب تک اس مدرسہ میں قرآن کریم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ایک قلیل مدت میں لوگوں کو بڑا فیض پہنچایا ہے۔ اس مدرسہ میں بہار ادا اڑیسہ کے بہت سے طالب علم اضلاع سے آ کر تعلیم پا رہے ہیں۔

قاری شرف الدین بہت سی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ اب تک جہاں بھی رہے تھوڑی سی مدت میں وہاں دینی ماحول پیدا کر دیا۔ اس وجہ سے آپ کو مقبولیت تام حاصل ہوئی ہے اور ہر جگہ لوگ ان کو یاد کرتے ہیں۔“ (ج ۱ ص ۵۰)

مولانا قاری سید حسن شاہ بخاری

آپ کی تاریخ ولادت یکم اکتوبر ۱۹۲۷ء ہے۔ والدہ، تحصیل بالنہرہ، ہزارہ میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام سید عالم شاہ بخاری ہے۔

ابتدائی تعلیم

پرائمری سکول والدہ سے پرائمری اور باڈھی ڈھونڈاں سے مکمل کیا۔ ۱۹۴۱ء کے اخیر میں لاہور گئے۔ وہاں جامعہ فتنیہ مسجد جٹاں اچھرہ میں مولانا حافظ مہر محمد صاحب سے پڑھتے رہے۔

۱۹۴۲ء میں بحین ضلع جھلم میں مولوی کرم دین صاحب کے ہاں ترجمہ قرآن مجید پڑھا، موصوف آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے! اپنی تقریر سے پہلے آپ سے تقریر کرواتے تھے اور دیہاتوں میں بھی آپ کو برائے تقریر بھیجوا کرتے تھے۔
بھین کے قریب گھاؤں — موہڑہ میں مولانا محمد عابد صاحب بخومی سے کافی پڑھا۔

اعلیٰ تعلیم

دوبارہ جامعہ فتنیہ اچھرہ لاہور پہنچے اور حضرت مولانا حافظ مہر محمد صاحب سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ ۴ ماہ کے عرصہ میں یہیں قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ کے حفظ کے ساتھ حافظ صاحب پوکھنڈی ضلع کیملیور کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب کا نام عبداللہ تھا۔ ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے مولانا غلام محمد گھوٹوی کے خاں شاگردوں میں سے تھے مولانا غلام رسول ساکن انٹھنی سے بھی پڑھا تھا۔ عمر تبدیل میں گزری۔ جامعہ فتنیہ اچھرہ کے صدر مدرس تھے۔ حضرت پیر علی شاہ صاحب کے خلیفہ تھے۔ مضبوط مدرس عالم تھے۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ / ۲۹ نومبر ۱۹۵۳ء بمقام سیرکپ کا وصال ہوا۔ اچھرہ میں دفن ہوئے۔

اساتذہ میں حافظ عبد المجید صاحب اچھروی اور قاری محمد یاز صاحب (تلمیذ قاری عبد الخالق صاحب) ہیں ۱۹۵۳ء میں دورہ حدیث حافظ صاحب سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔
 ۱۹۵۴ء میں دوبارہ دورہ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھا۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا مفتی محمد حسن، مولانا محمد رسول خان ہزاروی، اور مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علم قرأت کی تحصیل

۱۹۵۳ء میں شیخ القراء حضرت قاری عبد الماکک کی خدمت میں درالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں جانا شروع کیا، پہلے سال چھ ماہ کے عرصہ میں روایت حصص کی تکمیل کی۔ آپ کے دوسرے مدرس ساتھی — مولانا قاری اطہار احمد متھلوی، مولانا حکیم عبد الحکیم، حافظ محمد دین کیمپوری، حافظ عبد الرحمن کیمپوری اور مولوی راز محمد ایرانی تھے۔
 حضرت قاری صاحب نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”حسن شاہ! شاہی میں شریک نہیں ہوئے؟“ آپ نے عرض کیا جیسے آپ کا ارشاد ہو، دو سال میں قرأت سب سے تکمیل کی اور ۱۹۵۵ء کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر سند حاصل کی۔ اس موقع پر مولانا قاری محمد طیب قاسمی کی تقریر سے پہلے تلاوت آپ نے کی تھی، جس کی تعریف بعد میں قاری صاحب موصوف نے اپنی تقریر کے دوران ان الفاظ میں کی کہ ”ایک جتہ قاری قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قرآن مجید اتر رہا ہے“



مولانا قاری اظہار احمد تھانی

آپ ۱۹۲۶ء کو تھانہ بھون رائیہ میں جناب حافظ اعجاز احمد صاحب (دم ۱۹۵۹ء) کے گھر پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن ”امداد العلوم“ تھانہ بھون کے خادم خانقاہ حافظ اعجاز احمد صاحب سے کید فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم وہیں مولانا امیر احمد میرٹھی، مولانا محی الدین بنگالی، مولانا مدثر صاحب بنگالی، مولانا محمد شریف رحال استاد العلوم دلو بند، مولانا سراج احمد دہوی اور مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی سے حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۴۳ء میں ”مظاہر العلوم“ سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۴ء کو دورہ حدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا عبد الرحمن کاپڑوری صاحب، مولانا اسد اللہ صاحب، مولانا عبد اللطیف، مولانا قاری سعید احمد اور مولانا عبد الشکور رحال تعلیم القرآن لاہور میں سے پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

پاکستان میں تقسیم ملک کے وقت لاہور (پاکستان) آ گئے اور یہاں ۱۹۵۲ء میں ”منشی فاضل“ اور ۱۹۵۹ء میں مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۵۳ء میں استاد القرآن حضرت قاری عبدالحامد صاحب سے علم قرأت کی تحصیل شروع کی اور ۱۹۵۹ء میں قرأت عشرہ کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔

تدریسی خدمات دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں بطور استاد عربی آپ کا تقرر ہوا۔ اور دس سال تک پڑھاتے رہے۔

پھر چینیوں والی مسجد لاہور میں ۱۱ سال تک صدر شعبہ تجوید رہے۔

۱۹۶۴ء میں حضرت قاری فضل کریم صاحب بانی مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور کی دعوت پر مدرسہ تجوید القرآن میں برائے تدریس تشریف لائے۔ اب تک وہاں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ شعبہ تجوید کے سربراہ ہیں۔

صوفیانہ مسلک بیعت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ہاتھ پر ہوئی۔ مگر اصلاح کا تعلق حضرت مولانا عبدالرحمن کاپلوری سے رہا۔ پھر حضرت مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب فاضل دیوبند و مجاز بیعت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اصلاح کا تعلق رہا۔ ان سے اجازت بیعت بھی ہے۔

تصانیف آپ کی تصانیف میں ”پیغام رمضان“ مطبوعہ ۱۹۶۴ء صفحات ۱۵۰
 ”اخلاق محمدی“ (۴۰۰ احادیث کا مجموعہ) مطبوعہ ۱۹۶۴ء ”شرح شاطبی اردو“ ۴۰۰ صفحات
 بڑا سا نثر مطبوعہ ۱۹۶۵ء ”شرح مقدمۃ الجزری ہیں۔ تیسیر التجوید، جمال القرآن کے حواشی اور
 مقدمہ جزری کا اردو ترجمہ بھی آپ کے قلم سے چھپ چکے ہیں۔ حضرت عثمانؓ مصری مصنف
 کی کتاب کا اردو ترجمہ آپ کے قلم سے ہے۔ مگر نام بعد الصمد صادم کا ہے۔ اسی طرح
 عباس محمود العقاد کی کتاب ”اللہ“ کا ترجمہ بھی آپ کے قلم سے ہے۔ مگر نام انہی کا ہے۔
 ”رحمتہ الاسلام للنساء“ عربی کا ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

المراثية مع مادة التاريخ على رحلة امام القراء حضرة فضيلة

الاستاذ القارى عبد المالك قدس سره

قد مضى شيخنا عن الدنيا
 لحق الله في حجاب النور
 يا من انبث ذكره في الدهر
 قدس الله قبول المعمود
 كنت في الوقت ثاين الجزرى
 جبلا شاهقا وراء صخور
 ساد تحت التراب من هوى
 ش نظيفا معطوا ذان نور
 فدخل اليوم مسند التجويد
 فنادى شيخ محبوب مغفور

القصيدة النعتية

~~~~~

انشقت الظلمات عن وجه الزمن  
وتنورت سبل الضلام بمقدم

يا من قصيدة مدحه ماجورة  
وعلوم شروعه شفاء المقسم

يا من نشيدة مدحه يترونم  
في حفلة العباد صل وسلم

لما علوت الى الحراء تشوقاً  
ودعوت ربك يا كريم المسم

فافضت بحر نبوة ورسالة  
وملات كل جوانب في العالم

ارجو بحضرة قدسك المتعطي  
ان لا تخينني بجود انعم

صلى على الله يا خير الورى  
ما دامت الازهار بالمتبسم

## حضرت قاری محمد شریف

خاندان قاری صاحب کے آباء اجداد پونڈہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے امرتسر میں جا آباد ہوئے، تجارت پیشہ تھے۔ آپ کے والد صاحب کا نام مولانا بخش ہے۔  
ولادت آپ کی ولادت ۱۳۲۱ء میں ہوئی، آپ اپنے والد کے منجھلے فرزند ہیں۔ بچپن میں پیچک کا شکار ہوئے اور بینائی سے محروم ہو گئے۔ ایک آنکھ میں البتہ معمولی روشنی تھی جو آخر تک رہی۔ اس سے آپ گھڑی کا وقت دیکھ لیتے، دستخط کر لیتے اور راستہ میں تنہا بھی چل سکتے تھے۔  
ابتدائی تعلیم قاری حافظ خدا بخش کا ننھوی مراد آبادی سے امرتسر میں شیخ بڑھے کی مسجد میں حفظ کی تکمیل کی۔ انہی سے مکمل قرآن مجید کا ترجمہ بھی یاد کیا۔

تین سال تک نابینا اسکول میں دستکاری اور صنعت سیکھتے رہے۔

صرف دو سو اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مولانا مفتی عبدالرحمن ہزاروی سے پڑھیں۔ چار سال تک ان سے پڑھتے رہے۔

تجوید اس کے بعد تجوید سیکھنی شروع کی۔ پہلے قاری فضل کریم صاحب سے روایتِ حفص

---

لے حافظ قاری عبدالرحمان صاحب چھتہ بازار لاہور کی روایت ہے کہ میں نے خود حضرت قاری

صاحب کو کرسیاں بننے دیکھا ہے۔



”وطن : امرتسر : والد کا نام شیخ مولا بخش ، ولادت ۱۳۴۱ھ میں ہوئی۔

حافظ قاری خدا بخش کی نگرانی میں حفظ کی تکمیل کی۔ تین سال تک نابینا سکول میں دستکاری اور صنعت سیکھتے رہے۔ اس کے بعد تجوید سیکھنی شروع کی۔ پہلے قاری فضل کریم سے بروایت سیدنا حفص قرآن مجید ختم کیا۔ پھر مدرسہ فرقانیہ (کھنؤ) جا کر قاری عبدالمعبود سے اولاً ایک روایت سے اور پھر سب سے قراءت کی تکمیل کی، پھر قاری محمد عبداللہ مراد آبادی کے پاس جا کر امتحان دیا۔ کامیابی کے بعد شیخ القراء حافظ ضیاء الدین احمد سے استفادہ کرتے رہے۔ پہلے چند روز آپ نے کراچی میں قیام کیا۔ اب لاہور میں بڑی مستعدی سے کام کر رہے ہیں۔ ۱۳۵۵ھ سے اب تک درس کا سلسلہ جاری ہے۔ ”تذکرہ قاریان ہند ج ۱ ص ۱۷۷“ آپ نے حضرت قاری عبداللہ صاحب کے بھی سب سے عشرہ کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔

تدریسی خدمات حضرت قاری فضل کریم صاحب کی سعی سے ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو بحیثیت استاد تجوید مسجد چینیالوالی میں آپ کا تقرر ہوا۔ فروری ۱۹۴۶ء میں گڑھی شاہو منتقل ہوئے اور وہاں پڑھاتے رہے۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں گڑھی شاہو سے آسٹریلین مسجد میں تدریس کرنے لگے۔ یہاں سے چینیالوالی مسجد جا کر کچھ عرصہ مشق بھی کراتے رہے۔

سیٹھی محمد یوسف کے ارشاد پر ایک عظیم الشان مدرسہ کے قیام کے لیے اگست ۱۹۵۱ء میں کراچی چلے گئے، وہاں کوئی مناسب جگہ نہ مل سکی۔ اسی دوران قاری فضل کریم صاحب نے قاری مقبول الہی کے ذریعہ آپ کو کراچی سے لاہور بلا لیا۔ آپ ۱۰ جنوری ۱۹۵۲ء کو کراچی سے روانہ ہوئے اور جب ۲۰ جنوری کو مسجد نور کو پہنچے تو گمراہیوں میں قاری صاحب سے ملاقات کی تو حضرت قاری صاحب بہت خوش ہوئے۔

تجوید القرآن میں ۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء کو مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور کے شعبہ تجوید کا حضرت قاری کریم بخش صاحب شاہجہان پوری / امرتسری / لاہوری کی صدارت میں باقاعدہ افتتاح ہوا۔ اور آپ صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ آپ نے ۶ مارچ ۱۹۶۲ء تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

شعبان ۱۳۷۱ھ میں آپ نے دارالقرآن بنی بلاک ماڈل ناؤن لاہور کی بنیاد رکھی اور زندگی کی آخری گھڑیوں تک پڑھاتے رہے اور تلامذہ کی کثیر تعداد تیار کی جو آج ملک اور بیرون ملک تدریسی خدمات انجام دینے میں مصروف ہے۔

وصال آپ کا ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو وصال ہوا اور میانی شریف کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ قبر بالکل بربل سڑک ہے اور بالکل کچی ہے۔

اولاد میں آپ کے تین فرزند قاری محمد اشرف، حافظ خالد محمود حافظ اور قادی ہیں اور دو بچیاں ہیں۔

صوفیانہ مسلک آپ مرشدی مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور پھر انہی کے ہور ہے۔

ممتاز تلامذہ آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ مولوی ثناء اللہ مدرس حدیث عبد الحکیم۔ ملتان

۲۔ مولوی محمد یوسف مدرسہ تعلیم الاسلام میاں علی شیخ پورہ

۳۔ قاری فضل الہی۔ افریقہ

۴۔ قاری عبد الرتب۔ ملتان

۵۔ قاری فیوض الرحمان۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ اور ان کے خلفاء (ص ۲۵۵)



- ۵۔ قاری عبدالسبحان - ڈیرہ اسماعیل خاں
  - ۶۔ قاری عبدالکرم - شجاع آباد، ملتان
  - ۷۔ قاری محمد عمر ہزاروی - ماڈل ٹاؤن لاہور
  - ۸۔ قاری محمد امیر صاحب - ماڈل ٹاؤن لاہور
  - ۹۔ قاری غلام رسول - ماڈل ٹاؤن لاہور
  - ۱۰۔ قاری محمد امیر - سرگودھا
  - ۱۱۔ قاری شبیر احمد - ماڈل ٹاؤن لاہور
  - ۱۲۔ قاری محمد فیاض ہزاروی - قاری سیدہ خطیب جامعہ مکہ منڈی پشاور
  - ۱۳۔ قاری فضل ربی - مانسہرہ
  - ۱۴۔ قاری تقی الاسلام - ریاض
  - ۱۵۔ مولوی قاری محمد اکبر شاہ کشمیری - حال مدرس الحرم مکتی، سعودی عرب
  - ۱۶۔ قاری شجاع الملک کشمیری - مدرسہ تعلیم القرآن باغ ضلع پونچھ
  - ۱۷۔ مولوی قاری غلام یحییٰ مدرسہ تجوید القرآن خانوخیل ڈیرہ اسماعیل خان
  - ۱۸۔ قاری محمد شریف - لاہور
  - ۱۹۔ قاری حاجی محمد - مظفر گڑھی
- روایت حفص کے چند فارغین

۱۔ قاری محمد شتاق - اعظم کلاتھ مارکیٹ لاہور

۲۔ اے ایک کے نام تقریباً قاری محمد سلیمان حال خطیب مکتی مسجد اربعہ ایم سی ٹیکسلا کے مضمون سے ماخوذ ہیں

۲- قاری حافظ افضل الحق بن حضرت قاری فضل کریم صاحب فضل بارڈویر  
بیڈن روڈ - لاہور

۳- قاری محمد امیر نابینا معبد القرآن - مانسہرہ

۴- قاری نور الحق، مدرسہ ٹیلی فون فیکٹری - ہری پور

۵- قاری عبدالرشید (نومسلم) لاہور

۶- قاری عبدالرشید سابق مدرس مسلم مسجد - لاہور

۷- قاری سراج احمد، مدرسہ صولیت - مکہ مکرمہ

۸- قاری اقبال جاوید، مدرسہ صولیت - مکہ مکرمہ

۹- قاری محمد راشد لاہوری - حال ابہا - سعودی عرب

۱۰- قاری شمس الدین - ریاض

۱۱- قاری مولوی غلام شافی - ریاض

۱۲- حافظ قاری محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور

۱۳- قاری محمد سلیمان - حال مکی مسجد ایچ ایم سی - ٹیکسلا

۱۴- قاری محمد اقبال - ہری پور ہزارہ

۱۵- قاری عبدالحمید سائیں - مانسہرہ ہزارہ

۱۶- قاری محمد سرور ساکن تاجک - حال انگلینڈ

۱۷- قاری فضل باری - سوات

۱۸- قاری محمد شریف - سرگودھا

۱۹- قاری محمد یعقوب جامعہ اسلامیہ - صدر بازار پشٹی

- ۲۰۔ قاری محمد الیاس - سیالکوٹ
- ۲۱۔ قاری محمد یوسف - اچھرہ لاہور
- ۲۲۔ قاری محمد سعید استاد تجوید القرآن موتی بازار لاہور
- ۲۳۔ قاری غلام محمد کیمبلپوری
- ۲۴۔ قاری مسافر جان استاد مدرسہ تجوید القرآن لاہور
- ۲۵۔ قاری حضرت گل، مدیر ترجمان حق - بنوں
- ۲۶۔ قاری محمد صدیق - فیصل آباد
- ۲۷۔ قاری عبدالقوی - مدینہ منورہ
- ۲۸۔ قاری عبدالجید ایبٹ آبادی - حال بیشہ سعودی عرب
- ۲۹۔ قاری قاضی محمد بشیر - بریدہ - سعودی عرب
- ۳۰۔ قاری محمد سلیم کراچی، بریدہ - سعودی عرب
- ۳۱۔ قاری اشفاق الہی سابق مدرس تجوید القرآن - لاہور
- ۳۲۔ قاری حاجی محمد نذیر استاد مکی مسجد انارکلی - لاہور
- ۳۳۔ قاری عبید اللہ سواتی
- ۳۴۔ قاری محمد حیات ڈیرہ
- ۳۵۔ قاری مولوی محمد یونس مانسہرہ
- ۳۶۔ قاری عبدالرحمن - حافظ شوکینی، چھتہ بازار لاہور
- ۳۷۔ قاری محمد اقبال ایبٹ آبادی
- ۳۸۔ قاری محمد زبیر ایبٹ آبادی

# چند وہ جنہوں نے آپ سے پڑھا مگر تکمیل آپ سے نہیں کی

۱۔ قاری حافظ خلیل الرحمن مظفر آبادی۔ حال مدینہ منورہ

۲۔ قاری حافظ حبیب الرحمن ٹیچر ماڈل ہائی سکول ماڈل ٹاؤن لاہور

۳۔ قاری فیوض الرحمن ایم اے عربی علوم اسلامیہ اردو، فارسی، صدر شعبہ

اسلامیات گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

۴۔ احسان الحق صاحب سیشن جج لاہور

## تصنیفی خدمات

۱۔ تجوید الصبیان المعروف بہ زینۃ القرآن کتابی سائز ۱۱۶ صفحات، اس کے کئی

ایڈیشن چھپ کر مقبول ہوئے۔

۲۔ معلم التجوید  $۲۲ \times ۱۸$  سائز کے ۲۴۸ صفحات

۳۔ المقدمة الشریعیۃ فی شرح المقدمة الجزریۃ  $۲۲ \times ۱۸$  سائز کے ۳۶۰ صفحات۔

۴۔ ایفاح البیان حاشیہ جمال القرآن بڑا سائز ۹۶ صفحات

۵۔ سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الصاد

۶۔ فوائد مکیمہ مع حاشیہ توضیحات عرصینہ

۷۔ المقدمة الجزریۃ (ترجمہ) صفحات ۸۸

۸۔ مکمل قرآنی قاعدہ ۶۴ صفحات کتابی

۹۔ اشرفی قرآنی قاعدہ کسں بچوں کے لیے

۱۰۔ ہجاء القرآن مع طریقہ تعلیم الصبیان

۱۱۔ الکلام المفید فی اجراء التجوید

# حضرت مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

## خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

”شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے خلیفہ مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب سابق مدرس جامعہ مدنیہ مورخہ ۱۳۰۳ھ - ۱۱۰۱ھ بروز ہفتہ انتقال کر گئے آپ کی وفات سے مشائخ و علماء اور قراء و اطباء ایک بہت بڑے شیخ، جید عالم، بہترین مجروح قاری اور طبیب سے محروم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔“

حکیم صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے حضرت شیخ الاسلام سے بیعت ہونے کا حکم ان کے ارشاد کے مطابق انہیں خواب میں حق تعالیٰ سے ہوا تھا متعدد علماء آپ سے بیعت ہوئے جن میں حفصہ مولانا قاری اطہار احمد تھانوی صاحب اور مولانا قاری محمد رفیع صاحب شامل ہیں روحانی منازل نہایت محنت و مشقت کے ساتھ طے کیں جن کا کچھ اندازہ آپ کی ایک غیر مطبوعہ کتاب ’نہایت سادگی‘ سے کیا جاسکتا ہے آپ واقعی شیخ کامل تھے۔

مقام ولادت و تعلیم : آپ کی پیدائش محلہ پٹی سادات، موضع گھنگیر و ضلع مظفرنگہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی میاں عبدالعزیز تھا ابتدائی کتابیں اپنے

ضلع کے متفرق مدارس میں پڑھیں اور پانچ سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی دورۂ  
حدیث حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے زمانہ صدارت میں پڑھا بخاری و ترمذی  
حضرت شاہ صاحبؒ سے، البودادہ حضرت میاں سید صغیر حسین صاحب دیوبندی  
سے، مسلم شریف حضرت علامہ عثمانیؒ سے، حمد اللہ، صدرا، توضیح تلویح، بیضاوی  
رسالہ میرزا ہد اور رشید یہ حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ سے پڑھیں۔

حضرت حکیم صاحب جدید عالم تھے علوم و فنون بڑی کاوش سے حاصل کیے آپ  
نے معاش کے لیے شعبہ طب کو اختیار فرما رکھا تھا طبی مشغلہ اختیار کرنے کے باوجود  
دینی کتابیں مضبوط اور محفوظ تھیں بعض اوقات ایسے علمی نکات بیان فرماتے کہ ایک طبیب  
کی زبان سے سن کر حیرت ہوتی تھی۔

فن طب : آپ اعلیٰ درجے کے طبیب تھے نفسی، شرح اسباب اور سیدی  
آپ نے حضرت شیخ الہند کے برادر بزرگ مولانا حکیم محمد حسن صاحب سے پڑھی تھیں۔  
فراغت کے بعد حکیم صاحب دہلی تشریف لے گئے اور حکیم جلیل الدین صاحب مرحوم  
سے حیاتیات قانون وغیرہ دوبارہ پڑھیں حکیم جلیل الدین صاحب، حکیم حافظ محمد جلیل  
خاں صاحب کے بھی استاد تھے آپ نے حکیم جلیل خاں صاحب کے گھر رہ کر حکیم جلیل  
خاں صاحب کے بڑے بھائی حکیم طفر خان مرزا سے تجربہ کیا چار سال دہلی میں  
قیام کر کے آپ لاہور آئے اور تقریباً چالیس سال مطب کیا۔

فرماتے تھے ”حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے  
پوچھا کہ فن طب کی جامع اور مختصر کتاب کون سی ہے میں نے موجز القانون کے  
متعلق عرض کیا کہ نہایت جامع بھی ہے اور مختصر بھی۔ آپ نے موجز کا بہت عمدہ نسخہ

خرید لیا۔ اور فرمایا۔ میں آپ سے طب پڑھنا چاہتا ہوں۔ شاگرد ہونے کی وجہ سے میں متاثر تھا حضرت نے اشکال دور کر دیے میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور ایک سال کے عرصے میں انہیں موجزن القانون پڑھا دی۔

حضرت مولانا محمد رسول خانؒ، حضرت حکیم صاحب کا بہت اکرام فرماتے تھے۔ جب حکیم صاحب جامعہ اشرفیہ جاتے تو حضرت اٹھ کر معانقہ فرماتے اور دالپی پر رخصت کرنے کے لیے اصرار کے ساتھ چند قدم باہر تشریف لاتے تھے اس لحاظ سے اطباء میں آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے بالمشک و شبہ آپ فاضل، ماہر حاذق اور نہایت تجربہ کار طبیب تھے۔ تشخیص میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور تدریس میں بھی جامعہ مدینہ لاہور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد مباہا صاحب مدظلہم کے زیر اہتمام علوم و فنون خصوصاً فن طب کئی برس تک پڑھاتے رہے۔ آخر کمزوری کی وجہ سے سلسلہ تدریس منقطع ہوا۔ حکیم صاحب حضرت مستم صاحب مدظلہ سے بہت عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ دونوں ایک ہی شیخ کی روحانی اولاد اور خلیفہ تھے۔ حکیم صاحب نے روایت حفص اور قرارات سبعہ استاد القرا حضرت مولانا قاری عبدالاکبر صاحب سے پڑھنی تھیں آپ عمدہ مجدد اور قاری تھے۔ روایت حفص اور سبعہ میں طلبہ کا امتحان بھی لیتے رہے۔ آپ کی چند کتابیں راقم کے پاس ہیں جن میں شاطبیہ بھی ہے۔ اس کتاب کے بین السطورین اور حواشی آپ کے علم و فن کی شہادت دے رہے ہیں فرمایا کرتے تھے ہماری جماعت میں قاری اظہار احمد غفاری اور قاری سید حسن شاہ جیسے اہم قراء شامل تھے۔

حالات : حکیم صاحب کی عمر تقریباً اسی برس تھی بمقامِ عرسہ ہوا کہ بدن میں

منع آگیا تھا اور نظر کمزور ہو گئی تھی۔ فیض باغ لاہور میں آپ کا مطلب تھا طبیعت کچھ ناساز تھی تو آپ کے صاحبزادگان آپ کو چونگی ملتان روڈ لے آئے۔

بیماری کا حال سن کر قاری محمد عبدالغنی صاحب اور راقم عیادت کے لیے ملتان روڈ حاضر ہوئے اپنے نام بتائے تو بہت خوش ہوئے ہماری حاضری اس مرتبہ دیر کے بعد ہوئی تھی۔ اس لیے آپ شکوہ فرمانے لگے تو ہم نے عرض کیا حضرت اطلاع نہ ہو سکی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے ”مجھے لوٹ لو“ راقم کو بھی، حضرت کی خدمت کا شرف وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوتا رہا۔ حضرت نہایت شفیق اور فیاض تھے بہت کچھ عنایت فرمایا جیتے تھے لیکن اپنی محرومی ساتھ ہی رہی۔

تہیدستان شہمت را چہ سود از تہبہ کامل

کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

بایں سہ خدمت میں حاضری سے حق تعالیٰ نے فن طب میں مجھے حضرت سے وہ نفع پہنچایا جو اپنی محنت سے میں دس سال میں حاصل نہ کر سکتا تھا۔ اس فن میں حزب رہنمائی فرمائی۔ اور پھر ایسے نہایت مجرب دماغی اور صدری نسخے عنایت فرمادیے جن سے بہت سے اطباء محروم ہیں فرمایا کرتے میری باتیں توجہ سے سنو۔ عبدالحمیم کے اندر سے حکیم جمیل الدین بول رہے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے۔“

---

یہ مضمون براہِ محرم مولانا قاری حکیم محمد عارف صاحب نے حکیم عبدالحمیم کے وصال پر لکھا تھا اور انوارِ مدنیہ میں شائع ہوا تھا۔



”حضرت اقدس مولانا ابید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے غلیفہ حضرت مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب ۱۱ شوال ۱۳۹۳ھ، ۱۷ نومبر ۱۹۷۳ء بروز شنبہ پانچ بجے صبح کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ حضرت حکیم صاحب عالم باعمل اور قرارات سبعہ کے قاری تھے معرفت الہیہ کے ساتھ ذوق تحصیل علوم اس درجہ غالب تھا کہ اس پرانہ سالی میں حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تجوید و قرارات سیکھنے کے لیے باقاعدہ ان کے پاس داخلہ لیا اور دو سال فیض باغ سے پرانی انارکلی روزانہ پیدل آجاتے رہے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ان دو سال میں میرے صرف دو نافع ہوئے ہیں۔ فرمایا ایک دن تو ایسا ہوا کہ میں گھر سے چلا اسٹیشن تک پہنچا تھا کہ سخت بارش شروع ہو گئی اور اتنی دیر رہی کہ سہن کا وقت نکل گیا اور دوسری دفعہ غالباً علالت کی وجہ سے نافع ہوا۔

اسے کہے بعد ہفتہ میں ایک دن اپنے استاد قاری عبدالمالک سے ملنے جایا کرتے تھے وہاں پہنچنے کا جو وقت تھا ٹھیک اس وقت پر پہنچتے تھے یہ واقعہ کوئی دور کی بات نہیں ہے اور بلاشبہ یہ شوق حصول علم اور پابندی اور استاد سے تعلق ہم سب کے لیے خصوصاً طلبہ کے لیے قابل تقلید مثال ہے۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت درجہ شاکر و صابر تھے۔ ہمیشہ گذارات عسرت سے کرتے لیکن کہیں اپنے مقام و قار سے نیچے نہیں اترے۔ ایک عیالدار شخص کے لیے یہ نہایت ہی مشکل کام ہے خصوصاً جبکہ کنبہ بھی بڑا ہو۔ اچھے اچھے ان حالات میں پھنس جاتے ہیں بلکہ ان میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ شدائد مشکلات کے وقت انہیں صبر و شکر میں خاص لذت آتی تھی۔

ان کے مزاج میں محبت تھی انس تھا مہمان نوازی تھی۔ یہ تمام اوصاف ایک سبق سیکھنے والے کے لیے درس ہیں۔

آپ نے فلسفہ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور منطق حضرت مولانا رسول خان صاحب سے پڑھی تھی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اساتذہ دارالعلوم دیوبند میں ان فنون میں ان دونوں حضرات کا کیا مقام تھا لیکن حضرت حکیم صاحب کو ایک خصوصی فضیلت یہ بھی حاصل تھی کہ حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے علم طب باقاعدہ سبقاً حاصل کیا جس زمانہ میں حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت رسول خان صاحب نے مجھے فرمایا کہ حکیم صاحب نے مجھ سے تمام اسباق سمجھ کر پڑھے ہیں اور بہت اچھے عالم ہیں حکیم صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میری نظر غراب ہو گئی کہ بغیر چشمہ کے پڑھنا مشکل ہوتا تھا تو ایک نسخہ جو خود ہی ترتیب دیا تھا صرف چار چار رتی صبح و شام استعمال کرنے سے نظر بحال ہو گئی اس کے اجزاء یہ ہیں۔

پوست ہلید زرد، پوست ہلید کابل، پوست ہلید سیاه، آملہ خشک، بنجیل اجوائن ویسی، زیرہ سفید، فلفل سیاه، فلفل دراز ایک ایک تولہ، شاہتوت، چراستہ تین تین تولے، کشنیز خشک، سٹخود دس پانچ پانچ تولے۔

حکیم صاحب موصوف نے ان سے جو کچھ اور اجزاء بڑھ کر خودی صوب بھی تجویز فرما رکھی تھی۔

آخر میں پھر مسک الختام کے طور پر حضرت مولانا رسول خان صاحب کے کلمات جو انہوں نے مجھے ایک گرامی نامہ کے آخر میں تحریر فرماتے تھے نقل کرتا ہوں۔ دیکھیے کن

القاب سے وہ ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

مولانا قاری و حاوی علوم عقلیہ و نقلیہ و جامع طب ابن سینا و ماہر حکمت جالنا و مخدونا  
مولوی عبدالحکیم صاحب بارک اللہ فی عمرہم و علومہم کی خدمت میں السلام علیکم فرمادیں۔  
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی اولاد کو ان کا خلف صالح بنا دے اور ان  
کی تربیت و کفالت فرمائے اور حضرت حکیم موصوف کو اپنے یہاں جنت الفردوس  
عطا فرمادے۔ آمین۔ ۱



## قاری حافظ محمد نعمان بلیاوی

وطن بلیا۔ والد کا نام علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، غلام ربانی تاریخی نام ہے۔ ولادت  
۱۳۳۲ء میں ہوئی۔ شیخ القراء حفظ الرحمن و قاری عبدالمالک سے بروایت حفص تجوید سیکھی  
ڈابھیل میں بھی تجوید کا درس دیا ہے۔ گزشتہ چار سال سے دیوبند میں شیخ التجوید ہیں۔ (ج ۲ سنہ ۱۴۰۲)

# قاری محمد عبدالماجد ذاکر

پیدائش جون ۱۹۳۶ء - مقام پیدائش کھنؤ  
ابتدائی تعلیم:

مدرسہ عالیہ فرقا نیہ کھنؤ یوپی میں قرآن پاک حفظ کیا۔ ۲۵ پارے حفزۃ والد صاحب سے اور ۵ پارے حافظ عبدالشکور صاحب مرحوم سے۔ بڑے بھائی حافظ قاری محمد طاہر صاحب شریک درس تھے۔ حافظ عبدالشکور صاحب مرحوم سے خوشخطی بھی سیکھی اور ابتدائی دینیات بھی انہی سے سیکھی۔

۱۹۴۸ء میں حفظ قرآن پاک سے فراغت حاصل کی اور مدرسہ عالیہ کے سالانہ جلسہ تقسیم سناد میں حفظ قرآن کی سند اور دستار حاصل کی۔

۴۹ء اور ۵۰ء میں مولوی عبدالغفور صاحب مرحوم سے فارسی کی کتب اور کتباں بولتاں اور عربی کی ابتدائی کتب آمدنامہ نحو میر صرف میر وغیرہ پڑھیں۔

۵۰ء کے آخر میں پاکستان کی طرف ہجرت کی اور ٹنڈوالہیار میں قیام کیا۔ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہیار میں ابتدائی درجات میں داخل ہو کر عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ دو سال تک ٹنڈوالہیار میں قیام رہا پھر دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں قاری اظہار احمد تھانوی اور حکیم عبدالحکیم صاحب مرحوم سے استفادہ کیا۔ مزید تعلیم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں لیتے رہے دارالعلوم اسلامیہ میں حضرت قاری عبدالملک مرحوم سے ۵۲ء میں روایت حفصہ میں اور ۵۴ء میں قرأت سبعہ میں سند فراغ حاصل کی۔ مدینہ مسجد پرانی انارکلی میں منعقد جلسہ تقسیم سناد میں حضرت والد صاحب اور حضرت قاری محمد طیب صاحب کے ہاتھوں ان کی دستار بندی ہوئی۔

۵۴ء اور ۵۵ء میں مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور میں حضرت قاری فضل کریم صاحب

مرحوم کی خواہش و ہر ارادہ پر تجویز کی تعلیم دیتے رہے۔ مختلف لہجوں میں مشق و صدر کی خدمات انجام دیتے رہے اسی دوران حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم سے شرح جامی پڑھی۔ مولانا محمد تقی عثمانی شریک درس تھے۔

۵۶ء میں ملتان مدرسہ عربیہ قاسم العلوم کچیری روڈ میں متوسطات کی تعلیم کے لیے داخلہ لیا ایک سال وہاں رہے حضرت مولانا عبد المجید صاحب لائیکچرر سی مقامات صریحی وغیرہ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مختصر المعانی وغیرہ پڑھیں۔

۵۷ء میں کراچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن میں داخلہ لیا۔ جلالین شریفین، ہدایہ اور دیگر کتب یہاں پڑھتے رہے۔ ۵۸ء میں موقوف علیہ دورہ کی کتب پڑھیں اور حضرت مولانا محمد حامد صاحب برادر اکبر مولانا بدر عالم صاحب حضرت مولانا محمد ادریس صاحب حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹولکوی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

تدریسی خدمات۔

مدرسہ مرکزی دارالتربیل لٹن روڈ میں بحیثیت صدر مدرس۔ دو سال تک خدمات انجام دیں ۶۳ء میں حجاز مقدس آگئے یہاں مکہ مکرمہ میں ایک سال پھر بیدہ التقصیم میں دو سال تک رہے اس کے ۶۶ء میں ریاض آگئے۔ ۶۷ء سے لیکر اب تک ریاض کے مدارس تحفیظ القرآن میں بحیثیت کبیر المدرسین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں سال گذشتہ سے جلالۃ الملک خالد المعظم کی جامع مسجد میں امام و خطیب کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر ڈال دی گئیں۔



# قاری حافظ مہدی حسن بخاری قاری مشر

مولد بخارا۔ والد کا نام ایشاں داملمہ سید مدین

ولادت ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۶۲ھ میں عالم کی سند حاصل کی۔ پھر مدرسہ تجوید القرآن میں ایک سال رہ کر حفظ کی تکمیل کی۔ پھر مدرسہ فرقانیہ مکہ میں قاری عبدالحاکم سے۔ اولاً ایک روایت سے تجوید سیکھی۔ پھر تین سال میں سب سے عشرہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۴۶ھ میں سند لی گئی۔ وہاں سے مونگیری اور پھر کلکتہ گئے۔ جہاں تین چار سال تک قیام کیا۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ سے پھر مونگیری آکر مدرسہ تجوید القرآن میں شیخ التجوید مقرر ہوئے۔ تجوید و حفظ کا کام آپ کے سپرد ہے۔ اسی میں سرگرم رہتے ہیں۔ بڑے علوم و محنت سے پڑھاتے ہیں۔ قاری صاحب میں تلبیت بہت ہے۔ زہد و تقویٰ کے حامل ہیں۔ رمضان شریف میں تراویح و تہجد میں قرآن شریف سناتے ہیں۔ پڑھتے وقت تجوید و ترتیل کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ بڑے دیندار ہیں۔ آپ کو دیکھ کر بزرگان سلف کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

(تذکرہ صفحہ ۴۶)



## مولوی قاری ریاست علی مکنوئی

والد کا نام حکیم نعمت علی، وطن مکنو، ولادت ۱۳۳۶ھ - مدرسہ عالیہ فرقانیہ مکنو میں تعلیم پائی۔ قاری محمد نذر صاحب نابینا سے سند لی۔ پھر قاری محمد سلیمان بھوپالی و قاری بختیار خان بھوپالی کو سنایا۔ پھر قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادی کو سنایا۔ قاری عبدالرحمن مکی کو بھی سنایا۔ پھر قاری عبدالحاکم سے پڑھا۔ رنگون میں مدینے کے قاری سے بھی سیکھا۔ کلکتے کی سورتی مسجد میں ۱۵ سال، رنگون میں ۴ سال، نہر ساپوری مسجد میں ایک سال، مامسا مسجد میں تین سال، دہلی کی صدر مسجد میں ایک سال اور مچھلی بازار کاہنور کی مسجد میں پانچ سال امامت کی۔ بھتی آئے ہوئے دس سال ہوئے ہیں۔ اب مسجد نواب ایاز میں امامت شروع کی ہے۔

آواز میں سنجنگی ہے۔ جہیر الصوت، خوش الحان، حفظ بہت عمدہ ہے، کسی قاری کی بھی نقل بہت اچھی کرتے ہیں۔ بزرگوں کے صحبت یافتہ ہیں۔

جس وقت قاری ریاست علی صاحب کلکتے میں تھے اس وقت ۱۳۴۲ھ میں قاری عبدالحاکم رنگون جانے کے لیے ان کے پاس مقیم رہے اور ان سے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ جھنڈے خان پنجابی جو بڑے بار مونیہ ماسٹر ہیں اور جو حیدر آباد وکن میں بھی رہ چکے ہیں۔ وہ آج کل یہاں ہیں، ان کا پتہ لگایا جائے۔ میں ان سے ملوں گا۔ قاری ریاست علی صاحب

نے ان کا پتہ چلایا۔ اور جا کر ان سے کہا کہ قاری عبدالمالک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، آپ کوئی وقت دیں۔ قاری صاحب کا نام سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ کل دس بجے دن آپ انہیں میرے پاس لے آئیں۔ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ تناول فرمائیں غرض دوسرے روز قاری عبدالمالک صاحب اور قاری ریاست علی صاحب ان کے مکان پر پہنچے۔ تھوڑی دیر میں ایک پارسی نے آکر ہارن بجایا تو خان صاحب نے کہا کہ ایک پارسی مجھ سے ہارمونیم سیکھنے آتا ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو اسے بلا لیا جائے۔ غرض وہ پارسی آیا۔ خان صاحب کی فرمائش پر اس نے ہارمونیم سنایا جس سے حاضرین معظوظ ہوئے۔ قاری عبدالمالک صاحب نے کہا کہ میں قرأت سناتا ہوں اور آپ دیکھیں کہ آپ کے مُراد راگ سے علیحدہ تو نہیں ہوتا۔ چنانچہ قاری عبدالمالک صاحب ایک رکوع سنا رہے تھے اور وہ پارسی راگ کے فن سے اسے جانچ رہا تھا اور میں تجوید کے اصول سے۔ رکوع سنانے کے بعد اس پارسی نے کہا کہ کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ مگر میں جس راگ میں کہوں اس میں سناؤ۔ چنانچہ اس کی فرمائش پر قاری صاحب نے ایک دوسرا رکوع پڑھا۔ اس پر اس پارسی نے بڑی داد دی کہ یہ بات بہت مشکل تھی۔ اس کے بعد جھنڈے خان کے کمالات دیکھنے کا بھی موقع ملا۔

قاری ریاست علی صاحب کا بیان ہے کہ مجھے پہلی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ قاری عبدالمالک صاحب کو راگ میں اتنی دستگاہ ہے۔

اپنے استاد قاری عبدالمالک کی تعریف میں یہ بھی کہا تھا کہ ان کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا۔ خوب تلاوت کرتے تھے اور مجھے بھی تاکید کی تھی کہ خوب پڑھا کرو۔ جتنا زیادہ پڑھو گے اتنا ہی وہ تم پر کھلے گا۔ چنانچہ تاکید کرتے تھے کہ رات میں ایک قرآن مجید ختم کر لیا کرو۔ اکثر اوقات رات میں مجھے قرآن پاک پڑھنے کا موقع ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ استراحت کر رہے ہیں۔ مگر جہاں غلطی ہوئی اور اونہہ کہا۔ یہ عجیب خوبی تھی۔“ (صفحہ ۹۹)



## مولانا قاری خدا بخش

آپ بحیرہ تحصیل پنڈدادنخان، ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔

قرأت بعد عشرہ کی تکمیل قاری محب الدین احمد صاحب سے کی۔

تدریس فراغت کے بعد مسجد نور امرتسر میں درجہ حفظ میں تدریس کی۔ پھر قیام پاکستان کے بعد جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد چند اور مدارس میں بھی تدریس کی۔ لاہور میں قاری عبد المانک صاحب سے بھی استفادہ کیا۔ دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور کی سالانہ کارگزاری کے صدر دارالعلوم اسلامیہ کے فضلاء و مستفیدین میں آپ کا ذکر ہے۔ ۲۱ رمضان ۱۳۸۳ھ میں وفات پائی۔ ماڈل ٹاؤن جی بلاک کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اولاد دو بچیاں اور دو بچے آپ کی یادگار ہیں۔ حافظ اللہ بخش اور اسد ہیں۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور خدمت تدریس میں مشغول ہیں۔

وصال ۲۱ رمضان ۱۹۶۹ء کو آپ کا وصال ہوا اور ماڈل ٹاؤن کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

سوانحی تذکرہ کا مواد قاری صاحب کے شاگرد قاری محمد صدیق صاحب مدرس

جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور سے حاصل کیا گیا۔

## شیخ القرآن حافظ حفظ الرحمن پرتاب گڑھی

” وطن پرتاب گڑھ، والد کا نام مولانا عبد الشکور، ولادت روز چہار شنبہ ۱۳۱۴ھ میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ التجوید ہیں۔ ابتداءً آگرے میں مقلی عبد الحاکم سے پڑھتے رہے۔ ایک روایت میں خوب مہارت حاصل کرنے کے بعد آپ عبد الحاکم کے ہمراہ الہ آباد گئے۔ اور شیخ القراء عبد الرحمن صاحب مکی سے سب سے عشرہ کی تکمیل کی۔ تقریباً ۲۵ سال سے دارالعلوم دیوبند میں آپ کا فیض جاری ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے رسالہ جمال القرآن پر حاشیہ بنام تسہیل الفرقان بہت سہل عبارت میں ارقام فرمایا ہے۔

آپ کے تلامذہ میں چند نام یہ ہیں۔ ۱۔ قاری محمد میاں بودہلی میں فتح پوری مسجد کے مدرسہ عالیہ کے شیخ التجوید ہیں۔ ۲۔ قاری محمد نعمان صاحب مقلی دیوبند وغیرہ۔ (تذکرہ امت) نیز لکھا ہے ابتدائی تعلیم اپنے چچا محمد یعقوب سے اور پھر اسکول میں حاصل کی۔ والدہ سے گلستان، بوستان پڑھی۔ بارہ سال کی عمر میں ۱۳۲۹ھ میں جامع العلوم کانپور میں داخل ہوئے جہاں تین سال تک تعلیم پائی۔ آگرے میں مولوی سعد اللہ صاحب کے پاس معقولات کا درس حاصل کیا۔ ایک سال کے بعد الہ آباد آکر مولانا عبد الرحمن مکی سے شاطبی، رائیہ، تیسیر و تہ وجوہ المسفرہ وغیرہ جیسی مستند کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ چار سال تک الہ آباد میں تعلیم

حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں چار سال تک علوم کی تکمیل کی۔ قاری  
عبدالرحمن مکی کی اجازت سے عشرہ کا درس دیتے رہے۔ حافظہ بہت قوی پایا ہے۔ جو کچھ استاد  
نے بتایا ہے من و عن اس کو شاگردوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ ڈھاکہ میں تین سال تک قیام  
کیا۔ گذشتہ ۲۵ سال سے دارالعلوم دیوبند میں شیخ التوحید ہیں۔ اخلاق و ملفساری میں نظیر نہیں  
رکھتے۔ طبیعت میں عجز و انکساری بے حد ہے۔ خوش الحان قاری ہیں، ادا آتی پر عبور ہے، آواز پر  
قابو ہے، شاگردوں سے خلوص کا برتاؤ ہے، یورپی، بہار اور بنگال میں آپ کی بہت شہرت  
ہے، اکثر شہروں میں جایا کرتے ہیں، حضرت کے شاگردوں میں قابل ذکر یہ ہیں۔ (۱) قاری  
عشرہ فتح محمد نابینا (۲) قاری عبد الشکور پانی پتی (۳) قاری عشرہ محمد حسن ملابادی (۴) قاری سید  
محمد میاں (۵) قاری سید عبد الجلیل (۶) قاری عشرہ محمد عبد اللہ دیوبندی (۷) قاری محمد طیب (۸)  
قاری عشرہ فیض الحسن جموی (۹) قاری عشرہ گل محمد قندھاری (۱۰) قاری سید محمد عثمان سورتی۔  
سید محبوب رضوی لکھتے ہیں :-

” ۲۴ شوال ۱۳۸۶ھ کو دارالعلوم کے صدر القراء مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب بھی ایک  
طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ مرحوم نے کم و بیش دارالعلوم میں چالیس سال فنِ قرأت  
کی خدمات انجام دیں اور ہزاروں شاگرداں اور مجتہد تیار کئے، جو ہند و پاک میں پھیلے ہوئے ہیں  
اور سندِ علمِ توحید و قرأت کی رونق بنے ہوئے ہیں۔“ ۱

## مولانا قاری سرفراز احمد صدیقی تھانوی

آپ حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ کے محبوب شاگردوں میں سے ہیں۔ بہت عرصہ ان کی خدمت میں رہنے کی سعادت ملی، اور اس اثنائے میں حضرتؒ سے بہت کچھ حاصل کیا۔ انہیں اپنی سعادت پر ناز ہے۔ جو بجا ہے۔ آپ مولانا قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا حافظ اعجاز احمد صاحب تھانوی بھی حیدر خانہ اور نہایت خوش الحان اور متقی انسان تھے۔ مسجد حوض دالی میں امام و خطیب تھے۔ آپ کے دادا کا نام محمد ابراہیم اور پردادا کا عبداللہ ہے۔ آپ نے خاتواہ شرفیہ میں بچپن گزارا، وہیں خلیفہ حافظ اعجاز احمد صاحبؒ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۱ سال کی عمر میں تھانہ بھون مسجد مولانا دالی میں تدریس کے اندر قرآن مجید سیکھا۔ آپ کے والد گرامی اور اساتذہ مکرم نے سماعت کی۔ عربی کی تعلیم وہیں مولانا عبد الجلیل کاپوری رحال اساتذہ جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی سے حاصل کی۔ اس دوران حضرت مولانا قاری عبدالملک صاحبؒ جب مع اہل و عیال حکیم الامتہ حضرت مولانا حافظ قاری اشرف علی تھانویؒ کی ملاقات کے لئے آتے تو آپ ان سے استفادہ کیا کرتے۔

۱۹۳۹ء میں برائے جانندھر کمپ پرائی انارکلی لاہور ہجرت کر کے پہنچے۔ اسلامیہ ہائی سکول موہنی روڈ لاہور سے میٹرک کیا اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں انٹر آرٹس کی درس سال تک تعلیم حاصل کی۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے بڑے بھائی مولانا قاری اظہار احمد اور حضرت مولانا قاری عبدالملک صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم اسلامیہ پرائی انارکلی لاہور میں داخلہ لیا اور حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ سے قرأت کی تکمیل کر کے ۵۶-۱۹۵۶ء میں سند حاصل کی۔

پھر اس کے بعد کبھی مدارس اور کبھی مساجد میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۶۰-۱۹۶۱ء میں پبلک سکول پنڈی میں تدریس کی۔ ۱۹۶۸ء سے وزارت بحالیات کے دفتر اسلام آباد

میں ملازم ہیں۔

آپ کی شادی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زوجہ کی بھتیجی ناصرہ بیگم دختر حافظ ناصر حسن صاحب سے لاہور میں ہوئی، (۱۹۹۴ء میں) ان سے آپ کی تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ ان کے نام خالدہ کوثر، غنمی اور ناضلہ، اور لڑکے محمد انجم اظہر، اور ذوالنورین احمد ہیں۔  
آپ کے ایک بھائی حافظ افتخار احمد دوسری والدہ سے ہیں جو کراچی میں مقیم ہیں۔ آپ کی والدہ محوہ بیگم سے آپ تین بھائی اور اتنی ہی بہنیں ہیں۔

## قاری محمد یونس کانپوری

”وطن کانپور، والد کا نام مولانا شاہ غلام حسین صاحب۔  
محمد یوسف صاحب کے برادرِ خورد۔ ولادت ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔  
تاریخی نام فضل الرحمن ہے۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں ہوئی۔ تجوید کی تعلیم پہلے قاری محمد صدیق یمن سنگھ سے اور پھر قاری عبدالمالک سے حاصل ہوئی۔

جہیر الصوت ہیں۔ مدرسہ فرقانیہ مصری بازار میں مدرس ہیں۔

خانقاہ حینیہ کے قریب ایک مسجد کی امامت کرتے ہیں۔ (ج ۱ صفحہ ۷)

## مولانا قاری عبدالعزیز شوقیؒ

آپ انبالہ میں پیدا ہوئے۔

حفظ قرآن کے بعد آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ہوئی۔ اس کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور وسطانی کتب کے ساتھ مولانا اسد اللہ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذتہ کر کے فن شاعری میں بھی کمال حاصل کیا۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ علم قرأت کی تحصیل وہیں مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب سے کی۔ مولانا قاری عبد الوحید صاحب کے انتخاب پر دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

تدریس قیام پاکستان کے بعد یہاں آگئے اور ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے منسلک ہو گئے پھر لاہور چلے گئے اور مسلم مسجد چوک انارکلی میں شیخ التجوید مقرر ہوئے۔ اسی اثناء میں سہ روزہ ”دعوت“ کے مدیر بھی رہے۔

تنظیم اہلسنت کی تشکیل میں آپ کا اہم حصہ ہے۔ حضرت قاری عبدالملکؒ سے بھی

---

۱۔ اس تذکرہ کی تیاری میں حبیب الرحمن صاحب کے اس مضمون سے امداد لی گئی ہے جو ماہنامہ ”ابلاغ“ کراچی ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کے صفحہ ۵۵ پر شائع ہوا۔

استفادہ کرتے رہے۔ پھر دارالعلوم اسلامیہ پرفانی انارکلی لاہور میں بطور صدر مدرس ۵۱ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ کافی وسیع ہے۔

اسی دوران گلے کے سرطان میں مبتلا رہ کر ۹ شعبان ۱۳۹۱ھ / ۳۰ ستمبر ۱۹۷۱ء بروز جمعرات صبح سو اگیارہ بجے اپنی رہائش گاہ ”سامندہ کلاں“ لاہور میں انتقال کر گئے۔  
صوفیانہ مسلک، بیعت کا تعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھا۔

## حافظ قاری محمد ادریس بخاری

”والد کا نام محمد عیسیٰ۔ ولادت ۱۳۳۱ھ۔ مدرسہ فرقانیہ مکھنویں

قاری عبدالحاکم سے پہلے ایک روایت سے قرآن سنایا، پھر سب سے تکمیل کی فوائد حجتہ والجزری بھی انہی سے پڑھی۔ قصیدہ شاطبی بھی انہیں سے پڑھا۔ ۱۳۶۶ھ تک فرقانیہ میں رہے، پھر سوات گئے۔ وہاں سے دس بارہ سال جامع مسجد میں امامت کی، پھر مکے کی کچی مسجد میں دو سال امامت کی۔ مسجد نوپاڑہ باندہ میں چھ سال سے امامت رتے ہیں۔ خوش الحان، جید الاداء، خوش اخلاق واقع ہوئے ہیں، اوقات بہت مدہ ہیں۔“ (ج ۳ ص ۱۱)

## مولانا حافظ قاری منقول الحق صاحب کا ملپٹری

آپ مولانا حافظ علاؤ الدین علوی صاحب کے فرزند اور حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب کے چھٹے بھائی ہیں۔ ۱۳۵۱ھ کے لگ بھگ قصبہ نورپور "ضلع کا ملپور" میں ولادت ہوئی۔ یہ قصبہ ایک کپلی سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر جانب شرق واقع ہے۔ قرآن مجید والدہ صاحبہ سے پڑھا، حفظ کا آغاز بھی ان سے ہوا، مکمل والد صاحب نے کرائی۔ ابتدائی فارسی اور عربی کی کتابیں بھی والد صاحب سے موضع "حاجی شاہ" کے عرصہ قیام میں پڑھیں، فارسی نظم کی اکثر کتابیں والد صاحب سے پڑھیں، پھر جامع مسجد مشکال محمد شاہ چن چراغ راولپنڈی میں اپنے بڑے بھائی مولانا ضیاء الحق صاحب خلیفہ جامع مشکال سے ستم، ملا حسن اور شرح وقایہ تک کی کتابیں پڑھیں، پھر مکھڑ شریف کے مدرسہ میں اپنے دوسرے بھائی مولانا غلام محمد عزیز فاضل ڈھاکہ تحصیل اور مولانا ابرار شاہ ہزاروی دیوبند سے بعض درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنے انہی بھائی صاحب سے حضرد میں اور مولانا ابرار شاہ صاحب سے کیا۔ بالائے ہزارہ میں کئی اور کتابوں کا درس لیا، ۱۳۶۵ھ میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب سے توضیح تلویح، مولانا غلام محمد سے ہدایہ، اپنے بڑے بھائی مولانا ضیاء الحق صاحب سے شجرۃ الفکر، مشکوٰۃ المصابیح، میرزا بہ امور عامہ، رسالہ قطبیہ، خیالی، صدراشمس بازغتہ، اور تفسیر بیضاوی کا درس لیا، رجب المرجب ۱۳۶۸ھ میں والد ماجد کے انتقال کے بعد موضع حاجی شاہ مسجد شیر خاں میں ۱۳۷۱ھ تا ۱۳۷۲ھ میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے ساتھ موضع "حیدر" کے مولانا عبدالکیم صاحب سے ہدایہ آخرین اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں۔ شوال ۱۳۷۳ھ میں پھر جامعہ اشرفیہ لاہور میں آکر داخلہ لیا اور ۱۳۷۴ھ میں دورہ حدیث پڑھ کر نذر الفرائض حاصل کی۔

بخاری اور ترمذی نصف اول مولانا ادیس صاحب سے، ابوداؤد نصف اول مولانا مفتی محمد حسن صاحب سے، نیز موطا امام مالک و موطا امام محمد بھی مفتی صاحب سے، ابوداؤد نصف



آخر حضرت مولانا محمد رسول خاں ہزاروی سے، مسلم شریعت کامل، قرذی نصف آخر، نسائی، ابن ماجہ اپنے بڑے بھائی اور جامعہ اشرفیہ کے صدر مدرس مولانا ضیاء الحق صاحب سے پڑھیں۔

۱۳۶۶ء میں جامعہ مسجد سعدی پارک لاہور میں امام و خطیب مقرر ہوئے، اور ساتھ ہی دارالعلوم الاسلامیہ پرائی انارکلی لاہور میں داخل ہو کر حضرت مولانا ناری عبدالملک صاحب مدنی سے تجرید و قرأت کی تحصیل کی۔ ۱۳۶۶ء میں روایتِ حفص اور ۱۳۶۷ء میں قرأتِ سبعہ کی شذات حاصل کیں۔

جامع مسجد سعدی پارک میں دارالعلوم عثمانیہ کی بنیاد رکھی اور رات کو بعد از نماز عشاء درس قرآن کا آغاز کیا۔ ایک مرتبہ مکمل قرآن مجید کا درس دیا۔ دن کو مدرسہ میں تدریس جاری رکھی۔

دارالعلوم عثمانیہ کی مستقل عمارت کے لئے ۱۳۷۲ء میں رسول پارک اچھرہ لاہور میں زمین خریدی گئی۔ ۱۳۸۲ء میں وہاں جامع مسجد عثمانیہ کا سنگ رکھا گیا اور آج یہ دارالعلوم پاکستان کے اچھے دارالعلوموں میں سے ایک ہے۔ آپ نے ۱۳۹۰ء تک یہاں خدمات انجام دیں، اسی سال انگلینڈ جانا ہوا، اور پھر دوستوں کے اصرار پر وہاں امامت و خطابت کے ساتھ تدریس و تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، بہت سے طلبہ نے آپ سے حفظ بھی کیا اور روایتِ حفص کی تکمیل کے سند بھی حاصل کی۔

آپ کو کئی بار حج و عمرہ کی سعادت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ جامع مسجد سعدی پارک اور دارالعلوم عثمانیہ میں آپ کے بھائی مولانا ضیاء الحق صاحب اور غلام مصطفیٰ صاحب کام کر رہے ہیں۔



سوانحی تذکرہ کے مواد کے سلسلے میں راقم الحروف مولانا غلام مصطفیٰ صاحب کا دل سے شکر گزار ہے۔

# حافظ قاری محمد رفیع لاہوری

آپ ۱۳۴۵ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حکیم محمد شفیع دم ۱۹۶۶ء ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد طبیب ہو گزرے ہیں۔

حفظ حافظ جمال الدین سے قرآن مجید حفظ کیا۔ یہ بزرگ حضرت مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور کے ہم عصر اور عقیدت مند تھے۔

انجینئرنگ پنجاب یونیورسٹی سے مینیکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔  
تجارت پھر چند عزیذوں کے ساتھ مل کر تجارت کرتے رہے۔

روایتِ حفص روایتِ حفص کی تکمیل حضرت قاری محمد شریف صاحب اساتذہ مدرسہ تجوید القرآن، کوچہ کندگیراں موتی بازار لاہور سے ۱۹۵۶ء میں کی۔ اور سند حاصل کی۔ امتحان حضرت قاری کریم بخش صاحب نے لیا تھا۔

قاری محمد شریف صاحب کے مشورہ سے حضرت قاری عبدالحماد صاحب جو ان دنوں دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی میں پڑھاتے تھے ان کی اجازت سے ان کے اسباق میں شرکت کرتے رہے۔

صوفیانہ مسلک آپ پروفیسر مولوی کریم بخش — پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان سے اصلاح کا تعلق قائم رکھا۔ وہ بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے ان کے بعد مولانا قاری عبدالحکیم خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے اور آخر میں ان سے مجاز ہوئے۔

مہتمم آپ کوئی پچیس سال سے مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کندگیراں، موتی بازار لاہور کے مہتمم چلے آ رہے ہیں۔

## مولانا قاری سعید الرحمن کا بیوی

آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمنؒ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) کے فرزند ہیں۔ ۱۵ اپریل ۱۹۳۵ء کو سہارنپور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی۔ حافظ عبدالکریم صاحب سے حفظ کیا ابتدائی فارسی کی کتابیں مولانا عبدالسبحان اور مولانا اکبر علی سے پڑھیں، پھر ہردوئی میں مولانا ابرار الحق (خلیفہ حضرت تھانویؒ) سے ابتدائی صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ ان سے فراغت کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور آنا ہوا۔ اسی دوران پاکستان دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوا۔ اور آپ والد ماجد کے ہمراہ واپس وطن کا ملپور آ گئے۔

۱۹۴۵ء میں والد صاحب کے ساتھ "خیر المدارس" ملتان گئے۔ اور ۱۹۵۱ء تک وہاں پڑھتے رہے۔ والد صاحب وہاں شیخ الحدیث تھے۔ ۱۹۵۲ء میں والد صاحب کے ساتھ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالیار چلے گئے۔ وہاں ۱۹۵۳-۵۴ء میں مولانا محمد یوسف بنوری، والد گرامی، مولانا مفتی اشفاق الرحمن کاندھلوی سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ روایت حفص کی تکمیل حضرت قاری عبدالعالمک صاحب سے کی۔

---

۱۔ آپ مظاہر العلوم سہارنپور کے صدر مدرس تھے۔ آپ کی مفصل سوانح "تجلیاتِ ربانی" آپ کے فرزند مولانا سعید الرحمن کے قلم سے چھپ چکی ہے۔

۱۹۵۵ء میں چند دن کے لیے دارالعلوم دیوبند جانا ہوا اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے آخری دورۂ حدیث کا سماع کیا۔ ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضلؒ کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۷ء میں پشاور یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔  
تدریس فراغت کے بعد دو سال گورنمنٹ ہڈل سکول شیدو ضلع پشاور میں معلم دینیات رہے۔ جب کہ والد صاحب کا قیام جامع اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں تھا ساتھ ہی درس نظامی کی کتابیں دوسرے وقت میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ صدر میں جامع مسجد کی خطابت پر مامور ہوئے اور ساتھ ہی جامعہ اسلامیہ میں تدریس کرنے لگے۔ اس مسجد و ادارہ کی بنیاد حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مولانا ولی محمد صاحب اور مولانا عبدالرحمن کا ملپوری نے رکھی تھی۔ ۱۹۶۰ء میں مدرسہ میں کافی توسیع ہوئی۔ آپ اب تک وہیں پڑھا رہے ہیں اور اس کے مہتمم بھی ہیں۔

تصانیف اپنے والد کی مفصل سوانح ”تجلیات رحمانی“ ۱۸ × ۲۲ سائز کے ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) الحاوی علی مشکلات الطحاوی سے - ۲۵۰ صفحات - یہ طحاوی شریف پر

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اور مولانا عبدالرحمن کا ملپوری کے انادات پر مشتمل ہے۔

(۳) تقریر ترمذی سے - والد گرامی کی تقریر ترمذی زیر ترتیب ہے۔ اولاد میں عتیق الرحمن

اور محمد انس ہیں، عتیق الرحمن قرآن مجید حفظ کر رہے ہیں۔

سیاسی مسلک جمیعۃ علماء اسلام مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ مجلس تحفظ

ختم نبوت کے بھی ممبر رہ چکے ہیں۔

## مولوی قاری سید افتخار احمد بلوچستانی

۲۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام سید فضل الحق صاحب ہے۔ قرآن مجید کے ۲۳ پارے قاری عبد الوحید صاحب الہ آبادی سے حفظ کئے۔ باقی پاسے قاری محمد منظر صاحب سے نکھنویں حفظ کئے۔ تکمیل کی ترتیل کی مشق قاری محمد فاروق سے کئے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں پاکستان آئے۔ روایت حفص کی مشق قاری عبدالمالک صاحب سے کی اور کتابیں قاری محمد حسن (قلات) سے پڑھیں۔ اور انہی سے روایت حفص کی سند حاصل کی۔ عربی کی کتابیں جامعہ اسلامیہ منڈوالہ یار میں پڑھیں۔ بلوچستان بورڈ سے ۱۹۶۵ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

تدریس تعمیر نو ہائی سکول اور دیگر کئی اداروں میں تدریس کی ہے۔ کونہ ٹیچرز ٹریننگ سکول میں دو سال پڑھاتے رہے۔ آج کل جامع مسجد بلدیہ کے خطیب اور ادارہ تعلیمات قرآن کے مہتمم ہیں۔ مرکزی حکومت نے قاریوں کی جو کمیٹی مقرر کی ہے اس کے ممبر ہیں۔

آپ سے دو سو کے قریب طلبہ نے حفظ اور ۵۰۰ کے قریب نے روایت حفص اور تین ہزار کے قریب نے ناظرہ بالتجوید پڑھا ہے۔

مفتاح التجوید آپ کی تصنیف ہے، .. ا کے قریب اس کے صفحات ہیں، مطبوعہ ہے۔



## قاری محمد اسلم مکھنوی

”وطن مکھنؤ، والد کا نام واجد علی۔ ولادت ۱۳۳۱ھ میں ہوئی۔

پہلے قاری نذر محمد صاحب سے ایک روایت سے تجوید سیکھی۔ پھر قاری عبدالمالک کو بروایت حفص سنایا۔ پھر قاری عبدالحملن مکی کو سنایا۔ مدرسہ فرقانیہ میں ۲۵ سال تک تجوید کا درس دیا۔“



## قاری حافظ عبدالحق مکھنوی

”والد کا نام حاجی محمد علی۔ وطن مکھنؤ، ولادت ۱۳۵۶ھ مدرسہ عالیہ فرقانہ

میں قاری عبدالمالک سے بروایت حفص تجوید سیکھی تکمیل ۱۳۹۰ھ میں کی۔ ۱۳۹۵ھ سے

بہٹی میں مقیم ہیں۔ ادیب کامل کا امتحان علی گڑھ سے ۱۳۹۰ھ / ۱۳۹۱ھ میں پاس کیا

مکھنؤ میں ۱۳۹۰ھ تک ریڈیو پر قرآن مجید سناتے رہے اور اس وقت

مدرس بھی تھے خوش الحان قاری ہیں۔ (ج ۱ ص ۱۱)

## مولانا الحاج قاری فضل ربی

آپ ۱۹۳۲ء کو جناب مولانا فرید الدین صاحب کے گھر ”بنسیر“ تحصیل بنگرام، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر دارالعلوم حقانیہ مینگورہ سوات میں کافینہ تک کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۱ اشوال ۱۳۵۱ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۲ شعبہ کو جناب مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ آپ کی سند کا نمبر ۳۷ ہے۔

روایتِ حفص کی تحصیل پہلے حضرت قاری عبدالمالک صاحب سے کی، پھر مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور میں کی۔ ۱۳۵۶ء میں روایتِ حفص کا امتحان پاس کیا، اور بطور ”معین مدرس“ تدریس پر مامور ہوئے۔ اور ۱۳۵۷ء میں قرأتِ بندہ کی سند حاصل کی اور بطور مدرس شعبہ تجوید تدریس شروع کی۔ دو سال کے بعد جناب محمد یوسف صاحب سیٹھی کے ارشاد پر ۱۶ فروری ۱۹۶۳ء کو معبد القرآن الکریم مانسہرہ، ہزارہ میں بطور صدر مدرس تدریس کا آغاز کیا اور اب تک برابر پڑھا رہے ہیں۔

آپ کا سوانحی تذکرہ پہلے ”ترجمانِ اسلام“ لاہور میں اور پھر ”قومِ پشاور“ ۲۰ نومبر ۱۳۹۲ء کو شائع ہو چکا ہے۔

بیعت کا تعلق شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب سے ہے۔  
 اولاد میں بڑے لڑکے حافظ احسان اللہ ہیں جنہوں نے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید  
 حفظ کیا ہے۔  
 ۱۹۷۴ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی سعادت عطا فرمائی۔



## قاری محمد سابق کھنوی

”مولد کھنؤ۔ والد کا نام حافظ محمد صادق ابن حافظ محمد عبدالصمد۔ ولادت ۱۳۲۵ھ  
 مدرسہ فرقانیہ کھنؤ میں تعلیم پائی۔ ایک روایتی تجوید ۱۳۴۳ھ میں سیکھی۔ پھر حفظ کی تکمیل کی۔ بعد ازاں  
 ۱۳۵۲ھ میں قراءات سبعہ کی تکمیل کی اور قرأت عشرہ کی تکمیل ۱۳۶۲ھ میں کی۔  
 ۱۳۴۳ھ میں قاری عبدالملک کے ساتھ ٹونک گئے۔ سات سال تک مدرسہ فرقانیہ  
 ٹونک میں کام کیا۔ اس کے بعد جے پور میں ایک سال تجوید کا درس دیا۔ ہدایت علی صاحب  
 کے ایاد سے ۱۳۶۹ھ میں کھنؤ آگئے۔ اب تک یہیں کار گزار ہیں۔  
 خوش الحان۔ ادائی پر قدرت حاصل ہے۔ عربی لہجہ سے خوب پڑھتے ہیں۔ آپ کی وجہ  
 سے شاگردوں میں بھی اچھا ذوق پیدا ہو گیا ہے۔ ۱۳۷۶ھ میں انتقال ہوا۔ (ص ۱۳۱)



## مولانا قاری عبدالکریم ترکستانی

آپ سنیانک روسی ترکستان کے رہنے والے ہیں۔ ایمان بچانے کے لئے حجاز چلے گئے۔ اکثر کتابیں مکہ مکرمہ میں پڑھیں۔ مکہ مکرمہ میں روٹیاں بیچ بیچ کر تحصیلِ علم کی مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے بھی استفادہ کیا۔

دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں پڑھا اور فراغت حاصل کی۔  
علم تفسیر کی تحصیل مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ سے کی۔

علمِ قرأت کی تحصیل حضرت مولانا قاری عبدالملک صاحبؒ سے کی۔  
مزنگ لاہور میں خطیب رہ چکے ہیں۔

کراچی میں خدام الدین کی برانچ میں کافی عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔  
اب کوئی دس سال سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔  
عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہے۔

شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔

## مولانا قاری عطاء اللہ ڈیروی

آپ ۱۹۳۵ء کے قریب مڑھا بھٹانی تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام محمد علی خان ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے قبہ کے حافظ غلام حیدر صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر مولانا شمس الحق ساکن کڑی شہزئی ڈیرہ اسماعیل خاں افاضل دیوبند سے پڑھتے رہے، زان بعد مولانا عبداللہ بھلوی ملتان سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ مخزن العلوم والفیوض خان پور رحیم یاکاں میں دو سال کے عرصہ قیام میں تفسیر قرآن کی تکمیل کی۔ حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخاستی صاحب نے خصوصی نذرت سے نوازا۔

متجربید: قاری محمد صاحب ساکن مہڑمندہ مہاجر دینہ سے روایت حفص کی تکمیل کی۔ دوبارہ روایت حفص کی تکمیل قاری عبدالماجد محمد ذاکر صاحب سے کی۔ انہی سے قراءت سبعہ پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ عشرہ کی تکمیل بطریق درّہ مولانا قاری اظہار احمد تھانوی سے کی۔ امتحان قاری محمد شریف صاحب تھے۔

تدریس: حضرت قاری عبدالملک صاحب کے وصال کے بعد مسجد دھیان شاہ لٹن روڈ منگلا لاہور میں تدریس پر مامور ہوئے اور اب تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ روایت حفص میں نارغین کی تعداد تین سو اور سبعہ کے نارغین کی تعداد ۳۰ کے قریب ہے، سبعہ عشرہ کے نارغین میں جناب حکیم مولوی قاری محمد عارف ایم اے خطیب مسجد ہاسٹل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لے سوانحی تذکرہ براہ راست قاری عطاء اللہ صاحب سے لاہور جا کر لیا تھا۔

## قاری سید علی

آپ حبیب اللہ صاحب کے فرزند ہیں۔  
 ۱۹۳۰ء کے قریب ”بانڈی پورہ“ بارہ ٹولا سری نگر کشمیر میں پیدا ہوئے۔  
 تعلیم مولوی محمد یوسف ساکن ہمشیریاں (مانسہرہ، ہزارہ) پھر مولوی عبدالرحمن فاضل  
 دیوبند ساکن بانڈی ڈھونڈاں سے پڑھتے رہے۔ ازاں بعد مولوی محمد نعمان ساکن بیدڑہ مانسہرہ  
 ہزارہ سے پڑھتے رہے۔ حفظہ دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں حضرت قاری  
 عبدالحاکم صاحب سے کیا، پھر حضرت قاری صاحب نے آپ کو وہیں مدرس مقرر کر دیا  
 روایتِ حفص کی تکمیل قاری عبدالحاکم صاحب سے کی، آپ کے ہم مدرس ساتھیوں میں  
 قاری محمد افضل، قاری عبدالقادر، مولانا قاری حسن شاہ ہزاروی، قاری غلام فرید اور مولانا قاری  
 اظہار احمد تھانوی ہیں۔

دارالتربیل لٹن روڈ باغیچہ نواب صاحب مزنگ میں ۵۱ سال کے قریب تدریس کی۔  
 آج کل مدرسہ تعلیم القرآن کوٹ عبداللہ شاہ مکان ۵ گلی ۲۱ میں پڑھا رہے ہیں۔  
اولاد آپ کے پانچ بچے اور اتنی ہی لڑکیاں ہیں۔ عبدالحنان، عبدالمنان، حافظ  
 عبدالحمن، افتخار الدین اور حافظ عبدالبجبار ہیں۔

## قاری حافظ نسیم الدین عظیم آبادی

”وطن ندول۔ پٹنہ، ولادت ۱۳۲۶ھ

۱۳۴۲ھ میں مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ تک وہاں رہ کر حفظ و قرأت کی تکمیل کی۔

قاری عبدالحاکم کے شاگردوں میں تھے۔ محلہ دریا پور پٹنہ کی مسجد میں امام ہیں۔“

## قاری حافظ عبد المعزیز اکبر آبادی

”وطن آگرہ۔ والد کا نام نور محمد۔ ولادت ۱۳۳۳ھ میں ہوئی

شیخ القراء عبدالحاکم صاحب جب آگرے میں تھے اس وقت ۱۳۴۶ھ میں ان سے بروایت حفص تجوید سیکھی۔ عربی درسیات کی تکمیل بھی کی ہے۔ آج کل آگرے میں تجارت کرتے ہیں۔ بہت نیک دل، منکسر المزاج۔

خوش اخلاق ہیں“ (ج ۱ ص ۱۳)

# مقري حافظ مولابخش ٹونكى

”وطن ٹونك۔ ولادت ۱۳۳۲ھ ميں ہوئی۔

شيخ القراء عبدالمالك صاحب سے تجويد سيكھی، مدرسہ فرقانيہ ٹونك كے ديرينه اساتذہ ميں سے ہيں۔ في الوقت ٹونك ميں رہتے ہيں۔ بہت ضغيف ہو گئے ہيں۔ مگر تجويد كي تعليم ميں مہارت تامہ ركھتے ہيں۔



## قاري محمد قاسم كھنوي

”وطن كھنؤ۔ آپنے مقري عبدالمعبود صاحب سے تجويد سيكھی۔ بعد ازاں مقري عبدالمالك اور مقري محمد صديق صاحب مكي سمين شگهي سے فيض حاصل كيا۔ سبوع كي شد مقري عبدالمعبود (جو شيخ القراء حافظ ضياء الدين كے چھوٹے بھائی ہيں) سے لي۔ نہایت خوش الحان اور عربی لب و لہجہ ميں بے تكلف نہایت ہی عمدہ طريقے سے تلاوت كرتے تھے۔ مدرسہ عاليہ فرقانيہ ميں مدرس ہو گئے تھے۔

۱۳۵۰ھ ميں وفات پائی۔ (۹ ص)

## مولانا قاری فتح محمد پانی پتی

آپ محمد اسماعیل صاحب کے فرزند ہیں۔ ۱۱ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ ۲۱ جنوری ۱۹۰۴ء میں پانی پت کے محلہ راعیاں چوڑا کنواں ”بیچ کی بستی“ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ چیچک کی وجہ سے نظر جاتی رہی۔

۵ سال کی عمر میں بیچ کی مسجد کے میاں صاحب شرف الدین صاحب سے قرآن مجید کا آغاز کیا۔ پھر ایک استانی صاحبہ امۃ اللہ محلہ پیر زادگان سے ۲ پارے حفظاً پڑھے۔ قاعدہ بغدادی کے علاوہ ۷ پاروں تک کسے بجے کر آئے۔ محلہ افغانان کے مدرسہ اشرفیہ میں قاری شیر محمد خان صاحب سے باقی تین پارے حفظ کئے۔ تجرید روایت حُفصؓ اور دور لے قاری شیر محمد خان صاحب نے حافظ علی بہادر خان صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ پھر قاری عبدالرحمان مکنیؒ سے مشق کی تھی۔ پھر قاری محی الاسلام صاحب سے قرأت سبعمہ پڑھی۔ عمر تدلیس میں گزری، رجب ۱۳۴۸ھ میں وصال ہوا۔

۷ قاری محی الاسلام صاحب پانی پت کے رہنے والے تھے۔ حافظ قاری محمد ابراہیم نابینا کے شاگرد تھے۔ پھر قاری عبدالرحمن صاحب نابینا سے قرأت سبعمہ پڑھی۔ پھر مولانا قاری عبدالسلام بن مولانا قاری عبدالرحمن پانی پتی سے بھی پڑھی تھی۔ ۱۹۵۴-۵۵ء میں وصال ہوا۔

۸ قاری عبدالرحمن نابینا باٹری ضلع کرنال کے رہنے والے تھے۔ پھر پانی پت آکر قاری سزا

کی تکمیل ان سے کی۔ سب سے کچھ روایات بھی ان سے پڑھی تھیں۔ پھر حضرت مولانا قاری محی الاسلام صاحب سے قراءات سب سے پڑھیں۔ ۱۳۴۷ھ میں فراغت ہوئی۔ پھر مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب سے درس نظامی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اور مولانا محمد اللہ صاحب (تلمیذ حضرت شیخ الہند) اور مولانا سعید احمد (اپنے والد صاحب کے شاگرد تھے) بن مولانا فتح محمد تائب لکھنوی سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ یہ حضرات مسجد گنبدان میں پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے کانپور میں مدرسہ تکمیل العلوم قائم کیا تھا اور آخر میں جلال آباد میں مدرسہ مفتاح العلوم میں حدیث پڑھاتے تھے۔

پھر آپ ۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے دورہ حدیث پڑھا۔ مولانا ابراہیم، مولانا محمد رسول نان، اہل علم شریف، مولانا امیر حسین، مولانا اعجاز علی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے پڑھ کر سند حاصل کی۔ اور مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب (تلمیذ مولانا قاری عبد الرحمن الہ آبادی صدر شعبہ تجوید دارالعلوم دیوبند سے قراءات عشرہ کی تکمیل ۱۳۵۳-۵۵ھ میں کی اور اجازت لی۔

**تدریسی خدمات** مدرسہ اشرفیہ پانی پت میں ۱۳۰۱۲ سال کی عمر تھی کہ پڑھانا شروع کیا۔ پاکستان بننے تک وہاں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد لاہور (چھرہ) میں پڑھاتے رہے۔ پھر پنڈو ادنخان ضلع جہلم میں ایک سال۔ پھر شکارپور سندھ میں ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۶ء مدرسہ اشرفیہ فیض القرآن میں تدریس کی۔ پھر

صاحب امرتسری سے قراءات سب سے پڑھیں اور مولانا قاری عبد الرحمن پانی پتی سے بھی پڑھیں۔ پھر دہلی بھر پڑھاتے رہے۔

یہ قاری عبد السلام صاحب نے علوم اپنے والد صاحب سے حاصل کئے اور عمر بھر پڑھاتے رہے۔

۱۹۵۷ء میں دارالعلوم کراچی میں آگئے اور ۱۹۷۱ء تک پڑھاتے رہے۔ ۱۹۷۱ء میں مکہ مکرمہ / مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

تصانیف (۱) عنایاتِ رحمانی (۲) اسہل المواد و شرح عقیلۃ المرادل قصائد (۳) ناظمۃ الزہر (۴) شرح درہ (۵) مفتاح الکمال شرح تحفۃ الاطفال (۶) ترجمہ و مختصر شرح جزری (۷) تسہیل القواعد۔

صوفیانہ مسلک ۱۳۵۲ھ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے اور ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے تکمیل کی اور مجاز ہوئے۔ اور ۱۹۵۸ء میں اجازتِ بیعت سے نوازے گئے۔

اولاد نور محمد ایک فرزند تھے جو ۱۳۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۹۱ھ میں ۸ سال کی عمر میں چھ رمضان جمعہ کے دن وفات ہوئی۔ آخر سے حفظ کرتے ہوئے **وَاعْبُدْ وَبَذْ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ** تک ہی حفظ کیا تھا کہ وصال ہوا۔

## قاری ناز خان

”مولد کانپور۔ قاری اسد حسن خان کے ہم سبق ہیں۔

لکھنؤ جا کر مدرسہ فرقانیہ سے تجوید کی سند ۱۳۴۹ھ

میں حاصل کی۔ عرصہ دراز تک ٹونک میں تجوید کا درس

دیتے رہے“ (صفحہ ۱)



## قاری غلام فرید کیمبلپوری

آپ موضع ”کھوئیاں“ نزد مٹن تحصیل تلمہ گنگ ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام سلطان محمد ہے۔ قومیت میال ہے۔

ابتدائی تعلیم قرآن مجید ملتان خورد کے حافظ عبدالرحمن صاحب سے حفظ کیا۔ کتب فارسی موضع ”لوٹیری“ میں مولانا غلام رسول صاحب سے پڑھیں۔ صرف کی کتابیں بھی انہی سے پڑھیں۔ نحو، اصول اور فقہ حضرت مولانا امام غزالیؒ فاضل دیوبند ساکن مٹن سے پڑھیں اور کچھ کتابیں مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں پڑھیں۔

علم تجوید علم تجوید کی تحصیل امام فن حضرت مولانا قاری محمد عبدالحاکمؒ سے ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم اسلامیہ پرائی انارکلی لاہور میں کی۔ روایت حفص سے فراغت پر دستار ہندی مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کرائی۔

تدریسی خدمات ۱۹۵۶ء میں حضرت قاری عبدالحاکم صاحبؒ نے آپ کو شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ کے مدرسہ میں برائے تدریس بھیجا۔ اس وقت سے اسی مدرسہ میں ناظرہ با تجوید اور حفظ اور روایت حفص کر رہے ہیں۔

۱۹۵۶ء میں دورہ تفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ سے پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء میں حضرت ہی نے آپ کو تدریس کے ساتھ امامت کے فرائض بھی سونپ دیے جو آپ

برابر اس وقت تک ادا کر رہے ہیں۔

شادی شادی کا انتظام بھی حضرت لاہوریؒ نے کر دیا اور خود ہی نکاح پڑھا۔ پانچ فرزند اور دو بیٹیاں ہیں۔ حافظ قاری عبدالمالک، حافظ عبدالحق، حافظ عبدالباسط، عبدالنصر اور عبدالمجید اور اسماعیل خانہ اور آسیہ بی بی۔

بیعت بیعت کا تعلق شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ سے ہے۔

تلامذہ آپ سے حفظ کی تکمیل کرنے والوں کی تعداد ۵۰، ناظرہ پڑھنے والوں کی دو سو اور روایتِ حفص کی سند حاصل کرنے والوں کی تعداد ۵۱ ہے۔



## قاری نور محمد بلوچستانی

قاری سید افتخار احمد کا بیان ہے کہ

”قاری نور محمد بلوچستان کے مشہور قاریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے حفظ اور روایتِ حفص کی تکمیل حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے کی، مگر سند نہیں لی۔ مدرسہ تجوید القرآن عید گاہ طوغی روڈ پر کچھ عرصہ تدریس کی ہے۔ اب تجارت کرتے ہیں۔“

## مولانا قاری محمد حبیب اللہ کراچی

آپ کا خاندان ایک ہی خاندان تھا، افغانستان سے آکر صوبہ سرحد کے علاقہ میں آباد ہوا۔ آپ کا تعلق پٹانوں کی شاخ ناصر کمال خیل سے تھا۔ آپ کے والد مولانا حکیم غلام حیدر صاحب ایک جید عالم، نامور طبیب، مصنف اور اپنے علاقہ کے مفتی تھے۔

تحصیلِ علم : اپنے بڑے بھائی حکیم عبداللہ مرحوم کے ہمراہ ٹونک پہنچے۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر علوم دینیہ کی تحصیل ٹونک اور کھنؤ میں کی۔ آپ کے اساتذہ میں مفتی سراج الدین مدرس مدرسہ ناصرہ ٹونک، مولانا علامہ حیدر حسن محدث کے نام آتے ہیں۔ دورہ حدیث مولانا حیدر حسن خان صاحب پڑھا تھا۔ شاہی دارالعلوم خلیلیہ ٹونک سے بھی سند القرائی حاصل کی۔ علم و تراویح : علم تجوید و قرأت کی تحصیل آپ نے امام التجوید والقرأت حضرت مولانا قاری عبدالملک دکنیہ حضرت مولانا قاری عبداللہ مکی سے کی اس کی تفصیل قاری عنایت اللہ صاحب کی تحریر کے مطابق یوں ہے۔

شیخ الحدیث علامہ حیدر حسن خان نے مولانا عین الحقنہ کی اجازت سے مدرسہ عالیہ ذرقانیہ کھنؤ کے نام سے ٹونک میں مدرسہ فرقانیہ قائم کیا تو قاری حضرت عبدالملک کو کھنؤ سے ٹونک لے آئے، اس مدرسہ کا افتتاح والی ریاست نواب ابراہیم علی خان کے ہاتھوں جو خود ایک عالم اور حافظ قرآن تھے۔ قاری عبدالملک کی تلاوت سے ہوا اس میں آپ نے **وَإِذَا بَشُلْ إِبْرَاهِيمُ رَبَّهُ** الخ سب سے قراءات میں تلاوت کیا

اس افتتاح میں حفاظ و علماء، مفتیان کرام اور عوام کی ایک کثیر تعداد شریک تھی۔ مدرسہ فرقانیہ میں آپ (قاری حبیب اللہ) قاری عبد المالکؒ کی خدمت میں علم قراءات کی تحصیل کے لیے حاضر ہوئے اسی دوران قاری عبد الرحمنؒ مکی نے اپنی بیماری کی وجہ سے قاری عبد المالکؒ کو کھنؤ طلب کیا اور اپنی جانشینی کا حکم دیا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں قاری عبد المالکؒ کھنؤ تشریف لے گئے اور قاری حبیب اللہؒ کو بھی کھنؤ آنے کا فرمایا۔ نیز فرمایا کہ دہاں قراءات سببہ عشرہ کی تکمیل کے بعد حضرت تدری عبد الرحمنؒ مکی کے ہاتھوں سند دلوادیں گا قاری عبد المالکؒ کے تشریف لے جانے کے بعد قاری حبیب اللہ صاحب قاری صاحب کا سامان وغیرہ لے کر کھنؤ آگئے، اسی تعلیم کے دوران قاری عبد الرحمنؒ صاحب مکی کا وصال ہو گیا اور یہ آرزو پوری نہ ہو سکی ان کی تیارداری اور خدمت کا البتہ مغف ضرور حاصل ہوا اور بھیمبر و ٹکھنیں اور تہذیب میں شرکت کی سعادت بھی ملی۔

قاری عبد المالکؒ کو قاری حبیب اللہ سے بے انتہا محبت تھی اور ان پر فخر تھا مدرسہ عالیہ فرقانیہ کھنؤ کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر قاری عبد المالکؒ نے میرے جلسہ میں اپنے سر سے اپنی دستار مبارک اتار کر ان کے سر باندھ دی جبکہ دیگر طلبہ کو مدرسہ کی جانب سے دی جانے والی دستار فضیلت ہی دی گئی یہی نہیں بلکہ قاری عبد المالکؒ نے مدرسہ کی سند کے علاوہ قراءات سببہ عشرہ کی اپنی مخصوص سند بھی عطا فرمائی۔ دوران تعلیم قاری حبیب اللہ کو اپنے استاد گرامی کے معادن کی حیثیت سے کام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ نیز قاری عبد المالکؒ کے خاص صندوق کی کچھ بھی ان کے پاس رہتی تھی جس میں قاری صاحب کی اسناد، خاص کتابیں اور دیگر اشیاء ہوتی تھیں۔

تذکرہ نویس : علم قراءات کی تکمیل کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت قاری عبد المالکؒ اور علامہ حیدر حسن کی خواہش پر مدرسہ

فرقانیہ ٹونک میں ۱۹۳۲ء تا ۱۹۵۰ء شیخ القراءات والتجوید کی حیثیت سے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اس طرح انہیں اپنے استاد کی حیات ہی میں ان کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا۔

مدرسہ فرقانیہ ٹونک برصغیر میں بکثرت کے بعد علم قراءات کا دوسرا مرکز ہے اب تک اس ادارہ میں قاری حبیب اللہ کے شاگرد پڑھا رہے ہیں۔

اس کے بعد نارتھ ناظم آباد کراچی میں تجوید و قراءات کا ایک مرکز قائم کیا اور آخری وقت تک اس میں تدریس کرتے رہے۔ قاری صاحب کے تلامذہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اور مختلف ملکوں اور شہروں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قاری صاحب کو علم قراءات میں کمال حاصل تھا۔ قرآن مجید بھی بہت سچتہ یاد تھا۔ آپ علم تجوید کی بولتی ہوتی کتاب اور اتھارٹی تھے۔ آپ قراءات، الشاطبیہ، الدرۃ اور الرائیہ کے حافظ تھے۔ اس علم پر اتنا عبور تھا کہ تصنیف کے دوران بہت کم کتابوں کی طرف مراجعت کی ضرورت پیش آتی تھی۔

قصایف : آپ کہ تصانیف میں ”موضح القراءات فی سبع القراءات“ خاص طور پر قابل ذکر اور قابل قدر تصنیفی کارنامہ ہے۔ یہ قرآن کریم کے تیس پاروں پر مشتمل اس کتاب کی مکمل قراءات سب سے ہے اس میں آپ نے ساتوں امام قاریوں کے لیے قرآن مجید کے ہر ہر لفظ کے اصولی اور فرشی اختلافات قراءات کو بیان کیا ہے۔ دوسری گرانقدر تصنیف ”اجراء السبع بطریق جمع الجمع علی منہاج الشاطبی (غیر مطبوعہ) فن اجراء قراءات کا شاہکار ہے۔

”تیسری تصنیف“ معارف التجوید مع رسم القرآن المجید“ ہے اس میں تجوید کے نازک ترین اور مشکل مسائل نہایت آسان پیرائے میں بیان کیے ہیں۔

چوتھی تصنیف ”سوانح قرائے کعبہ“ ہے۔

پانچویں ”معلم القرآن“ ہے یہ قرآن مجید پڑھنے کے سلسلہ میں نہایت مفید قاعدہ ہے  
جمعیت تعلیم القرآن کا قیام؛

یہ جمعیت حاجی محمد رفیع صاحب کی کوششوں سے وجود میں آئی۔ اس کے مقاصد  
 میں قرآنی مدارس کا قیام اور اس کی اشاعت و فروغ ہے قاری صاحب کا اس سے ابتدائے  
 قیام ہی سے تعلق تھا اس کے تحت بیسیوں مدارس قرآنی قائم ہیں۔

اخلاق و عادات؛ قاری حبیب اللہ صاحب نہایت عابد، زاہد، ہمتی اور پارسا  
 افراد ہیں سے تھے۔ سیاست سے تو بالکل نا آشنا تھے۔ زندگی بہت سادہ اور  
 بے تکلف اور سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ اپنے  
 استاذ قاری عبد الماکک کے نہایت معتمد تھے۔

وصال؛ ۶ جمادی الاخرہ ۱۴۰۰ھ بروز منگل پورے چار بجے وصال ہوا اور اپنے مدرسہ کے  
 احاطہ میں دفن کیے گئے۔

اولاد؛ میں دو فرزند حافظ قاری عبد اللہ اور قاری رضوان اللہ ہیں اول الذکر امریکہ میں  
 سائنس کے ایک ادارہ سے وابستہ ہیں اور دوسرے زیر تعلیم ہیں۔

میں اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو پروفیسر سید طلحہ حسنی صاحب نے خود بیان کیا کہ میں بکھنوں میں  
 قاری عبد الماکک سے تجوید و قراءات پڑھتا تھا جب بکھنوں سے ٹولک جانے لگا تو ان سے پوچھا کہ  
 ٹولک میں کس سے پڑھوں؟ آپ نے فرمایا۔ قاری حبیب اللہ سے پڑھنا۔ وہ تعلیم میں کسی سے رعایت  
 نہیں کرتے چنانچہ انہوں نے ٹولک میں آکر اس پر عمل کیا۔

قاری عنایت اللہ۔ قاری حبیب اللہ؛ بنیات کراچی

## قاری بسم اللہ لکھتے ہیں

”وطن ٹونک۔ ولادت ۱۳۱۷ھ۔ آپ شیخ القراء عبدالمالک صاحب سسے تلمیذ خاص ہیں۔ پہلے ایک روایت سے پڑھنے کے بعد قراءت سبعمہ وعشرہ کی تکمیل ۱۳۲۹ھ میں کی۔ مدرسہ قرآنیہ ٹونک کے شیخ التجوید مقرر ہوئے۔ ایک عرصے تک ٹونک میں خدمت انجام دینے کے بعد اب پاکستان چلے گئے ہیں۔

ان کے شاگردوں میں قابل ذکر یہ ہیں۔ (۱) قاری محمد امین پیش امام جامع ٹونک۔ (۲) قاری کریم حسین ساکن بہیر مدرس ہیں۔ (۳) قاری معین الدین احمد آباد میں ہیں۔ (۴) قاری صبغتہ اللہ جنہوں نے عشرہ قراءت کی تکمیل کی۔ (۵) قاری غلام محمد شیخ التجوید خلیلیہ (۶) مولوی حافظ قاری محمد یونس ٹونکی۔ (۷) قاری زبیر علی ٹونکی۔ (۸) قاری اصغر علی ٹونکی کھلوڑ ضلع سورت میں شیخ التجوید ہیں۔ (۹) حافظ قاری عبدالشکور ٹونکی جو پاکستان چلے گئے ہیں۔ (۱۰) حافظ قاری الہام الدین ٹونکی جو پاکستان چلے گئے۔۔۔۔۔ قاری محمد عب اللہ قاری سبعمہ، حافظ قاری ظفر اللہ خان قاری عشرہ ٹونکی پاکستان چلے گئے۔ حاجی حافظ قاری منظور شاہ ایک روایت کے قاری، پاکستان چلے گئے۔ حافظ قاری اصغر علی ولد برکت علی، پاکستان میں انتقال ہوا اور مفتی مقبری احمد حسن خان قاری عشرہ (ص ۱۵) مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں :-

” ۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ / ۲۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو استاد القراء حضرت قاری محمد حبیب اللہ کا انتقال ہوا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم فن قراءت و تجوید کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی پوری زندگی قرآن کریم کی

خدمت میں گزری اور بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ فن قراءت کی خدمت ان کاشب و روز کا مشغلہ تھا۔ جامعہ علوم اسلامیہ میں درجات حفظ کا امتحان حضرت مرحوم خود لیا کرتے تھے۔ ان کی رحلت سے ملک علم قراءت و تجوید کے ایک ماہر سے محروم ہو گیا۔ حق تعالیٰ شائستہ نے خدام قرآن سے جو وعدے فرمائے ہیں اپنے فضل و احسان سے حضرت قاری صلی اللہ علیہ وسلم کو ان وعدوں کا مورد بنائے۔ ان کو رحمت و رضوان کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور ان کے اخلاف و مستفیدین اور عزیز شاگردوں کو ان کے صدقہ جاریہ کو قائم و دائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔“ (ماہنامہ بینات، بصائر و عبرت، ج ۳۶، شمارہ ۵، ۶)

## قاری غلام النبی

نام . . . . . غلام النبی

ولدیت . . . . . الحاج نور محمد مرحوم

ابتدائی تعلیم : افغانستان میں ابتداً تعلیم عربی اپنے بھائی ملا شیر محمد مرحوم سے بعدہ شیخ مندون فقیہ وقت سے فقہ کا استفادہ کیا بعدہ مولانا نور محمد سے ابتداً صرف و نحو بعدہ اعلیٰ کی وجہ سے افغانستان سے ہجرت کر کے ایران آنا پڑا۔ بعدہ فراراً بلوچستان۔

قبل از تقسیم صوبہ بلوچستان میں آیا۔ مولانا عبدالرزاق مخرمی سے نحو کا استفادہ کیا، بعدہ مولانا عبدالغفور کوٹلوی مدظلہ سے کچھ کتابیں پڑھ کر پھر سندھ مولانا غلام رسول سندھ لاٹکانڈالے سے ایک سال استفادہ کر کے پھر دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں داخل ہو کر حضرت مفتی اشفاق الرحمن کانڈھلوی سے نورالانوار اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری سے ابن عقیل اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی

( باقی صفحہ ۲۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں )



## قاری محمد افضل کیمبلپوری

آپ ”دھولڑ“ ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے۔

والد صاحب کا نام غلام محمد ہے۔

ابتدائی تعلیم ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، حفظ والد صاحب سے کیا، پھر موضع ”لوٹیری“ میں کچھ عرصہ تک مولانا غلام رسول صاحب سے پڑھتے رہے۔ پھر اشرف المدارس فیصل آباد میں چھ سال کے عرصہ میں مولانا عبدالرحمن (ساکن بچی مانسہرہ ہزارہ فاضل ڈابھیل) سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔

تجوید پھر حضرت قاری محمد عبدالحاکم صاحب کی خدمت میں دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں پہلے روایتِ حفص کی تکمیل کی اور پھر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں ایک سال کی تدریس کے بعد دوبارہ حضرت قاری صاحب کی خدمت میں رہ کر قراءتِ سبعہ کی تکمیل کی۔

آپ کے قراءتِ سبعہ کے دوسرے احباب عبدالعزیز، عبدالقادر، محمد اسلم اور حفصہ قاری صاحب کے فرزند محمد ذاکر تھے۔ سبعہ کے امتحان میں قاری محمد ذاکر اول اور آپ ”م“ ہے۔

تدریس اس دوران کچھ عرصہ ماڈل ٹاؤن اسے بلاک کی جامع مسجد میں تدریس بھی کرتے

سے۔ فراغت کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام مسجد گنبد والی جہلم میں تدریس پر مامور ہوئے، پھر

دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار پنڈی میں پڑھانے لگے۔ یہاں ایک عرصہ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہیں آپ پڑھا رہے تھے کہ آپ کا ۱۹۶۹ء میں وصال ہوا۔

اولاد اولاد میں دو فرزند۔ ایک حافظ قاری محمد اشرف متعلم جامعہ اشرفیہ لاہور ہیں۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

## قاری حافظ حاجی مولانا سعد اللہ بخاری قاری سبوعہ

”وطن بخارا۔ والد کا نام مولانا محمد سعید۔ ولادت ۱۳۲۶ھ مدرسہ فتح پوری دہلی سے عربی درسیات کی تکمیل کی۔ ایک سال تک وہیں مدرس کی خدمت انجام دیتے ہوئے حفظ کی تکمیل کی۔ پھر تجوید و قرأت سیکھنے کی غرض سے مدرسہ فرقانیہ میں داخل ہوئے۔ ساڑھے پانچ سال تک وہاں رہ کر شیخ القراء عبدالملک صاحب سے پہلے بروایت حفص تجوید سیکھی اور پھر سبوعہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۶۶ھ میں مونگھیر کی جامع مسجد میں امام ہو کر گئے۔ جہاں آپ نے مدرسہ تجوید القرآن قائم کیا۔ ساتھ ہی حفظ بھی کراتے رہے۔ اب تک آپ کے مدرسے سے ۲۵ حافظ اور ۳۰ قاری بروایت حفص فارغ ہو چکے ہیں۔ تجوید کی اشاعت میں دل جان سے کوشاں ہیں۔ ابتداء میں لوگوں نے مخالفت کی۔ مگر رفتہ رفتہ فضا سازگار ہو گئی۔ مدرسہ تجوید القرآن میں ۸۰ اور ۹۰ کے درمیان طالب علم ہیں۔ آپ کے پاس ایک خوشخط حمال ہے جس کے حاشیے پر سبوعہ کے اختلافات درج ہیں۔ یہ حمال اورنگ زیب کے عہد میں ۱۰۹۴ھ لکھی گئی۔“ (تذکرہ قاریان - ج ۱ ص ۲۵، ۲۶)



## قاری غلام نبی کیاوی

”وطن گیا۔ ولادت ۱۳۳۵ھ۔ حفظ و تجوید و قرأت کی تکمیل کیا کے مشہور قاری

حافظ عبدالقدوس سے کی۔

اس کے بعد بکھنوا جا کر شیخ القراء عبدالہامک صاحب سے سبقت قرأت کی تکمیل

کی۔ بڑے خوش الحان قاری تھے۔

۳۵ سال کی عمر میں ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہو گیا۔ (ج ۲ صفحہ ۳۴۱)

## قاری حافظ طویل اشرف مونگھیری

”وطن مینڈا ضلع مونگھیر

ولادت ۱۳۳۳ھ میں ہوئی۔ پہلے حافظ و قاری ارادت الحق صاحب سے تجوید

سیکھی۔ پھر حفظ کی تکمیل کی۔ حافظ قاری عبدالقدوس سے سلسلہ درس جاری رہا۔ پھر قاری

ایض اللہ صاحب سے اس کی تکمیل کے بعد ازاں مدرسہ فرقانیہ بکھنوا جا کر قاری عبدالہامک سے

ابتداء بروایت حصص اور پھر سبقت کی تکمیل کی۔ علوم دینیہ کی تکمیل ندوۃ العلماء بکھنوا سے کی۔ جب

قاری عبدالہامک صاحب ٹونک گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ چلے گئے۔ بعد ازاں کلکتہ آکر

ایک عرصہ تک مدرسہ عالیہ میں مدرس رہے۔ تقسیم کے بعد جب مدرسہ کلکتہ ڈھاکہ منتقل ہوا

تو پھر آپ بھی اساتذہ کے ساتھ منتقل ہوئے۔ اب ڈھاکہ میں تجوید و قرأت کا درس دیتے ہیں

(تذکرہ صفحہ ۴۰)

# قاری محمد علی میکیش اکبر آبادی

”وطن آگرہ۔ ولادت مارچ ۱۹۰۲ء۔ مطابق ۱۳۲۱ء میں ہوئی

مدرسہ عالیہ نئے عربی و فارسی کی تکمیل کی۔ قاری عبدالمالک سے ادلاً ایک روایت سے، پھر قرأت مبلعہ سیکھیں۔ شاطبی اور الجزری سبقاً سبقاً پڑھی ہیں۔ ایک روایت سے اچھا پڑھتے ہیں۔

آگرہ کے ممتاز شعراء میں آپ کا شمار ہے۔“ (ص ۸۶)



# قاری اسد حسن خان ٹونکی

”وطن ٹونک۔ والد کا نام قاری حیدر حسن خان

جو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث رہ چکے ہیں۔

ولادت ۱۳۲۹ء، لکھنؤ جا کہ مدرسہ فرقانیہ سے تجوید کی سند ۱۳۴۹ء میں حاصل کی

واپس آکر ٹونک میں درس میں لگے رہے۔

اب پاکستان میں مقیم ہیں۔ قاری عبدالمالک صاحب کے شاگرد ہیں۔“ (ص ۸۹)

## حضرت قاری صاحب کے خطوط

ذیل میں حضرت کے چند خطوط نقل کیے جاتے ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً برادر مکرم مولانا حافظ عبد الدیان کلیم صاحب فاضل دیوبند طالب استاذ اسلامیہ کالج پشاور کے نام لکھے تھے۔ پوری کوشش کے باوجود آپ کے اور خطوط مل نہ سکے۔ ایک خط البتہ قاری ابراہیم شاہ صاحب کے نام جو درج ذیل ہے۔

۱۔ مجھی! السلام علیکم۔ خط آیا۔ آپ کی طویل علالت سے افسوس ہوا۔ نا محمد اللہ علی ذلک میں الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ جب لاہور آئیں تو ضرور ملاقات کریں۔ سب کی طرف سے سلام۔ عبد المالک از لاہور ۱۲ مکان عک ملتان روڈ۔ مقابل قصر سخاوت  
۲، اکتوبر ۱۳۵۹ھ

۲۔ عزیزم مولوی عبد الدیان بعافیت باشند السلام علیکم! خیریت نامہ آیا۔ آپ کے تعلیمی مشاغل معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مقاصد تعلیمی میں کامیاب و بامراد فرمائے آمین۔ میں بوجہ کثرت مصروفیت تعلیم و تدریس کی وجہ سے عذیم الفرست ہوں۔ صرف جمعہ کے روز جوابات خطوط لکھتا ہوں۔ اس وجہ سے تاخیر ہوئی۔ باقی الحمد للہ میں مد جلد اہل و عیال بخیریت ہوں۔ والسلام خیر طلب قاری عبد المالک۔

از لاہور دارالعلوم پرانی انارکلی۔

مورخہ ۲۰، ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

۳۔ عزیزم مولوی عبداللہ بن خطا آیا۔ حضرت مرحوم کے انتقال کی خبر تمہارے خط سے پیشتر ہی معلوم ہو چکی تھی۔ صدمہ ہوا۔ مرحوم اپنی نظیر چھوڑ کر نہیں گئے۔ علم ادب گویا یتیم ہو گیا۔ اللہ ان سے راضی ہو، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ قاری حفظ الرحمن صاحب کو بہت بہت سلام۔ فقط عبدالمالک از دارالعلوم اسلامیہ

لاہور، مارچ ۱۹۵۷ء پنجشنبہ

۴۔ محب مخلصم السلام علیکم! الحمد للہ خیریت طرین حاصل ہے جو ابی کارڈ آیا۔ کوائف معلوم ہوئے۔ اختتام سیلاب کے بعد کوئی خط آپ کا مجھے نہیں ملا۔ ماہ اگست ۱۹۵۷ء میں میرا جانا انڈیا ہوا تھا۔ واپسی کے بعد دیوبند بھی گیا تھا۔ صرف ایک شب قیام کر کے چلا آیا۔ آپ کے پوچھا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ قاری حفظ الرحمن صاحب کی درگاہ ہی میں قیام کیا تھا۔ الحمد للہ سب طرح خیریت و عافیت ہے۔ آپ جب اپنے والد ماجد کو خط لکھیں تو میرا بھی سلام کہہ دیں والسلام خیر طلب عبدالمالک از لاہور  
۱۱ دسمبر ۱۹۵۷ء ۲ بجے دن

۵۔ عزیزم السلام علیکم! خیریت نامہ آیا۔ کوائف معلوم ہوئے۔ آپ کے مشاغل درس و تدریس سے فرحت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علوم دینیہ کی خدمات قبول کرے۔ آمین۔ قاری حفظ الرحمن صاحب درحقیقت بہت سی خوبیوں کے حامل ہیں۔ دیوبند جیسے ادارہ میں وہ نعمتات میں سے ہیں۔ ضرور کچھ وقت نکال کر ان سے استفادہ کریں۔ ایسے شفیق اساتذہ کم ملتے ہیں۔ میں انڈیا سے ۱۳ جون کو واپس آیا۔ ابھی تک صحیح طور پر اسباق شروع نہیں ہوئے۔ باقی خیریت ہے۔

عبدالمالک از لاہور دارالعلوم پرانی انارکلی

۵ ذیقعد ۱۳۷۷ھ

۶۔ عزیزم بعافیت باشد السلام علیکم! خیریت نامہ آیا۔ کوائف معلوم ہوئے۔ بھائی صاحب کی مفارقت کا بہت لوگوں پر اثر ہے۔ جس کو مبتنا تعلق تھا اتنا ہی متاثر ہے۔ ان کی ذات نعمتات

سے تھی۔ بہر حال صبر کرنا ہی ہم لوگوں کا موجب رفع ملال صدمہ ہے۔ جس زمانہ میں ان کو پاؤں میں چوٹ آئی تھی۔ اسی وقت سے کچھ نہ کچھ سلسلہ علالت جاری رہا۔ بالآخر ۱۰ رمضان بروز پنجشنبہ، بجے صبح رحلت ہوئی۔ میں کچھ روز پہلے سہارنپور پہنچ گیا تھا۔ جنازہ میں بڑا مجمع تھا۔ باقی خیریت ہے۔

عبدالملک از لاہور مکان ۷ ملتان روڈ سٹریٹ ۱۹ جون ۱۹۵۷ء  
میں اب دارالعلوم میں نہیں رہتا۔ مکان بدل دیا ہے۔ جس کا پتہ اوپر درج ہے فقط

۷۔ محبی السلام علیکم! عرصہ کے بعد محبت نامہ موجب مسرت و اطمینان ہوا۔ الحمد للہ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی صحت و عافیت کا داعی و خواہاں ہوں۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۵۷ء روز جمعہ کو پاکستانی زائرین کا قافلہ لاہور سے سرمنہ گیا تھا جس کے ہمراہ میں بھی روانہ ہو کر سرمنہ پہنچا۔ مختلف مقامات کے لوگ میرے احباب میں تھے جن سے ملاقات ہو گئی۔ ۱۵ ستمبر کی شب کو واپس لاہور پہنچا۔ لیکن آمد و رفت میں بڑی تکلیف پہنچی۔ کیونکہ سفر ادنیٰ بسوں میں کیا گیا تھا۔ اب تک کافی اضمحلال ہے۔ والسلام

عبدالملک از لاہور دارالعلوم پرانی انارکلی

۱۴ ستمبر ۱۹۵۷ء

۸۔ عزیزم بعافیت باشد السلام علیکم! خیریت نامہ آیا۔ کوائف معلوم ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ختم قرآن کی توفیق فرمائے۔ والد صاحب کو جب خط لکھیں تو میرا بھی سلام لکھ دیں۔ الحمد للہ دوزے ہوئے ہیں۔ تین چار روز سے گرمی سخت پڑنے لگی ہے۔ والسلام خیر طلب عبدالملک از لاہور، مئی ۱۹۵۷ء  
۲۵ رمضان المبارک

۹۔ محبی بعافیت باشد السلام علیکم محبت نامہ آیا۔ کوائف معلوم ہوئے مجھے بھی افسوس ہے کہ دو مرتبہ آپ آئے ملاقات نہ ہوئی۔ انشاء اللہ آئندہ جب آپ دیوبند جائیں گے تو لاہور ہو کر ہی ماستہ ہے باقی الحمد للہ میں بہمد وجوہ خیریت سے ہوں۔ آپ کے معمول مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔

غیر طلب عبدالملک از لاہور ۲۵ ستمبر ۱۹۵۷ء

۱۰۔ محب مخلصم السلام علیکم! میں خیریت سے رہ کر طالب عافیت ہوں۔ بہ ضرورت شادی بر خور دار شاکر سلمہ ہم نسب لوگ وسط رمضان میں کراچی آگئے ہیں۔ تاریخ عقد، ر شوال معین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بحسن و خوبی اس فرض سے سبکدوش کرے آمین۔ اور ہر طرح خیریت ہے۔

دعا گو قاری عبد الملک معرفت حکیم عبدالرشید

رام سوانی کراچی ۲۹ رمضان ۱۳۵۷ھ چہار شنبہ

۱۱۔ محبی السلام علیکم! الحمد للہ میں بخیریت رہ کر خیریت کا طالب ہوں۔ محبت نامہ آیا۔ کوائف معلوم ہوئے ماس سے قبل آپ کا کارڈ آیا تھا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ جمعہ کو شرابا کر مفصل معلومات کر کے لکھوں گا۔ چنانچہ میں منتظر رہا کہ تفصیل خط آجائے تو جواب لکھوں۔ بہر حال مجھے جو اطلاع دی گئی وہ غلط ثابت ہوئی۔ انجمن فی ماقع۔ میں کیا اور میری چائے کیا۔ یہ سب آپ کے مخلصانہ جذبات کا تاثر ہے باقی خیریت ہے۔ اور مجی بعض خطوں کے جوابات لکھنے ہیں۔ اس لئے ختم کرتا ہوں۔ والسلام

خیر طلب قاری عبد الملک صدر شعبہ تجوید دارالعلوم پانی پانہ کل لاہور

۴ فروری ۱۳۵۷ھ

۱۲۔ محبی السلام علیکم! کارڈ ملا۔ کوائف معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند سے آپ کو کامیاب فرمایا۔ دب آپ سے علمی خدمات لے اور حقوق کو فائدہ پہنچے۔ میرا خیال تھا کہ آپ شیخ کے ساتھ نانڈہ چلے گئے ہوں گے۔ قاری حفظ الرحمن صاحب در حقیقت مجید اخلاق ہونے کے علاوہ فن تجوید و قراءہ کے بھی ماشاء اللہ عامل و کامل ہیں۔ نہایت مناسب ہے کہ آپ ان سے مدد استفادہ کریں۔ میاں بارش و ابراہار کا سلسلہ جاری ہے جس سے موسم خوشگوار ہے۔ اور دہلی ٹھنڈ سے ہو ہو رہے ہیں۔ اب میں آخر رمضان یا عید کے متصل پھر سد نبور وغیرہ جاؤں گا۔ ۱۰ ر شوال تک واپسی ہوگی۔ باقی خیریت ہے۔ خیر طلب عبد الملک از لاہور دارالعلوم ۴ رمضان۔

۴ مئی ۱۳۵۷ھ



۱۳۔ مجھی السلام علیکم! عرصہ کے بعد آپ کا خیریت نامہ آیا آپ کی یاد آوری موجب مسرت ہے۔ کل اور آج درمیان کا سالانہ جلسہ دستار بندی ہو رہا ہے۔ قاری طیب صاحب کی تقریر تھی اور آج ہی شب کو ہو گی۔ گذشتہ جمعہ ۲۴۔۲۵۔۲۶ اکتوبر کو اشرفیہ کا جلسہ تھا خیال تھا کہ آپ حسب معمول شرکت کریں گے۔ کوئی خاص مانع ہوا ہو گا اور چند ماہ سے میں بھی بوجہ پریشانی ہوں جس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ والسلام عبدالمالک صدر شعبہ تجویذ دارالعلوم اسلامیہ  
یکم نومبر ۱۳۵۷ھ صبح

۱۴۔ محب مخلص السلام علیکم! خط آپ کا آیا۔ کوائف معلوم ہوئے۔ یہ بھی اتفاقی بات ہے کہ آپ چند بار آئے اور میں موجود نہ تھا۔ علائکہ میں بہت کم کہیں آتا جاتا ہوں۔

چائے کی کمی نہیں۔ ہر وقت چائے موجود ہے۔ لیکن وقت کا تناسب طبیعت کا حضور چائے کے کین کو بڑھا دیتا ہے۔ والد صاحب کو جب خط لکھیں تو میری طرف سے بھی سلام لکھ دیں۔  
والسلام عبدالمالک از دارالعلوم لاہور  
۲۲ جنوری ۱۳۵۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مندرجہ ذیل خط شیخ العرب العجم حفرة مولانا القاری المقرئ عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکتوبی ثم علی کریم کابندہ کو تعلیم القرآن مکھڑ ضلع کیمیل پور میں موصول ہوا جسکی نقل بعونہ تعالیٰ محفوظ ہے  
المختصر الی اللہ سید محمد ابراہیم شاہ

عزیزم ابراہیم شاہ بعافیت باشند  
یہاں خیریت ہے تمہارا غافل آیا۔ اس سے قبل کوئی اور کار ڈنہیں ملا۔ خوب محنت سے دل لگا کر کام کرو اور اچھی دوایک سبق عربی کے جاری رکھو۔  
اور تقریر کرنے کی بھی مشق کرو اور نہایت وقار سے رہو طبیعت میں لالچ بالکل نہ

ہو بے لوث اور بے طمع رہ کر دقت گزار دو۔ حافظ یوسف صاحب فضل الہی کو سلام  
محمد عبد الملائک

از۔ لاہور م مقابل قصر سخاوت ملتان روڈ لاہور

۱۹ نومبر ۱۹۵۹ء

عزیزم ابراہیم شاہ لبافیت باشند۔ یہاں خیریت ہے مہتار لفاذ آیا۔  
اس سے قبل کوئی اور کارڈ نہیں ملا۔ خوب محنت سے دل لگا کر کام کرو اور اپنے دو  
ایک سبق عربی کے جاری رکھو۔

اور تقریر کرنے کی بھی مشق کرو۔ اور نہایت وقار سے رہو۔ طبیعت میں  
لاچ بالکل نہ ہو بے لوث اور بے طمع رہ کر دقت گزار دو۔

حافظ یوسف صاحب، فضل الہی صاحب کو سلام

محمد عبد الملائک

ملتان روڈ ۱۹ نومبر ۱۹۵۹ء از لاہور مقابل قصر سخاوت



# تقاریر

ذیل میں ہم قاری صاحب کی تقاریر کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

تقریر

حضرت مولانا قاری عبدالملک صاحب نور اللہ مرقدہ

عَمَدَةٌ وَنُصْلَةٌ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

میں نے ان حواشی کو جابجاسے دیکھا۔ مجھی قاری حفظ الرحمن صاحب نے تجوید کے بعض ان مسائل کو جو متن میں قابل وضاحت تھے عمدہ پیرائے میں حواشی کے ذریعہ سے عام فہم اور واضح کر دیا گورسہ جمال القموان کے بعض دیگر حاشیے بھی نظر سے گزرے لیکن یہ چند اور مختصر حواشی بھی جو مفید اور ضروری تھے انشاء اللہ طلاب تجوید کے واسطے نافع ثابت ہوں گے۔

فقط

عبدالملک

یکم ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

روز جمعہ کھنؤ



## الحافظ القاری المقرئ عبد المالك صاحب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد: رسالہ معلم التجوید للمتعلّم المستفید مولفہ محبی قاری محمد شریف صاحب صدر شعبہ تجوید مدرسہ تجوید القرآن لاہور کوئٹہ نے اکثر جگہ سے دیکھا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ موجودہ جلتے اردو میں تجوید کے رسائل ہیں، یوں تو سب ہی بہتر اور نافع ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں مولف نے تجوید کے جملہ مسائل کو نہایت کاوش کے ساتھ عمدہ اور سلیس عبارت میں سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے جس سے معمولی استعداد کا طالب علم بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ نیز تجوید کے تمام مسائل سلف اور خلف کی معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ پھر ہر مسئلہ کو سوال اور جواب کی صورت میں پیش کیا ہے جس سے مسائل کو یاد کر لینے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ اس رسالہ کو سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد پھر بقیہ دیگر رسالوں کے پڑھنے کی چندان ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ مولف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فن تجوید و قرأت کی مزید خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ عبد المالك مدرسہ دار الترتیل لاہور۔ ۲۹ شوال ۱۳۷۶ھ۔

# انجمن کا قرآنی قاعدہ

کہنؤ

ظفر اقبال بن غلام قادر فصیح

ایم اے بی ٹی، پی ای ایس (ریٹائرڈ)

مع پیش لفظ از

شیخ القراء جناب الحاج القاری عبدالمالک صاحب، مڈظلہ العالی!

شائع کردہ

انجمن حمایت اسلام، لاہور

# پیش لفظ

از

امام القراءۃ جناب الحاج الحافظ القاری عبدالمالک صاحب مَدَنی ظِلِّ الْعَالِی



دارُ الْعُلُومِ اِسْلَامِیَّہ  
پُرانی انارکلی، لاہور  
۲۸ شعبان المعظم ۱۳۷۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بچوں کی ابتدائی تعلیم ہی آئندہ کی مجید تعلیمات کا سرچشمہ ہوتی ہے، خصوصاً قرآن مجید کے ایسے توحیح قواعد و ضوابط کی ابتدائی تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر بچوں کو آغازِ تعلیم ہی سے تلفظ کے اصولی قواعد کا عادی بنا دیا جائے، تو پھر پورے کلامِ الہی کی تلاوت میں تلفظ کی وہ عام غلطیاں سرزد نہیں ہوگی جو آج کل سوفیصدی رائج و شائع ہیں اور جن کے باعث کتابِ اللہ کی تلاوت کرنے والے رَبِّ تَآلٰی الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ یَلْعَنُہُ (تلاوتِ قرآن کرنے والے اکثر اشخاص ایسے ہیں کہ قرآن اُن پر لعنت بھیجتا ہے) کے مصداق بنتے ہیں۔ تلفظ کے اصولی قواعد پر کاربند بننے والے نہ صرف اس عید سے محفوظ رہیں گے، بلکہ ہر حرف کی صحیح تلاوت کے جسے دس دس نیکیوں کے مستحق بھی ہوں گے۔

تلاوتِ قرآن سکھانے والے متعدد قواعد سے اتفاقاً قیامی نظر سے گزرے۔ اُن میں اس مقصد کے حصول کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ قاعدے مختلف حیثیتوں سے کافی دوامی نہ تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر انجمن حمایتِ اسلام لاہور

کا قرآنی قاعدہ ہے۔ میں نے اسے اول سے آخر تک بغور پڑھا ہے۔ اس قاعدے میں بفضلہ تعالیٰ وہ تمام ضروری ضوابط و ہدایات موجود ہیں، جن کی عملی مشق ہم بچپن سے ہر قیدی کلام الہی کو صحیح پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ معلم حضرات بھی اس کے عملاً اہل اور خاہل ہوں۔ اس قاعدے کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ زبان کی سلاست اور مطالب کی عام فہمی کا پورا پورا انتہام و التزام کیا گیا ہے۔
- ۲۔ ابجد کو ابتداً جن حروف سے روشناس کرایا گیا ہے، ان میں غارِج کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
- ۳۔ حروفِ غارِج کے سلسلے میں ان اعضاء کے خاکے اور نقشے کھینچے گئے ہیں، جن سے ان حروف کی آوازیں ادا ہوتی ہیں۔
- ۴۔ حرکات ثلاثہ (فتح و کسر و ضم) کی صحیح کیفیت و کیفیت، ان کا احاطہ واضح کیا گیا ہے۔
- ۵۔ مفردات کے بعد مرکبات کے اسباق میں یہ التزام ہے کہ تمام مرکب کلمات قرآن مجید ہی میں سے لیے گئے ہیں۔ پورے قاعدے میں ایک بھی غیر قرآنی لفظ نہیں۔
- ۶۔ ان حروف کے غارِج اور صفات ضروریہ کو احاطہ بیان کیا گیا ہے۔
- ۷۔ بعض حروف کے اتصال و ترکیب سے بوجہ خاص خاص کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً، اظہار، ادغام، انفاء، اقاب وغیرہ، موزوں مثالوں سے انہیں بخوبی واضح کر دیا گیا ہے۔
- ۸۔ حروف متحرک و ساکنہ و مشدّدہ کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔
- ۹۔ قرآنی رسم الخط کا ذکر سب ضرورت کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان حروف کی تعیین بھی کر دی گئی ہے۔
- ۱۰۔ مکتوب میں مکتوب نہیں یا صرف حالت و ثقف میں مکتوب ہوتے ہیں۔

یہ افادات زائدہ حروف و قطعات و رموز و اوقاف اور قواعد و نغمات وغیرہ کا بیان بھی بقدر کفایت موجود ہے۔  
 نتیجہ یہ کہ جسے پڑھے کوئی تامل نہیں کہ یہ قاعدہ اگرچہ ابتدائی تعلیم کے لیے لکھا گیا ہے تاہم پڑھے قرآن مجید اور انتہائی تعلیم کا حامل بنے تعلیم کو خداوند کریم توفیق عطا فرمائے کہ وہ خدا ہی ان ضوابط و قواعد پر عمل کرتے ہوئے سچوں کی

قائم القرآن

یعنی رہنمائی کر لیں آمین!

قاری عبدالمالک

صدر شعبہ تہجد و قراءۃ

مکرمی جناب قاری صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا عنایت نامہ مع کتاب 'عذار القرآن' موصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔  
بوجہ عدیم الفرستی جواب سے محروم رہا۔ کتاب کو مختلف مقامات سے دیکھا معلوم  
ہوا ہے کہ اس کے مسائل بڑی تحقیق و تدقیق سے جمع کیے گئے ہیں خصوصاً وقت اور  
وصل کا بیان مجھے بہت پسند آیا۔ بڑے عمدہ اسلوب سے لکھا ہے کہ یہ کتاب طلبہ  
کے لیے ایک مکمل اور مفید ذخیرہ ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل اور شائقین کو  
توفیق عمل عطا فرماوے والسلام مع اہل کرام  
عبدالماک کان اللہ مدرس مدرسہ قرآنہ بکھنؤ ۵ صفر ۱۳۶۱ھ

ۛ یہ تقریظ قاری محمد اسماعیل پانی پتی کے کتاب عذار القرآن میں چھپی ہے۔





# تمہارے سوا کچھ تمنا نہیں ہے

”حضرت مولانا قاری عبدالخالک لکھنوی تجوید و قرأت کے فن میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ساتھ ساتھ شعر و ادب سے بھی دلچسپی تھی غلش تخلص کرتے تھے۔ ان کی ایک غیر مطبوعہ غزل جو انہوں نے بروز پنج شنبہ ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو اپنے صاحبزادہ جناب قاری عبدالرشید غافر رقیعہ کراچی کو مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے بھیجی تھی، ہمیں رئیس عالم صاحب کی معرفت موصول ہوئی ہے جسے ہم قاری صاحب کے تبرک کے طور پر شائع کرتے ہیں۔

|                                |                                     |
|--------------------------------|-------------------------------------|
| محبت کسی کی اگر دل نشیں ہے     | تو عالم کا پھر ذرہ ذرہ حسیں ہے      |
| دم نزع بالیں پہ وہ مہ جبین ہے  | عجب کشمکش میں یہ جان حزیں ہے        |
| یہی اپنا مسلک یہی اپنا دیں ہے  | جو راضی خدا ہے تو سب کچھ یہیں ہے    |
| نہ ہے کامیابی نہ ہے خوش نصیبی  | درِ یار ہے اور اپنی جبین ہے         |
| محبت نے بدلی مرے دل کی دنیا    | نہ وہ آسماں ہے نہ اب وہ ریل ہے      |
| نہ ہو جائے برہم کہیں نظم عالم  | بہت مضطرب آج قلب حزیں ہے            |
| تمہاری خوشی پہ ہے قربان سب کچھ | جو دنیا کے غم ہوں تو کچھ غم نہیں ہے |
| نظام جہاں کی ہے بنیاد اس پر    | ہر اک شے محبت کے زیر نگین ہے        |
| مری آرزو تم مرا مدعا تم !      | تمہارے سوا کچھ تمنا نہیں ہے         |
| محبت نے کھویا مجھے دو جہاں سے  | غلش ہیں کہیں اور مراد کہیں ہے       |

## حضرت قاری عبدالحق صاحب

آپ ۱۲۹۰ھ کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام شیخ جیون علی ہے۔ ابتدائی تعلیم ابھی چھ سال کے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے محلہ کی ایک معلمہ کے سپرد کیا۔ ان سے آپ نے قاعدہ اور چند پارے پڑھے۔ بعد میں آپ کی والدہ نے آپ کو مولوی صدیق حسین کے سپرد کیا۔ جو محلہ کٹہرہ کی مسجد میں تعلیم دیتے تھے۔ یہاں آپ نے قرآن مجید ناظرہ ختم کر کے حفظ شروع کر دیا۔ پانچ سال کے عرصہ میں تکمیل کی۔ اس کے بعد آپ گردان کرتے رہے اور رمضان المبارک میں اپنے محلہ کے قریب نور خاں والی مسجد میں پہلی محراب سنائی۔

سفر حج رجب ۱۳۱۳ھ میں والدہ صاحبہ نے سفر حج اختیار کیا۔ آپ، بڑے بھائی حاجی

لے شیخ جیون علی کی پہلی بیوی سے ایک فرزند حاجی عبداللہ اور ایک دختر تولد ہوئیں۔ ان کی

وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی کی۔ دوسری بیوی سے قاری عبدالحق اور قاری

عبدالمالک پیدا ہوئے۔ چونکہ دونوں کی ولادت شیخ جیون علی کے بڑھاپے میں ہوئی۔ اس

لیے دونوں کے ساتھ انہیں بے حد پیار تھا۔ مگر جب قاری عبدالحق صاحب کی عمر ابھی

چھ سال ہی کی تھی ان کا وصال ہو گیا۔ ان کے وصال کے دو ماہ بعد قاری عبدالمالک صاحب

کی ولادت ہوئی۔

عبداللہ اور چھوٹے بھائی قاری عبدالمالکؒ بھی ہمراہ تھے۔ یہ مختصر سا قافلہ چند روز بمبئی میں قیام کے بعد مغل لائن کے کسی جہاز کے ذریعہ روانہ ہوا۔ یہ شعبان کا آخر تھا۔ جدہ میں دو راتیں قیام کر کے بذریعہ اونٹ مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ اور ۱۸ رمضان کو مغرب کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ اس قافلہ کے معلم عبداللہ سندھی تھے جنہوں نے ان حضرات کو محلہ شامیہ کے ایک مکان میں ٹھہرایا۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد والدہ محترمہ نے مستقل وہیں قیام کر لیا اور آب کو مدرسہ مولیتہ میں حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب کے سپرد کر دیا۔ یہاں چار سال تک آپ ان سے پڑھتے رہے۔ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ کو والدہ کے ہمراہ مدینہ منورہ حاضری دی، چھ ماہ کے بعد واپسی ہوئی اور پھر حضرت قاری عبداللہ صاحب سے پڑھنے لگے۔ تقریباً سات سال کے عرصہ میں قاری صاحب سے مکمل قرآن مجید کی مشق کی اور داخل نصاب تجوید کی کتابیں بھی پڑھیں۔

وطن کو واپسی آپ کے بڑے بھائی حاجی عبداللہ چھوٹے بھائی قاری عبدالمالک صاحب کو لے کر ہندوستان آگئے جس کی وجہ سے والدہ صاحبہ بے مد پریشان ہوئیں۔ بالآخر ایک سال اور رہ کر انہوں نے حج کر کے ۱۳۲۶ھ میں والدہ کے ساتھ بمبئی کے راستے سے ہندوستان آئے یہاں علی گڑھ میں قاری عبدالمالک آپ کو مل گئے، جس سے والدہ صاحبہ کی پریشانی ختم ہوئی۔

تدریس اہل محلہ کے اصرار پر ایک مکان میں بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ ان دنوں ۱۳۲۶ھ میں سہارنپور میں مدرسہ تجوید القرآن قائم ہو چکا تھا۔ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں دونوں

مے قاری عبدالمالک صاحب کو بڑے بھائی عبدالحق صاحب اپنے استاد مولوی سیدی حسین کے ہاں اپنے ساتھ لے جاتے اور خود بھی پڑھاتے۔ ابھی قاری عبدالمالک صاحب کا ناظرہ قرآن مجید بھی ختم نہ ہوا تھا کہ سفر حج پر والدہ ماجدہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

بھائیوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ قاری عبدالرحمن پانی پتی، قاری عبدالسلام پانی پتی اور قاری ابراہیم کرنالی کے بعد جب آپ نے اور قاری عبدالمالک نے تلاوت کی تو سامعین سکتے میں آگئے۔ کیونکہ اس سے پہلے حجازی لہجہ سے سب کے کان نا آشنا تھے۔ جلسہ کے اختتام پر دونوں بھائیوں کو تدریس کی دعوت دی گئی۔ آپ دونوں نے اس وقت اجازت لی مگر بعد میں آنے کا وعدہ کر لیا۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ میں مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں دونوں بھائیوں نے تدریس کا آغاز کیا۔ اور حجازی لہجہ میں آپ کی تدریس سے شہر میں دھوم مچ گئی۔ یہاں تین سال تک آپ کے ساتھ قاری عبدالمالک صاحب نے بھی پڑھایا۔

یہاں اخلاص اور ایثار کے ساتھ آپ تعلیم دیتے رہے۔ مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند سے بھی بلاوے آئے۔ مگر آپ نے یہاں کی تدریس کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کئی کئی ماہ بغیر تنخواہ کے گزر گئے۔ مگر آپ نے کبھی اس کی پرواہ نہ کی۔

تحریک خلافت کے دوران تمام جلسوں میں افتتاحی تلاوت آپ ہی کی ہوتی تھی آپ جامع مسجد سہارنپور کے خطیب بھی تھے۔ اور خطیب مقرر ہونے پر اپنی مرضی سے مدرسہ کی تنخواہ میں کمی کر دی۔

والدہ کا انتقال ۱۳۴۳ھ میں ۸ شعبان کو انتقال کیا اور سہارنپور میں دفن کی گئیں۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور آج اس فن کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

وصال ۱۱ اپریل ۱۹۵۷ء بروز جمعرات وصال ہوا۔

اولاد آپ کی شادی ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ میں ہوئی، پانچ بچیاں اور ایک فرزند (قاری

عبدالباری تولد ہوئے۔ پہلی تین بچیاں بچپن ہی میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ دو میں سے بڑی

مولوی حافظ مشتاق احمد نہٹوری فاضل دیوبند سے منسوب ہوئیں جو ڈیرہ دوں میں معلم اور

مفسرِ قرآن تھے اور ۱۹۴۶ء کے فسادات میں وہیں شہید ہو گئے۔ مرحوم نے تین بچے چھوڑے جن میں ایک بچہ فوت ہو گیا۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا بقید حیات ہیں۔ چھوٹی لڑکی عشرت اللہ صاحب سے منسوب ہیں جو علی گڑھ میں رہتے ہیں۔

تصنیف آپ نے تجوید کے مسائل کو آسان زبان میں پیش کیا اور تیسیر التجوید کے نام سے ایک عمدہ کتاب بھی جو آپ کی تصنیفی یادگار ہے۔ مولانا قاری اظہار احمد تھانوی نے اس کتاب پر ایک شاندار حاشیہ بھی تحریر کیا ہے۔ ۱۷




---

۱۷ سوانحی تذکرہ کا مواد تیسیر التجوید کے آخر میں "سوانح حیات" سے لیا گیا ہے اور یہ مواد غلام ہے۔ اس تحریر کا جو خود حضرت قاری عبدالحق صاحب نے اپنے حالات زندگی پر چھوڑی ہمارے عبدالحق صاحب کے بیٹے اور قاری عبدالحق صاحب کے فرزند جناب قاری عبدالمجید محمد ذکر صاحب کی تحویل میں ہے۔

مولانا محمد سلیم لکھتے ہیں :-

”یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے طول و عرض میں جہاں کہیں فنِ تجوید کا سلسلہ اور قرأتِ سبعہ کا چرچا دکھائی دیتا ہے یقیناً بالواسطہ یا بلاواسطہ وہ مدرسہ صولییتہ (مکتہ مکرمہ) کا فیض ہے۔ مدرسہ صولییتہ کے تعلیم یافتہ طلبہ جنہوں نے ہندوستان (قدیم) میں تجوید و قرأت کی ترقی و تعلیم میں خاص حصہ لیا ان میں خصوصیت کے ساتھ قرآن ذیل قابل ذکر ہیں :-

- ۱۔ مولوی قاری محمد سلیمان صاحب مرحوم علوی بھوپال۔ (ڈائریکٹر محکمہ تعلیم بھوپال)
  - ۲۔ قاری سید حسن صاحب و جاناہ ضلع رہتک۔
  - ۳۔ قاری عبد الرحمن صاحب مرحوم احیاء العلوم آباد۔
  - ۴۔ قاری عبد الخالق صاحب مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور۔
  - ۵۔ قاری ابراہیم رشید خطیب مکتہ مسجد حیدر آباد۔
  - ۶۔ ”عبد الوحید خان صاحب دارالعلوم دیوبند۔
  - ۷۔ ”عبد المالک صاحب مدرسہ فرقہ قائمہ لکھنؤ۔
  - ۸۔ ”فیض عالم صاحب گولڑا، راداپنڈی۔
  - ۹۔ ”محمود یار صاحب بھوپال [مہتمم و صدر مدرسہ عبیدیہ تجوید القرآن بھوپال]
  - ۱۰۔ ”مطیع اللہ صاحب ملتان۔
  - ۱۱۔ ”میران شاہ مرحوم معلم تجوید دارالعلوم ندوہ لکھنؤ۔
  - ۱۲۔ ”مولانا ضیاء الدین صاحب مہتمم مدرسہ باقیات الصالحات مدراس۔
  - ۱۳۔ قاری حمید الدین صاحب بانی مدرسہ تجوید بنعل ضلع مراد آباد۔
  - ۱۴۔ مولوی قاری سید مرتضیٰ حسینی صاحب بمبئی۔
- مولوی محمد مسعود شمیم نے چند آوراناموں کا اضافہ کیا ہے :-

- ۱۵- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
- ۱۶- قاری محمد صدیق صاحب مرحوم دہلی۔
- ۱۷- قاری محمد میاں صاحب مرحوم لدھیانہ۔
- ۱۸- قاری خلیل الرحمن صاحب مرحوم ڈھاکہ۔
- ۱۹- حافظ قاری محمد صغیر مرحوم مکر رہنگال۔
- ۲۰- قاری محمد اکرم نعمانی کابل۔
- ۲۱- قاری فیض الحسن مرحوم دجانبہ۔
- ۲۲- قاری بدر الاسلام مرحوم کیرانہ۔
- ۳۳- قاری عبداللہ رشید مرحوم۔

---

سہ مولانا محمد مسعود شمیم: مدرسہ صوفیہ: رجب ۱۳۹۸ھ: ص ۱۳۶۱۲۔



## شیخ القراء عبد الخالق سہارنپوری

وطن علی گڑھ، والد کا نام شیخ جیون علی، ولادت ۱۲۹۵ھ میں ہوئی۔ والد کا انتقال ۱۳۰۲ھ میں ہوا۔ ابتدائی تعلیم شیخ حسین سے حاصل کی۔ حفظ کی تکمیل بھی انہی کی نگرانی میں ہوئی۔ ۱۳۱۳ھ میں والدہ اور چھوٹے بھائی عبد الحامک کے ساتھ حج کو روانہ ہوئے۔ بعد فراغ حج مدرسہ مولیٰ میں شیخ القراء محمد عبد اللہ مہاجر مکی کے پاس تجوید و قرأت و علوم حاصل کئے۔ چار سال مکہ معظمہ میں قیام کر کے ۱۳۱۵ھ میں مدینہ منورہ گئے۔ چھ ماہ وہاں قیام کرنے کے بعد مکہ معظمہ واپس آئے جہاں مزید تین سال قیام کیا۔ اس عرصے میں قرأت کی درسی کتابیں اور پورا قرآن مجید شیخ القراء محمد عبد اللہ صاحب کو سنایا۔ ۱۳۲۲ھ میں نواں حج کر کے ہندوستان واپس ہوئے۔

۱۳۲۳ھ میں مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں آپ کا تقرر ہوا۔ اس وقت سے لیکر ۱۳۶۶ھ تک یعنی ۵۳ سال تجوید و قرأت کی خدمت انجام دی۔ آپ حجازی لہجہ میں بے تکلف قرآن مجید پڑھتے تھے۔ بناءً کو پسند نہ کرتے۔ خوش گوشتے اور عربی لہجہ کے بہت ماہر تھے۔ ترتیل میں عام طور پر چینی لہجہ اختیار کرتے تھے۔ آواز نہایت صاف، بلند اور باریک تھی۔ سانس بہت لمبی تھی۔ ترتیل و تحقیقاً بڑی ٹری آئیں جن کو متوسط سانس والا کم از کم تین چار سانس میں پڑھ سکتا ہے۔ ان کو ایک ہی سانس میں بے تکلفی سے پڑھنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔

آپ بڑے متقی، عابد و زاہد تھے۔ جامع مسجد سہارنپور کے امام و خطیب بھی رہے۔ تجوید کے قواعد میں تیسیر التجوید ایک کتاب تالیف کی جو طبع ہو چکی ہے۔

آپ کے فرزند قاری حافظ عبد الباری عشرہ کے قاری ہیں۔ علی گڑھ میں درس دیتے ہیں۔ شیخ القراء عبد الخالق صاحب نے ایک ہزار قاری بنائے۔ رمضان ۱۳۶۶ھ میں انتقال ہوا۔



## قاری عبد الباری صاحب سہارنپوری

آپ امام المجتہدین حضرت قاری عبد الخالق صاحب کے فرزند ہیں۔  
 ۱۲۲۲ھ / ۱۹۱۳ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

قرآن مجید اپنے والد صاحب سے حفظ کیا، پھر ۱۲۴۶ھ میں مظاہر العلوم میں  
 داخل کیا اور فارسی اور عربی کی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ ۱۲۵۲ھ تک مظاہر علوم  
 ہی میں تعلیم حاصل کی۔

بارہ سال تک آپ نے مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں درس دیا، پھر کچھ عرصہ  
 کے لیے علی گڑھ چلے گئے اور وہاں پڑھاتے رہے۔ آپ عشرہ کے قاری تھے۔

جامع مسجد سہارنپور کے امام و خطیب رہے۔ آپ کے خاندان نے کوئی بیچا ہے  
 سال یہ خدمت انجام دی۔ ۱۲۹۲ھ / ۲۲ نومبر ۱۹۷۴ء کی صبح کو وصال ہوا۔  
اولاد سب سے بڑے بیٹے حافظ عبد الہادی صاحب۔ انھوں نے حفظ اپنے

والد صاحب سے کیا اور ڈیکنیکل لائسنس اختیار کی، دوسرے بیٹے حافظ قاسمی عبد الباقی  
 صاحب ہیں جو آجکل ریاض کی الجامعہ کینی میں کسی فنی خدمت پر مامور ہیں۔ آپ کے بیٹے  
 بیٹے ضیاء الخالق ہیں، بھران کا مشغلہ تجارت ہے، چوتھے بیٹے تسکین احمد ہیں، یہ حافظ  
 قرآن ہیں اور درس نظامی کی تکمیل کر رہے ہیں، پانچویں بیٹے متین احمد ہیں، سکول میں  
 ذیہ تعلیم ہیں۔ اور آپ کی اتنی ہی دختران ہیں۔

## مولانا محمد یعقوب ہزاروی

آپ پٹھانوں کے خاندان سواتی (بائی خیل) سے تعلق رکھتے تھے جو ایک علمی خاندان تھا۔ آپ کے والد مولانا غلام علی اور دادا مولانا محمد ظریف خان بھی عالم دین تھے۔ ۱۸۹۸ء کے لگ بھگ سالدار پٹل مانسہرہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب اور بڑے بھائی مولانا محمد قلندر صاحب سے حاصل کی، پھر ہزارہ اور کیمبل پور کے مختلف علماء سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں، زال بعد جامعہ فقیہہ پھر لاہور میں مولانا مہر محمد صاحب سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ علامہ محمد انور کشمیری سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ عالیہ رامپور کے اساتذہ سے پڑھتے رہے، مدرسہ عزیز رامپور کے اساتذہ مولانا سید احمد شاہ اور مولانا منور علی محدث سے دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اسی دوران الہ آباد یونیورسٹی سے ”مولوی فاضل“ کا امتحان پاس کیا۔ دوبارہ دورہ حدیث کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور مولانا حیدر حسن خان محدث سے دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ فرق باطلہ سے مناظرہ کے سلسلہ میں مولانا عبد الشکور لکھنوی سے تربیت حاصل کی۔ مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ سے طب و جراحات کی سند حاصل کی۔

### علم تجوید کی تحصیل ایشیا کے مشہور استاد مولانا قاری عبدالملک صاحب

سے کی۔ مدرسہ قدیمیہ لکھنؤ اور مطلع العلوم رامپور میں تدریس کرتے رہے، ۱۹۳۹ء میں والدین کے اصرار پر وطن آئے اور واہ سیمنٹ ورکس کی جامع میں امام و خطیب مقرر ہوئے اور منبع العلوم کے نام سے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس میں آخر تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

بعض درسی کتابوں پر آپ کے مفید حواشی ہیں جو غیر مطبوع آپ کی اولاد کے پاس ہیں آپ نے چالیس سال سے زیادہ امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔

۲۶ رجب ۱۴۰۲ھ / ۲۱ مئی ۱۹۸۲ء بروز جمعہ و اصل بحق ہوئے۔ میں

پانچ لڑکے قاضی محمد ایوب، محمد یوسف، محمد یونس، محمد طیب اور محمد طاہر سہمی عالم ہیں اور اتنی ہی دختران ہیں۔

## مولانا حافظ محمد داؤد ایدو وکیٹ ہزاری

آپ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ بروز اتوار امرتسر میں پیدا ہوئے اسی وقت آپ کے والد حافظ محمد یونس صاحب امرتسر میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم تھے۔

چھ سال کی عمر میں والد صاحب نے کاندھلہ بھیجا دیا۔ ۱۲-۱۳ سال کی عمر تک کاندھلہ میں کوئی معقول انتظام تعلیم کا نہ ہو سکا آپ کے بڑے بھائی پروفیسر محمد عثمان صاحب علی گڑھ سے گرمیوں کی تعطیل میں کاندھلہ آئے تو انہیں آپ کی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی، پہلے خود قرآن مجید حفظ کرانا شروع کیا۔ انتہائی شفقت اور روزانہ انعام دے کر آپ کو تعلیم کی طرف مائل کیا۔ تعطیل کے بعد کاندھلہ کے مکتب میں حافظ رحیم بخش صاحب سے حفظ کرنا شروع کیا۔

انہی سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب نے حفظ کیا تھا۔ پہلے سال میں گیارہ پارے حفظ کئے، دوسرے سال میں حافظ صاحب کی خصوصی توجہ سے قرآن مجید مکمل حفظ کر لیا۔ تیسرا سال دور کے لئے مخصوص رہا۔ اس کے بعد مقامی مدرسہ عربی نصرۃ الاسلام جو مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے والد مولانا محمد اسماعیل مرحوم کے زیر نگرانی جاری تھا، داخلہ لے لیا، یہ ۳۷-۳۸ھ کا زمانہ تھا۔ اس مدرسہ کے روح رواں حفصہ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی مصنف تیسیر مبتدی تھے جن سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا بشیر علی وغیرہ حضرات ابتدائی تعلیم عربی حاصل کر چکے تھے۔ دو سال کے عرصہ میں ان سے نہایت نحو کی کوئی ۳۰ کے قریب کتابیں پڑھ لیں۔

شوال ۱۳۳۹ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ یہاں چھ سال کے عرصہ میں درس نظامی کی تکمیل کی ۱۳۴۵ھ میں حضرت مولانا عبدالرحمن کالمپوری سے دورہ حدیث پڑھ کر، ۱۸ اکتوبر میں امتحان دیکر ۳۲۶ نمبر حاصل کر کے آخری امتحان میں اول آئے ۱۳۴۴ھ میں

مدرسہ کی شعبان کی تعطیلات میں مولوی عالم کا امتحان جامعہ پنجاب سے پاس کر لیا دورہ  
 حدیث کی تکمیل کے بعد اسی جامعہ سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مظاہر العلوم کی تعلیم کے  
 دوران حضرت قاری عبدالخالق صاحب سے روایت حفصہ کی تکمیل کر کے مدح حاصل کی پھر علیگرہ  
 بھائی صاحب کے ہائی جا کر ۱۹۲۸ء میں میٹرک ۱۹۲۹ء میں انٹر اور ۱۹۳۰ء میں رصرت انگریزی میں؛  
 بی۔ اے کے امتحان جامعہ پنجاب سے پاس کر لئے۔ بی۔ اے کا نتیجہ نکلا تو بھائی صاحب کا تعلق ملازمت  
 علیگرہ سے منقطع ہو گیا اور وہ اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر حساب کی حیثیت سے آگئے ۱۹۳۰ء  
 میں سروہی چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ مہاراجہ جو مسلمان ہو گیا تھا کو تعلیم دین دیتے رہے ۱۹۳۳ء  
 تک وہاں قیام رہا ۱۹۳۵ء میں علیگرہ میں ایم۔ اے۔ عربی کا داخلہ لیا اور ۱۹۳۷ء میں ایم۔ اے  
 عربی کے ساتھ ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ قانون کی کلاسیں مغرب کے بعد ہوا کرتی تھیں  
 دونوں امتحان درجہ اول میں پاس کئے عربی (ایم۔ اے) میں خصوصی امتیاز بھی حاصل رہا۔ کالج میں  
 عربی لیکچرر کے لئے چھ ماہ تک علیگرہ میں قیام کیا مگر خدا کی قدرت کوئی جگہ نہ ملی ۱۹۳۳ء میں  
 شادی ہو گئی تھی اس لئے مجبوراً وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ پہلے اپنے ضلع مظفرنگر میں پریکٹس  
 شروع کی۔ پھر قیام پاکستان کے بعد ایبٹ آباد میں کوئی چالیس سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اب  
 دو سال سو گئے ہیں کہ وکالت کا کام بالکل چھوڑ دیا ہے۔

حافظ صاحب نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ جو زندگی اس پیشہ میں گزری برباد ہوئی حضرت  
 شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جو آپ کے بھائی بھی ہیں، آپ کی فراغت کے وقت  
 مدینہ منورہ گئے ہوئے تھے، اگر وہ مظاہر العلوم میں ہوتے تو شاید آپ اس طرف کا رخ  
 بھی نہ کرتے اور مظاہر العلوم ہی میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہوتے۔

## قاری محمد الیاس صاحب

قاری صاحب ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نسباً سید ہیں۔  
 آپ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۰ء کو تاجک ڈاک خانہ رنگو ضلع جمیل پور میں پیدا ہوئے۔  
 ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی پھر سہارنپور میں استاذ القراء حضرت قاری عبدالحق صاحب  
 سے ۱۹۴۱ء میں روایت حفص کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔  
تدریسی خدمات:

قراغت کے بعد جناب سیٹھی محمد یوسف کے قائم کردہ مدارس میں تدریس پر  
 مامور ہوئے اور کچھ عرصہ بعد سیٹھی صاحب کے ارشاد پر بقہ تحصیل مانسہرہ میں آ گئے۔ یہاں  
 پانچ سال تک نہایت محنت سے تدریس کی۔ سینکڑوں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔  
 کچھ عرصہ مسجد نارٹھی مانسہرہ میں اور مسجد سیٹھی ایٹ آباد میں بھی پڑھاتے رہے۔ پھر دارالعلوم  
 تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں دو سال تک قراغت کی تدریس کی۔ زان بعد سیٹھی  
 صاحب کے قادیان سے ”مدینۃ الرسول“ میں دو سال پڑھانے کی سعادت ملی۔ اس کے  
 بعد ۲ سال پشاور میں قاری کلاس کو پڑھاتے رہے۔ اور تین سال انگلینڈ میں تدریس  
 کی۔ انگلینڈ میں آپ سے ۶۰ بچوں نے تیسواں پارہ اور ایک نے پورا قرآن مجید حفظ  
 کیا۔ آپ سے پچاس سے زائد طلبہ نے حفظ مکمل کیا اور اس سے زائد نے تجزیہ  
 پڑھی۔ انگلینڈ سے واپسی پر اپنے گاؤں تاجک میں دارالعلوم نزہت القرآن کی بنیاد  
 رکھی اس دارالعلوم پر کوئی دو لاکھ روپے خرچ ہو چکا ہے آپ اس کے بانی اور مہتمم ہیں

آپ راقم الحروف کے بزرگ دوستوں میں سے ہیں آپ کا انداز تدریس اتنا عمدہ ہے کہ طلبہ کشاں کشاں آپ کی خدمت میں پہنچتے ہیں اور محبت سے پڑھتے ہیں۔ ویران جگہ پر بھی بیٹھ جائیں تو سینکڑوں طلبہ جمع ہو جاتے ہیں یہ خدا کی دین ہے۔

**صُوفِیَانہ مَسَلِک :**

مدینۃ الرسول کے عرصہ قیام میں آپ حضرت مولانا عبد الغفور صاحب نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان سے سلوک کی تکمیل کی، حضرت نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا۔



# أساتذته (قاري صاحب كساتذته)

## آل القاري

عائلة المؤلف العلامة القاضي أحمد بن عبد الله القاري المكي من بيوت مكة الشهيرة التي أنجبت عدداً من العلماء والمثقفين الذين أسهموا في نهضة هذه البلاد قديماً وحديثاً .  
عميد هذه الأسرة شيخ القراء بمكة المكرمة الشيخ عبد الله بن محمد بشير القاري المتوفى بمكة عام ١٣٣٧ هـ . تتلمذ على يد العلامة مؤسس المدرسة الصولتية الشيخ محمد رحة الله لازمه ملازمة طويـلة وأخذ عنه علومه بالمسجد الحرام والمدرسة الصولتية . صرف الشيخ عبد الله وأخوه الشيخ عبد الرحمن نشاطهما إلى حفظ القرآن وتجويده بالإضافة إلى العلوم الأخرى .

ولما لمس فيه العلامة رحة الله الكفاءة العلمية عيّنه مدرسا للقرآن الكريم بالمدرسة . فأوقف حياته كلها على تعليم القرآن . جاء في كتاب (أعلام الصولتية) ما يشهد بجهود فضيلته في هذا المجال :

«وقد تتلمذ عليه ألوف لا مئات من أبناء أم القرى وغيرها ، حتى ضرب به المثل في إخراجه والصوت ، والتربية والتوجيه ، وكل تلامذته يذكرونه دائماً بالفضل ، والدعاء والثناء الجميل أحسن الله إليه في أخراجه كما أحسن في دنياه ، وجزاه الخير الذي هو له أهل .

وخلف ذرية مباركة صالحة طيبة استفاد منها الناس وانتفعت بعلومهم الرجال» (١) ومن بعد من العلماء في هذا البيت الشيخ عبد الرحمن بن محمد القاري : شارك أخاه الشيخ عبد الله في تعلم بالمدرسة الصولتية ، وتلمذ أيضاً لمؤسسها العلامة محمد رحة الله فحفظ القرآن وأحاده ، وبعد أن أنهى دراسته سافر إلى الهند بتوجيه من العلامة الشيخ محمد رحة الله العثماني لشرعه العربيات والتجويد ، فكث بها طول حياته وتوفي هناك . (٢)

---

(١) أعلام الصولتية ، من أعلام المدرسة الصولتية ، مطبوع .

(٢) المصنف .

أنجب الشيخ عبد الله القاري من الأولاد المذكور:

العلامة القاضي أحمد بن عبد الله القاري ١٣٠٩ هـ - ١٣٥٩ هـ.

العلامة القاضي حامد بن عبد الله القاري ١٣١٤ هـ - ١٣٩٦ هـ.

المربي الكبير الأستاذ محمود بن عبد الله القاري ١٣٢٠ هـ - ١٣٩٧ هـ.

الشيخ سراج عبد الله القاري

وفيما يلي عرض مفصل لتاريخ هؤلاء الأعلام الثلاثة الذين كان لهم دور بارز في الحياة

العلمية والعملية يوم كانت مكة مركزاً علمياً هاماً قبل توحيد الجزيرة العربية وبعد أن متى الله

عليها بالوحدة على يد المغفور له جلالة الملك عبد العزيز طيب الله ثراه.



# مؤلف المجلد

## القاضي أحمد بن عبد الله القاري

١٣٠٩ هـ - ١٣٥٩ هـ

وُلد العلامة القاضي أحمد بن عبد الله بن الشيخ محمد بشير في مكة المكرمة سنة ١٣٠٩ من الهجرة. نشأ وترعى في أحضان والده شيخ القراء الشيخ عبد الله كما حفظ القرآن على يده. التحق بالمدرسة الصوتية وتلقى علومه بها، بالإضافة إلى حضوره حلقات التدريس بالمسجد الحرام التي كانت تزدهم بالعلماء وطالبي العلم في ذلك الوقت. ولن نفتقد تفاصيل حياته العلمية بالمدرسة الصوتية والمنشور السنوي أو البيان السنوي الذي تصدره المدرسة في نهاية كل عام دراسي يزودنا ببعض المعلومات الآتية عن حياته العلمية بالمدرسة:

يشير الجزء الثاني من الكتاب السنوي (صدى العلم من الحجاز) الصادر في ٢٨ محرم عام ١٣٢٩ هـ بأن فضيلة المؤلف أدى الامتحان في تسعة علوم وهي: الحديث، أصول الحديث، علم المعاني، الفرائض، الحكمة، الفقه، الجيب، الجبر، المقابلة، المنطق. ومنع جائزة علمية وهي كتاب «القاموس المحيط في اللغة» (١).

وفي نهاية الكتاب يشيد بالخطبة التي ألقاها المؤلف في حفل السوي أداء ومعنى، وجاء الشناء عليه في العبارة التالية:

«وبعدما وزعت الجوائز قام مقام الخطابة أحد تلامذة المدرسة وهو الخافض أحمد بن القاري عيد الله وكان لخطبته تأثير عجيب في قلوب الحاضرين، لأن التلميذ مع حداثة سنه كان عذب البيان، وقادراً على الكلام كرجال المحافل».

ويشير الجزء الثالث من الصادر في ٢١ محرم عام ١٣٣٠ هـ بأن المؤلف أدى الامتحان في المواد التالية:

تفسير البيضاوي، صحيح الترمذي، الهداية، سنن ابن ماجه، مختصر المعاني، ومنع جائزة علمية وهي خلاصة تذهيب الكمال والجاسوس في النقد على القاموس وكان من بين الخطباء في حفل السوي المعتاد بالمدرسة. كما ورد اسمه مدوناً بين أعضاء هيئة التدريس بالمدرسة. (٢)

(١) صدى العلم من الحجاز، رقم ٢، ص ٩٠، ٩١.

(٢) المصدر نفسه، رقم ٣، ص ١٦، ١٧، ١٨.

ويوضح الجزء الرابع الصادر في ٢١ ربيع ثاني عام ١٣٣١ هـ أنه أدى الامتحان في :  
تفسير البیضاوي، ومنن أبي داود، ومنن ابن ماجه والهداية . ومنح جائزة تقديرية هي :  
موضوعات السيوطي، شرح الإشارات مجموع ميرزا هـ. (١)

و يشير الجزء الخامس الصادر عام ١٣٣٢ هـ إلى أن فضيلته أدى الامتحان في : البخاري،  
الهداية، ومنح جائزة تقديرية وهي : الأدب المفرد، مختصر المنهى لابن الحاجب مع حواشيه.  
كما أن اسمه مدون بين أعضاء هيئة التدريس بالمدرسة . وأنه (المعلم للعلوم الآلية) . فن  
خلال نشاطه في الدراسة والتحصيل، وما تحصل عليه من جوائز تقديرية، وترشيحه من بين طلاب  
المدرسة للخطابة في المناسبات يتبين لنا نبوغه المبكر، وتقدير المدرسين والإدارة المدرسية له حتى  
كان محل رعايتهم . كما أن من مظاهر هذا التقدير إسناده التدريس بالمدرسة في المراحل الدراسية  
الأولى للطلاب النابهين بعد أخذ الدروس اليومية على علماء المدرسة وأساتذتها الكبار، وكان  
العلامة المؤلف واحداً من هؤلاء . كما يتضح من قوائم العلوم التي درسها بالمدرسة الصولية أنها  
كانت متعددة ومتنوعة من لغوية، وشرعية، وفلسفية، ورياضية، وكان لكل هذا أثر في نبوغه  
العلمي الذي يشهد له به أقاربه ومعاصروه من علماء الحرمين الشريفين، إذ كان معروفاً بينهم بنافذة  
الصولية.

يذكر فضيلة الشيخ حسن محمد المشاط أنه لدى تقدم العلامة أحمد القاري للامتحان للتدريس  
بالمسجد الحرام وكانت هيئة الامتحان مكونة من أربعة علماء بطرح كل واحد سؤاله في مختلف  
العلوم ويناقشون المتقدم مناقشة قوية مفحمة قل من يستطيع النجاح فيها . وكان الأمر بالنسبة  
للشيخ أحمد القاري أنه إذا طرح عليه السؤال يسهب في الإجابة بطريقة تحليلية عجيبة فإذا ما أراد  
أحد العلماء المتحنيين مقاطعته قال له : على رسلك فالكلام إلى نهايته، واستطاع بأسلوبه وقوة  
عارضته وعلمه القزبر أن يمتلك إعجاب المتحنيين والحاضرين، وعلى اثر ذلك استحق بمجداة أن  
يكون من مدرسي المسجد الحرام.

ويتحدث كتاب أعلام الصولية في معرض ترجمته بأنه «نال الإجازات النهائية العالية،  
وتخرج فيها (المدرسة الصولية) وهو في زهرة الشباب وعنفوانه، وبرع في جميع العلوم الدينية  
والدنيوية، وشرع يدرس بمدرسته التي تخرج فيها وذلك في صفر ١٣٣٠ هـ ومكث بها معلماً إلى نهاية  
ذي الحجة ١٣٣٤ هـ.

كما بدأ التدريس بالمسجد الحرام، ودرس العلوم والكتب التي تلقاها لاسيما الفقه الحنفي، الذي تفضل فيه حتى صار حجة ثبناً عارفاً عالماً يرجع إليه العوام والخواص من الناس مستفتين وسائلين فيجيبهم في تواضع ورفق وبشاشة وكمال خلق فيقتنون بحكمه. وكان يعقد حلقات دروسه في حصوة باب إبراهيم من المسجد الحرام يرتادها كثير من طلاب العلم حتى كثرت عنه الأخذ والتلاميذ في سائر العلوم الدينية».

و يتحدث شاهد عيان لدروسه بقوله:

«صليت المغرب في حصوة باب إبراهيم فمقدت أمامي حلقة كبيرة التف حولها جمع غفير من طلاب العلم، فاقتربت منها فإذا بالشيخ أحمد القاري رحمه الله يتوسطها، وكان أصغر طلابه سناً. ولكن طلاقة لسانه، وسحرياته، وحسن إلقائه جمعت عليه القلوب، وخلدت له سمعة طيبة في التدريس والقضاء. ومعاشرة جميع من عرفه واختلط به. دنوت من حلقة وكان موضوع درسه في الخيف فسمعت يقول: المتحيرة هي التي حارت في أسباب نزيف دمها، والمحيرة هي التي حيرت غيرها في أسباب هذا النزيف، وعلى كلتا الحالتين فللعلامة أقوال في أحوالها.

ثم أخذ رحمه الله يشرح لطلابه حالات المحيرة فضقت ذرعاً من درسه لأنني في ذلك الوقت كنت حدثاً لم أبلغ سن الرشد، ولم تنسع مداركي لأمثال هذا البحث، وإن كنا نحفظه في المدرسة كالببغاوات، ونسرده في الاختبار دون فهم. ولكن الشيخ أحمد رحمه الله كان لبقاً في تدريسه إذ كان يختصر أمثال هذه المواضيع خشية من ملل طلابه، فاختم الدرس، وأخرج كرامة أخرى من محفظته الجلدية، وبعد أن بسم الله وصلى على رسوله قال:

(باب خيار المجلس في البيع والشراء) عن حكيم بن حزام أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: البائعان بالخيار ما لم يتفرقا فإن صدقا وبينا بورك لهما، وإن كتما وكذبا محقت بركة بيعهما رواه البخاري ومسلم وأبو داود والنسائي وأحمد. ثم وضع كرامته رحمه الله... ثم استمر مسترسلاً في شرح أحكام البيوع إلى أن أذن للعشاء، فاختم الدرس ورفع يده ودعا لنفسه وطلابه والمسلمين بما شاء تقبل الله منا ومنه إنه سمع الدعاء.

رحم الله الشيخ أحمد القاري فقد كان درسه في البيوع قبل أن يتولى القضاء، وتعرض عليه ألوان من قضايا البيوع، وتحايل الناس، وغشهم، وحرصهم للحصول على المال من شتى الطرق، مشروعة أو غير مشروعة ما دام في ذلك إشباع لهمهم ولو سحقت له الظروف بالتدريس بعد تولية القضاء للمسا في شرحه ما فيه عظة وعبرة للتاجر والصانع...» (١)

تقلب فضيلته في مناصب قضائية وتعليمية في المهدين الهاشمي والسعودي . انتخب مدوناً لأمين الفتوى بمكة المكرمة عام ١٣٣٦ هـ . كما عين عضواً ببيت التدقيقات الشرعية (تدقيق الصكوك) سنة ١٣٣٩ هـ إلى جانب عمله السابق . وبقي يشغل هذه المناصب حتى زول العهد الهاشمي سنة ١٣٤٣ هـ . سافر بعد ذلك إلى الهند وأقام بها حوالي عامين .

وفي عهد المغفور له جلالة الملك عبد العزيز عين قاضياً في جدة سنة ١٣٤٥ هـ . ثم استقال من القضاء وأقام بجدة مشغلاً بالتدريس والدعوة والإمامة في مسجد عكاشة . وفي عام ١٣٤٩ هـ صدر أمر جلالة الملك عبد العزيز آل سعود رحمه الله بتعيينه عضواً في مجلس الشورى .

وفي عام ١٣٥٠ هـ عين رئيساً للمحكمة الشرعية الكبرى بمكة المكرمة ، وشهدت المحكمة في عهده عدة تحيينات وتنظيمات .

وفي عام ١٣٥٧ هـ صدرت الموافقة السامية بتعيينه عضواً في رئاسة القضاء (هيئة تمييز الأحكام حالياً) ، وظل يشغل هذا المنصب إلى أن وافته المنية في شعبان عام ١٣٥٩ هـ بحمي السلامة بالطائف ، فرحمه الله رحمة واسعة على ما قدمه من خدمات جليلة للعلم والمسلمين .

**أولاده :** أنجب فضيلته من الأولاد الذكور :

عبد الحمي : تدرج في عدة مناصب حكومية وأهلية .

عبد الحميد : وهو يعمل بوزارة الخارجية السعودية .

محمد سعيد : وهو يعمل بوزارة الخارجية السعودية أيضاً .

عبد الفتاح : وهو يعمل بوزارة الإعلام السعودية .

ومن الإناث أربعاً أيضاً .

### آثاره العلمية :

فما عدا التدريس والقضاء اللذين نال فيهما سمعة حسنة وذكرى طيبة حميدة فإنه لم يترك من المؤلفات - فيما نعلمه - سوى هذا السفر الجليل (مجلة الأحكام الشرعية على مذهب الإمام أحمد ابن حنبل رضي الله عنه) الذي تقدمه اليوم بين يدي الباحثين والدارسين رسالة كان ينشرها على صفحات جريدة صوت الحجاز يرد بها على رسالة مداواة الصائمين للدكتور السيوطي جردها فضيلة الشيخ زكريا عبد الله بيلة أحد علماء مكة المعاصرين .

ولعل التدريس والقضاء قد شغلا وقته عن التأليف ، كيف وهو الذي عرف منذ حداثة سنه بالكتابة والبيان .

# القاضي حامد بن عبد الله القاري

١٢١٤ هـ - ١٣٩٦ هـ

فرع تألق من فروع دوحة آل القاري العلمية، رضع بلبان العلم وهو في مهده، وسقي من ماء ذلك النبع فلا غرو أن يكون بعد ذلك شجرة باسقة من شجرات الشريعة آنت ثمارها يانعة نضرة حلوة نافعة للكثير من طلاب العلم.

شهد عام ١٣١٤ هـ ولادته ولعله بدأ يتلمذ تدريباته الدينية، وهو في حضان عائلته قبل أن يلتحق بالمدرسة عام ١٣٢١ هـ. فعائلات العلم ترى في صغارها منذ ولادتهم ورثة يجب أن تسري دماء التراث في أجسامهم من نعمة أظفارهم.. وظل الشيخ القاري يتدرج في مدارج التعليم والتثقيف في ميادين العلم المختلفة وعلى أيدي فطاحل علماء مكة المشهورين، والذين كانت المدرسة الصولسية «الجامعة» التي تضمهم بين جدرانها. ولا غرو أن يكون في مقدمة من تلقى عنهم والده الشيخ عبد الله القاري القرىء الشهير وأستاذ علم القرآن في المدرسة.. وانتقل بعد ذلك من حلقة إلى أخرى بل من دوحة علم إلى دوحة أخرى يتزود من الثمار فيقول الأستاذ ماجد رحمة الله في ترجمته للشيخ حامد «وأخذ العلم عن أساتذتها في ذلك العهد الذين كان يعتز بهم من أمثال العلامة الشيخ عبد الرحمن أحمد دهان، والعلامة الشيخ مشناق أحمد الكارفوروي، والعلامة المفتي عبد اللطيف، ومؤرخ مكة الشهير الشيخ عبد الله غازي، والشيخ عيسى رواس وشقيقه الأكبر الشيخ أحمد القاري والشيخ أحمد ناضرين والخطاط الشهير السيد محمد مرزوقي الكشي وغيرهم من أساتذة العلم والعلماء ومدرسي المسجد الحرام» (١).

ولم يكن العلم في عصره هدفاً إلى شهادات بل كان نديب للعلم ذاته ومن ثم يقول الشيخ في ترجمته لنفسه «لم يكن بالمدرسة الصولسية في وقتنا نظام خاص للشهادات المدرسية مثل ما عليه الحال في مدارس هذا العصر» (٢) ومع ذلك فقد فاز الشيخ بالكثير من شهادات التقدير «وتحصل على شهادات علمية وإجازات من أساتذته كما أجازته مدرسة الحرم المكي الشريف في عهد الحكومة التركية بالتدريس في المسجد الحرام عام ١٣٣٢ هـ (٣) ويقول عن نفسه «كما أن لدي

(١) ماجد مسمود رحمة الله، وفيات الأعيان (الشيخ حامد عبد الله القاري) مجلة الهلال، العدد الرابع، السنة الثامنة والأربعون، ص ٢٩٥.

(٢) ترجمة خطية بقلم الشيخ حامد عبد الله القاري وجدت بين أوراقه.

(٣) المصدر السابق ص ٢٩٦.

شهادة من رئيس العلماء بمكة بتاريخ ٢٢ جمادى الأولى ١٣٣٥ هـ موقفاً بالحرم الشريف وشهادة أخرى بالتدريس بالمسجد الحرام في ١٣ جمادى الأولى سنة ١٣٣٤ هـ ملازماً بالحرم الشريف وموقعاً بختم أمير مكة الشريف الحسين بن علي .

خدم رحمه الله الميدان العلمي في أكثر نواحيه تدريساً، وقضاء وتأليفاً وإدارة . فقد درس بالمدرسة الصوتية منذ عام ١٣٣١ هـ، وفي المسجد الحرام سنة ١٣٣٤ هـ وفي المدرسة الراقية منذ عام ١٣٣٧ هـ، وقد قادته كفاءته إلى تعيينه قاضياً في ينبع البحر عام ١٣٣٩ هـ - ١٣٤٣ هـ حيث دفعت به الظروف إلى الترحال فجال في بلاد الهند، وأندونيسيا، وسنغورة حيث درس هناك، ثم إلى زور حيث عين مديراً للمدرسة الإسلامية هناك .

وعاد به الترحال إلى أرض الوطن سنة ١٣٥٨ هـ ليعود إلى خدمته بكل خبراته وكفاءته مدرساً بمدرسة تحضير البعثات ثم معاوناً لقاضي الطائف وكاتب عدل بها سنة ١٣٥٩ هـ، وقاضياً بالقنفذة من ١٣٦٤ هـ - ١٣٦٦ هـ ثم قاضياً بنبع البحر من سنة ١٣٦٦ هـ - ١٣٨٥ هـ حيث بلغ من العمر ما استحق به أن يخلد إلى راحة البدن والاستقرار بعيداً عن الميدان الوظيفي حيث أحيل إلى التقاعد وإن كان نشاطه الفكري والتعليمي الخاص لم يتوقفا يوماً ما .

يقول ماجد مسعود « وكان رحمه الله محبوباً لدى جميع الطبقات لحسن أخلاقه وجميل صفاته فكان يزوره الكثيرون ويستفتونه ويراجعونه في حل مشكلاتهم ... وكنت أزور فضيلة الشيخ حامد في داره بزقاق النجارية بالمسلة فأستفيد من معلوماته وحديثه العذب عن الذكريات القديمة بالمدرسة وفي عهد القضاء، وكان يحفظ الشيء الكثير عن علماء مكة ومدارسها القديمة والعصور التي مرت بالبلاد ... » (١)

أما نشاطه التأليفي فيقول رحمه الله عن نفسه :

« كنت أيام تدريسي بالمدرسة الراقية كتبت على نظم التفسير ورسالة في أصول الحديث . ولما كنت بجدة حللت الشاطبية وكتبت شرحاً صغيراً على العاصمية ورسالة في التعريفات والمصطلحات المنطقية .

ولما تقاعدت عن العمل بينا كنت أراجع فتاوي الشيخ عبد الحفيظ العجمي رأيت أن في كتاب الفرائض أخطاء مطبعية فصححت تلك الأغلاط وعملت نكل مسألة فيها التوضيح اللازم وشبكات النماذج وقد أتممت ذلك والله الحمد الآن .

ولما كان كل طالب علم يحتفظ لديه بدفترتيده به ما يرى فائدة فيه للذكرى في مختلف المسائل من فقه وتفسير وحديث وأدب وتاريخ وغير ذلك فلدي مجموعة من المسائل المتفرقة المفيدة .

وأنا الآن أشتغل بجميع الأوراق التي خلفها أخي المرحوم الشيخ أحمد القاري وفيها فوائد متفرقة.  
أسأل الله أن يوفقني لجمعها وترتيبها حسب الإمكان» (١)

ولكن الأجل لم يتركه رحمه الله ليحقق أمله في جمع وترتيب مؤلفات أخيه فقد أدركه مساء الثلاثاء من ربيع الأول عام ١٣٩٦ هـ. «وهكذا ترك فراغاً كبيراً بوفاته بعد أن أمضى ٨٢ سنة في خدمة البلاد والعلم والقضاء» (٢)

أنجب من الأولاد الذكور من يشغلون مناصب علمية وحكومية وهم:

الشيخ محمد حامد القاري ويعمل موظفاً بالمحكمة الشرعية ومتخصص في جداول النسخات في علم الفرائض كما يعمل مأذوناً شرعياً وهو أكبر أولاده والشيخ شاكر والشيخ عبد الباري، وله من الإناث ابنتان.

— • • • —

(١) ترجمة المؤلف لنفسه.

(٢) ماجد سمود، ص ٢٩٦.

# الشيخ محمود بن عبد الله القاري

١٣٢٠ هـ / ١٣٩٧ هـ

من أكابر رجال التعليم بمكة المكرمة الذين أوقفوا حياتهم منذ البداية حتى الوفاة على خدمة التعليم وتطويره في المهددين عهد الأشراف والعهد السعودي الزاهر. وامتد نشاطهم العلمي إلى البلاد الإسلامية الأخرى.

عاصر التعليم في البلاد الحجازية وفي المملكة العربية السعودية يوم كانت مدارسه معدودة ومراحله محدودة لا تتجاوز الثانوية، وعاصره وكان أحد بناته ومؤسسه لما اتسع نطاقه وأسست أول كلية في الجزيرة العربية كلية الشريعة بمكة المكرمة كنواة للتعليم الجامعي فكان من أوائل من تولى شؤونها وأسس لنموها وتطورها.

ولد بمكة المكرمة عام ١٣٢٠ هـ، ودرس بالمدرسة الصولتية المواد الدينية واللغة العربية والرياضية وتخرج فيها عام ١٣٣٧ هـ.

بدأ حياته الوظيفية خارج المدرسة الصولتية عام ١٣٣٩ هـ حيث عين معاوناً لمدير مدرسة ينبع التحضيرية، وبعد عام من تعيينه بها أصبح مديراً لها واستمر في هذا حتى عام ١٣٤٢ هـ حيث انتقل إلى جدة فعين مساعداً لمدير المدرسة الابتدائية.

قضى الأستاذ محمود قاري فترة من حياته بعيداً عن موطنه يؤدي رسالة التعليم فني عام ١٣٤٤ هـ سافر إلى الهند ومنها إلى جاوة حيث مكث بها من عام ١٣٤٥ هـ إلى عام ١٣٤٨ هـ مشغلاً فيها بالتدريس، وقد عين في جزيرة «بورينو» مديراً لإحدى المدارس الأهلية. وفي عام ١٣٤٨ هـ عاد إلى أرض الوطن ليواصل جهاده العلمي. ومن ثم تقلب في وظائف علمية وإدارية متعددة كان فيها مثالاً عالياً في الإخلاص والتفاني في خدمة الوطن، وكان هذا عاملاً رئيسياً في تسنعه أعلى المناصب التعليمية آنذاك فما عين في منصب حتى يرقى إلى آخر أعلى منه.

ففي عام ١٣٤٩ هـ عين مديراً لمدرسة الشبيكة التحضيرية بمكة. وفي نفس العام نقلت أعماله إلى التدريس بالمدارس الابتدائية وهي أعلى من المرحلة التحضيرية واستمر بها حتى نهاية عام ١٣٥٤ هـ.

ثم عين مديراً للمدرسة السعودية بالمعلاة.



وفي عام ١٣٥٧ هـ تعين مدرساً بالمعهد العلمي السعودي وتحضير البعثات ثم مفتشاً بمديرية المعارف.

وفي عام ١٣٥٩ هـ أعيدت خدماته للتدريس في مدرستي المعهد العلمي السعودي، وتحضير البعثات ثم مباحداً لمدير مدرسة تحضير البعثات، وكان يدرس بهاتين المدرستين اللتين كانتا تعتبران أعلى مراحل التعليم بالملكة علم الفرائض والمواد الرياضية إذ كان مشهوراً بإجادتهما، فقد كان من أساتذة المواد الرياضية ومعلمها المجيدين.

وعندما تم تأسيس كلية الشريعة والدراسات الإسلامية مع بداية عام ١٣٦٩ هـ وكانت أول تجربة رائدة للتعليم العالي في المملكة العربية السعودية في عهد العلامة الكبير محمد بن عبد العزيز ابن مانع رحمه الله مدير المعارف احتفظ لنفسه بإدارة الكلية وتخير للإدارة والإشراف الفعلي الأستاذ القدير محمود قاري تقديراً لكفاءته العلمية والإدارية. وكان يشغل إلى جانب وكالة إدارة الكلية بعض الأعمال الإدارية بمديرية المعارف، وظل كذلك حتى نهاية ١٣٧٢ هـ حيث عين مديراً للتعليم.

وفي عام ١٣٧٤ هـ عين مديراً للإدارة العامة للامتحانات ومكث يشغل هذا المنصب حتى أحيل للتقاعد عام ١٣٧٦ هـ.

جاء في كتاب الوبيل الفضي (كلية الشريعة والدراسات الإسلامية في ٢٥ عاماً) في التنويه عن المنجزات في عهده:

«المنجزات في عهد فضيلته (محمود بن عبد الله قاري) استقلال الجهاز الإداري للكلية ومتابعة تطبيق المناهج التي اشترك في وضعها مع اللجنة المكونة لذلك». (١)

وبعد إحالته للتقاعد. لم يتوقف عطاؤه لهذه البلاد، كما أن الأجهزة الحكومية عرفت له قدره وكفاءته. ففي عام ١٣٧٧ هـ عين مديراً لدار الأيتام الخيرية، ثم عُين مستشاراً بإدارة الشؤون الاجتماعية بوزارة العمل والشؤون الاجتماعية وهو آخر منصب حكومي تقلده في حياته. وقد وافته المنية بعد مرض ألزمه الفراش مدة طويلة يوم الجمعة السابع من ربيع الأول عام ١٣٩٧ هـ.

ومناسبة تأبينه كتب عنه الأديب الكبير الأستاذ أحمد عبد الغفور عطار مقالاً بحريته الندوة تحت عنوان (محمود قاري العلامة والفرائضي الكبير).

يتحدث فيه عن شخصيته العلمية وأساليبه التربوية حديث العارف به إذ تنلمذ عليه السنين الطويلة فنقبس منه بعض ما يسلط الأضواء على الجانب التربوي وخصائصه العلمية.

(١) كلية الشريعة والدراسات الإسلامية في ٢٥ عاماً (مكة: مؤسسة مكة للطباعة والإعلام)، ص ٣١.

يقول الأستاذ أحمد عبد الغفور عطار:

«لقد فارق [الشيخ محمود قاري] هذه الدنيا يوم الجمعة السابع من ربيع الأول سنة ١٣٩٧ هـ بعد أن ترك فيها أولاداً صالحين بررة، وتلامذة يبلغون عشرات الآلات في العالم العربي والإسلامي بينهم آلاف بهذه البلاد أنا أحدهم... كان الشيخ محمود قاري يعلمنا الفرائض في الابتدائية وفي المعهد، وهو فرض عظيم، وعلامة جليل في الفقه الحنفي، وأستاذ بارع في الرياضيات، وكان موسوعة في علوم أخرى، وكان آية في الخلق، وكل أساتذتنا كانوا أرقى النماذج في الصلاح وحن الخلق والكرم، وفي العلم والأدب...»

وكان لشيخنا رحمه الله أسلوب رائع في التربية والتعليم، وكانت العلوم الرياضية عبيرة علينا، فكنا نلجأ إليه فيها إذا لم نفهمها من أساتذنا فيها، وكنا نفهم الصعب منه في يسر وسهولة لأن أسلوب شيخنا القاري في الإقحام كان خيراً من أسلوب أستاذ المادة. وكان شيخنا فكهاً ظريفاً ولطيفاً...»

ويشير الأستاذ العطار إلى أن الشيخ محمود قاري كان يجيد حرفة التجليد ويستشهد على هذا بقوله:

«وشكونا إلى شيخنا العلامة الشيخ محمود قاري ذات مرة تمزق ما لدينا من الكتب العلمية والأدبية من كثرة تداولها دون تجليد، وما نريد أن نفقه في التجليد نشترى به كتباً جديدة، فاستعد لأن يعلمنا التجليد يوم الخميس بعد انتهاء حصصه الدراسية، ولشد ما أدهشنا أن شيخنا كان علياً بالتجليد، وماهراً كل المهارة في صناعته، وأحضر لنا أدواته وعلمنا التجليد الافرنجي في ساعات حتى مهرانا فيه وأخذنا نجعل كتبنا بأيدينا».

ويتم الأستاذ أحمد عبد الغفور عطار حديثه عن الشيخ محمود قاري بقوله:

«وكان يحسن بعض اللغات مثل اللغة الأندونيسية والأردية وله طلاب يتشرون في آسيا وإفريقيا وبخاصة في أندونيسيا، وليست كثرتهم لأنه قضى بها أربع سنوات من سنة ١٣٤٤ هـ إلى ١٣٤٨ هـ وحسب، بل لأنه كان بين طلبته بمكة في مدارسها وطلبت بالمسجد الحرام كثير من الأندونيسيين.

وبعد الشيخ محمود قاري من بناء نهضة التعليم الإسلامي في أندونيسيا، فهو من واضعي المنهج، ومن أعظم من نشروا العلم فيها، حتى انتشرت تلامذته في ذلك الأرخبيل. وبجيل شيخنا من الأساتذة جيل النابغين العباقرة فكل مشائخنا وأساتذتنا كانوا عظماء كباراً في العلم والفضل والنبيل والأخلاق وهم الذين بنوا العلم ونهضوا به...» (١)

(١) أحمد عبد الغفور عطار، محمود قاري العلامة والفرائض الكبير، مكة جريدة الندوة، الثلاثاء، ١١ ربيع الأول عام

وفي ترحمته التي خطها بيده للمدرسة الصولتية عن ذكر ياته بها وأسماء من تلقى العلم بالمدرسة من أفراد أسرته، وزملائه بالمدرسة يقول :

«إن الذكريات كثيرة في أيام الدراسة بالمدرسة فقد كان الطلاب في المدرسة إخوة متحابين مجتهدين في التحصيل، والأساتذة يحفظون على الطلاب أكثر من عطف الآباء. إن والذي عبد الله القاري وكذلك أعمامي عبد الرحمن وولي وحبيب، وكذلك إخواني أحمد قاري، وحامد قاري، وسراج قاري هؤلاء كلهم حفظوا القرآن بالمدرسة وتحصلوا على أكبر شهادة في العلوم جميعاً.

الزملاء كثيرون ولا أستطيع سرد أسمائهم أذكر منهم الشيخ حسن محمد المشاط، والشيخ سراج ششة، والشيخ عبد الصمد فدا، والأستاذ عبد الله فدا، وعلي إلياس، وعبد الفتي بشر، وعبد الوهاب إلياس، ومختار بخاري، ومحمود مفتي، وأسمد مفتي وكامل كردي ابن الشيخ ماجد كردي، وعيسى دهان، ومحمد دهان، ومحمود بخاري».

أنجب رحمه الله تعالى عدداً من الأولاد الذكور الذين يشغلون مناصب علمية وحكومية وفنية وهم :

● عبد الله القاري وقد عمل مدرساً بالمعهد العلمي وتحضير للبعثات وتقلب في مناصب حكومية عديدة.

● عبد العزيز القاري، تقلب في وظائف حكومية إدارية متعددة في وزارة المعارف وهيئة الرقابة والتحقيق.

● إبراهيم القاري ويعمل بوزارة المالية ممثلاً مالياً.

● رشاد القاري ويعمل مدرساً للتربية الرياضية بوزارة المعارف.

● صالح وأحمد القاري ويعملان طيارين بالخطوط السعودية.

وهكذا فقد أنجبت هذه العائلة في الماضي والحاضر الرجال العاملين الذين أدوا و يؤدون خدمات جليلة لهذه البلاد.

في الختام فإن ذلك غيض من فيض مما جادت به دوحة آل القاري من أبحاد علمية ارتوى من نبعها الصافي طلاب العلم في شتى بقاع الأرض. ولوتركنا العنان للقلم لخط الكبير ولسطر هذه العائلة صنوفاً من الجهود والأبحاد الكثيرة، ولكن عذرنا أن لهذه الدراسة حدوداً لا بد أن نتوقف عندها.

ولا يسمعنا وكلنا مدينون لهذه العائلة بتلك الجهود إلا أن نطلب من الله جل وعلا لأفرادها  
والعلماء الذين جاهدوا في الله حق جهاده الرحمة والجزاء الأسمى ويجعل في ذريتهم الخلف الصالح.  
آمين إنه سميع مجيب، والله من وراء القصد.

مكة المكرمة في ٢٥/١٢/١٣٩٩ هـ

١٤ نوفمبر سنة ١٩٧٩ م

المحققان

الدكتور محمد إبراهيم أحمد علي  
الدكتور عبد الوهاب إبراهيم أبو سليمان

## شیخ القراء حافظ عبد الرحمن مکی

”آفتاب تجوید و قراءت صدر المجودین شیخ القراء حافظ محمد عبد الرحمن مکی ثم الابدادی کی ضیاء باشی نے پورے ہندوستان کو عموماً اور ممالک متحدہ بہار اور بنگال کو خصوصاً اپنے نور سے منور کر دیا ہے۔ حضرت کے ممتاز شاگرد قاری ضیاء الدین احمد، محمد صدیق میمن سنگھی، عبدالمالک، ان قراء نے جو قرأت سبعہ و عشرہ پھیلانے میں سعی کی ہے وہ بے حد قابلِ تائش ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”عبد الرحمن تم ہندوستان ہی میں رہو تم سے بہت کام لینا ہے۔“ حرف بحرف پورا ہوا۔ اس واقعہ سے اس تعلق کا خاطر خواہ اظہار ہوتا ہے جو آقائے نامدار کو قرآن پاک کی ادائی اور رہتی دنیا تک اس کی ترویج و اشاعت سے ہے۔

حضرت کے والد محمد بشیر خان صاحب قصبہ قائم گنج ضلع فرخ آباد (لوپی) کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے کان پور آکر رہ گئے تھے۔ غدر میں حصہ لینے کی وجہ سے انگریزی حکومت نے جائیداد ضبط کر کے پریشان کیا تو سلسلہ میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ ان کے تین فرزند تھے۔ ۱۰ محمد عبد اللہ (۲)، محمد عبد الرحمن (۳)، محمد حبیب الرحمن۔ والد نے تینوں فرزندوں کو مکہ معظمہ میں تعلیم دلوائی۔ محمد عبد اللہ نے مغربی ابراہیم سعید مصری سے قراءت عشرہ کی سند لی۔ یہ صاحب سلسلہ اور قراءت کے جید استاد تھے۔ قراءت کے ساتھ محمد عبد اللہ صاحب نے حفظ قرآن کی تکمیل بھی کی۔ پھر مدرسہ مولیتہ میں شیخ التجوید مقرر ہو گئے۔ انہوں نے قرآن پاک کی خدمت انجام دیتے

رہے۔ حضرت کا معمول تھا کہ روزانہ درس کے علاوہ ایک گھنٹہ تجہید کی مشق کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ جب تک مشق نہ ہو آواز و ادائی پر قابو نہیں رہتا۔ ہر قاری کو چاہیے کہ روزانہ کی مشق ترک نہ کرے۔

حضرت ہی سے آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے قرأت عشرہ سیکھیں اور ہندوستان واپس آکر یہاں قراءت کا سلسلہ جاری کیا۔ شیخ القراء حضرت محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی کا فیض سارے عالم میں پھیلا۔ چالیس سال سے زیادہ قرآن کی خدمت کر کے ۱۳۳۶ھ میں وفات پائی مکہ معظمہ میں دفن ہیں۔

قاری محمد عبداللہ صاحب نے مکہ معظمہ ہی میں شادی کی تھی۔ چار لڑکے اور ایک لڑکی تولد ہوئی۔ قاری حافظ محمد احمد، قاری محمد حامد، قاری محمد محمود، قاری محمد سراج۔ لڑکی قاری مرزا محمود سے بیاہی گئی۔ قاری محمد عبداللہ کے سب فرزند مکہ معظمہ ہی میں رہے۔ قاری حافظ محمد احمد صاحب بہت ہی اچھے قاری، حافظ، عالم اور فقیہ تھے۔ بڑے ذہین و ذکی تھے۔ مناظرہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی قابلیت سے متاثر ہو کر ملک عبدالعزیز نے آپ کو قاضی القضاۃ بنا دیا۔ دوسرے فرزند قاری حافظ محمود بھی اچھے قاری تھے۔ دو سال ہندوستان میں کلکتہ اور اور الہ آباد میں مقیم رہے، پھر واپس چلے گئے۔

قاری محمد عبداللہ کے داماد قاری حافظ مرزا محمود بیگ کے والد مرزا احمد یار بیگ بھی عذر کے بعد دہلی سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ مکہ معظمہ میں مرزا محمود بیگ ۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مدرسہ صولیہ میں ہوئی۔ قاری محمد عبداللہ مکی سے قراءت سیکھی۔ ۱۳۳۵ھ میں جلعوت کی تکمیل کی۔ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۶ء میں ہندوستان آئے۔ پہلے چچا خسر قاری عبدالرحمان کے پاس الہ آباد میں قیام کیا۔ وہاں سے جوہاں آئے۔ ۱۹۲۳ء میں مدرسہ عبیدہ میں مدرس اول بنا کر رکھے گئے۔

اس کے بعد شاہی قراء میں شمار ہونے لگے۔ جنرل عبید اللہ خاں، مرض الموت میں آپ سے قرآن شاکرتے تھے۔ اب مدرسہ حمیدیہ میں تجوید و قراءت کا درس دیتے ہیں۔ خوش الحانی سے پڑھتے ہیں، ادائی صاف ستھری ہے اور مخارج و صفات پر بڑا عبور ہے۔

(۲۱۴) شیخ القراء حافظ محمد عبد الرحمن مکی تقریباً ۱۳۳۵ھ میں ہندوستان کو واپس ہوئے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب کے مدرسہ میں مدرس ہوئے۔ یہیں ان کا عقد بھی ہو گیا۔ قاری صاحب نے کانپور سے الہ آباد جا کر عبد اللہ کی مسجد متصل ریلوے اسٹیشن کے مدرسہ احیاء العلوم میں کام شروع کیا۔ یہاں طلبہ کی تعداد چنداں زیادہ نہ تھی اور نہ ان میں استفادے کا شوق تھا۔ اس لئے دل برداشتہ ہو کر حضرت نے واپس مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ سفر کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ کوشہ بھی تیار ہو چکا تھا۔ رات گزارنی باقی تھی۔ صبح کی گاڑی سے روانہ ہونے والے تھے۔ رات کو خواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا:-

”عبد الرحمن! تم ہندوستان ہی میں رہو۔ ہم کو تم سے بہت کام لینا ہے۔“

صبح ہوتے ہی حضرت نے تمام سامان کھلوادیا اور ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔ ہندوستان میں حضرت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگ آشنائے تھے۔ مگر حضرت نے اس کے بعد سرگرمی سے تجوید و قراءت کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ کی۔ رفتہ رفتہ شہرت ہوئی اور وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پورے ہندوستان سے لوگ کھینچ کھینچ کر آنے لگے۔ حضرت کے شاگردوں کی تعداد اور ان کی جدوجہد دیکھ کر قاری عبد الرحمن صاحب کی خدمات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کئی سال کے بعد دوسرے جج کو گئے۔ آخری عمر میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہیں ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ کو انتقال ہوا۔ نولہ محبوب گنج میں دفن کئے گئے۔

حضرت عبدالرحمن کا حافظہ بہت قوی تھا۔ شاطبیہ، لامیہ، درہ، طیبہ۔ یہ سب کتابیں اور قراءت سببہ و عشرہ کے اصول و فروش بہ جمیع طریق بالکل اذہر تھے۔  
مجلس میں قرآن سنانے کی فرمائش کی جاتی تو کبھی تصنع یا تکلف سے نہ پڑھتے۔ بہت سادگی سے سنا دیتے۔

قاری حافظ عبدالرحمن صاحب کو فنون سپہ گری، کشتی، پہلوانی اور پیراکی میں کمال حاصل تھا۔ روزانہ ورزش کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے جسم خوب بنا ہوا تھا۔ پٹا، بانک، بنوٹ میں ماہرین بھی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ مولانا عین القضاۃ صاحب کے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے تجوید و قراءت کے سالانہ امتحانات کے لیے آپ کو بلایا جاتا تھا۔ جب آپ لکھنؤ تشریف لے جاتے تو تلامذہ کو ورزش کی ترغیب دیتے۔ عشاء کی نماز کے بعد کبھی کبھی ورزشی مظاہرے بھی کرتے۔

آپ کے شاگردوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کئی ہزار کی تعداد میں تھے۔ ان میں سے ممتاز شاگرد جن کی وجہ سے تجوید و قراءت پھیلی یہ تھے :-

(۱) شیخ القراء حافظ ضیاء الدین احمد صدیقی (۲) مقری عبدالوہید خاں الہ آبادی (۳) شیخ القراء حافظ عبدالخالق علی گڑھی (۴) شیخ القراء حافظ عبدالخالق (۵) شیخ القراء حافظ حفص الرحمن پرتاب گڑھی (۶) محمد نصیر نعمانی (۷) مقری محمد عبدالمجید (۸) محمد یوسف کلکتوی۔

فن تجوید میں آپ کی اردو تالیف ”فوائد مکیمہ“ اکثر نصاب میں داخل ہے۔ عربی میں فن رسم الخط عثمانی میں ”افضل الدرر“ تالیف کی۔ قصیدہ راسیہ کی ایک محققانہ شرح لکھی۔

قاری عبدالرحمن صاحب کے صرف ایک لڑکی ہوئی جو بچپن میں انتقال کر گئی۔ اس کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی۔ قاری محبوب علی صاحب کو متبئی بنایا تھا۔ چنانچہ کتب خانہ اور کل



اثاث البیت انہی کے حوالے کیا۔ قاری محبوب علی صاحب پاکستان چلے گئے۔ مقام گونہ مقیم ہیں۔

شیخ القراء عبد الرحمن مکی نے چونکہ حجاز میں تعلیم پائی تھی، حجازی لحن پر زور دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں بھی یہ چیز نمایاں ہے۔ شاگردوں میں عبد الخالق علی گڑھی اور عبد الماک نے بھی سات سال مدرسہ مولیٰ مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس لیے لحن حجازی میں مہارت تھی۔ ان کے بھلہ شاگرد بھی اسی لحن میں پڑھتے ہیں۔ (ج ۱ ص ۲۳۳ تا ۲۴۰ سے ماخوذ و اقتباس)

## حافظ قاری حبیب الرحمن مکی

”محمد بشیر خاں کے تیسرے فرزند شیخ القراء عبد الرحمن مکی ثم الہ آبادی کے چھوٹے بھائی، مکہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ القراء محمد عبد اللہ مہاجر مکی سے قراءت عشرہ سیکھیں اور حفظ کی تکمیل ہندوستان واپس آنے کے بعد مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں تشنگان علم تجوید و قراءت کو سیراب فرماتے رہے۔ آخر عمر میں دمہ کا مارضہ ہو گیا تھا۔ علاج کے لیے منجملے بھائی عبد الرحمن مکی کے پاس الہ آباد گئے وہیں ۱۳۴۲ھ میں انتقال ہو گیا۔“ (ص ۲۱۳)

ظفر المصطفیٰ باحوال المصنفین ص ۴،  
صاحب فوائد مکیہ

### نام و نسب اور اصل وطن :

آپ کا نام عبد الرحمن ہے اور والد کا نام محمد بشیر خاں۔ شیخ اشیر خاں، محقق وقت اور امام فن تھے۔ آپ کا اصل وطن قائم گنج ہے جو ضلع فرخ آباد کا ایک قصبہ ہے

## تفصیلی حالات :

جب آپ کے والد ماجد ہجرت کر کے عرب تشریف لے گئے تو ان کے ہمراہ آپ اور آپ کے بڑے بھائی قاری محمد عبداللہ صاحب مکہ پر پہنچے۔ آپ اپنے بھائی سے تجوید و قرأت کی تکمیل کر کے ہندوستان تشریف لاتے اور کانپور مولانا احمد حسن صاحب کے مدرسہ میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور کئی سال تک اسی مدرسہ میں تجوید و قرأت کے مدرس رہے پھر شیخ عبداللہ رئیس الہ آباد آپ کو الہ آباد لے گئے وہاں ان کے مدرسہ احیاء العلوم میں سالہا سال درس و تدریس فرماتے رہے یہ مدرسہ طویل عرصہ تک علم قرأت کا مرکز رہا۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں آپ کے شاگرد بہت سے ہیں ان میں سے مشہور و معروف یہ ہیں۔ قاری ضیاء الدین، قاری عبدالوہید

## وفات :

کسی رنجیدگی کی وجہ سے مولانا عین القضاۃ صاحب کی طلبی پر احیاء العلوم سے مدرسہ عالیہ فرزانہ کھنؤ تشریف لے آئے تھے یہاں ایک ہفتہ علیل رہ کر ۱۴۴۹ھ میں وفات پا گئے یہاں کے قیام کی مدت تقریباً دو سال ہے۔

## علمی یادگار :

تجوید کی مشہور و معروف اور جامع کتاب ”فوائد مکیہ“ آپ ہی کی تصنیف ہے جو اکثر حلقہ داخل نصاب ہے۔

دوسری تصنیف ”افضل الدرر“ ہے جو علامہ شاطبی کے قصیدہ رائیہ کی نہایت نفیس اور محققانہ شرح ہے۔

## حواشی فوائد مکیہ :

تعلیقات مکیہ از مولانا قاری عبدالماکٹ صاحب علی گڑھی حواشی مرفیہ از مولانا قاری حافظ محب الدین احمد بن قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی۔

امداد صابری لکھتے ہیں :-

## ایک صاحب علم شخصیت

انہوں نے علم تجوید کو نفع دیا

قاری عبد اللہ کے والد ماجد مولوی محمد بشیر خان صاحب کافی جائیداد اور مکانات کے مالک تھے۔ اپنی جائیداد وغیرہ کو فروخت کر کے مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ آپ کے امام۔ المناظر حضرت مولانا علامہ رحمۃ اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولیۃ مکہ معظمہ سے تعلقات تھے۔ اور ہم جیسے تھے۔ اُن کے دو صاحبزادے عبد اللہ عبد الرحمن تھے۔ اُن دونوں کو حضرت مولانا کے حوالے کر دیا۔ مکہ معظمہ میں آئے تھوڑی مدت گزری تھی کہ فوت ہو گئے۔ جنت المعلیٰ میں آرام فرمائیں۔

قاری عبد اللہ اور قاری عبد الرحمن دونوں نے مولانا صاحب سے استفادہ کیا اور لمبی مدت تک اُن کے پاس رہے۔ دونوں باب ابراہیم کے پاس رہتے تھے۔ اُن دونوں کو مدرسہ صولیۃ کے سب سے پہلے مشہور مصری قاری ابراہیم سعد کے حوالے کیا۔ جن کو مولانا نے بڑے اہتمام کے ساتھ مدرسہ میں تجوید و تعلیم اور حفظ قرآن کے لیے مقرر کیا تھا۔ قاری ابراہیم نے ان دونوں پر بڑی محنت کی اور عمدہ تربیت دی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ تو یہ دونوں گلی تلور پر مولانا صاحب کے پاس رہنے لگے۔ جب یہ دونوں تعلیم سے فارغ ہو گئے۔

تو مولانا رحمۃ اللہ صاحب نے قاری عبد الرحمن صاحب کو حکم دیا۔ کہ وہ ہندوستان جائیں۔ اور قرآن کا یہ ٹمرواں پھیلائیں اور تجوید و تعلیم قرآن کو عام فرمائیں۔ چنانچہ قاری عبد الرحمن صاحب ہندوستان پہنچے اور الہ آباد میں مقیم ہو گئے اور وہاں مدرسہ میں معلم تجوید و قرأتِ اول مقرر ہوئے۔ عوام کو پتہ لگا کہ مکہ معظمہ سے ہندوستان

کا ایک باشندہ تعلیم قرآن پاکہ آیا ہے۔ تو لوگ اُن کی طرف والہانہ طور پر متوجہ ہو گئے۔ وہاں قادی عبد الرحمن مکی کی بجائے قادی عبد الرحمن الہ آبادی مشہور ہو کے رہے ہندوستان کے لوگ ان سے استفادہ کرنے کے لیے آنے لگے اس طرح قادی صاحب نے مدرسہ صولیتہ کے فیض کو وہاں مشہور فرمایا۔ ہندوستان کے اول و سابقین قرآن نے قادی صاحب ہی کی بدولت قرآن کی صحیح طور پر تجوید و تعلیم و قرأت کو پورے ہندوستان میں مساجد و مدارس کے واسطے عام کیا۔ قادی صاحب نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی کے حکم سے اپنی پوری زندگی وہیں گزاری۔ ۱۳۵۰ھ میں حج کی ادائیگی کے لیے آگے واپس جانا چاہا تو قادی عبد اللہ صاحب کے صاحبزادوں نے مکہ معظمہ میں قیام کا اصرار کیا تو قادی عبد الرحمن صاحب نے مولانا کا حکم یاد دلایا۔ الہ آباد پہنچے اور ۱۳۵۹ھ میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

قادی عبد الرحمن کے بھائی قادی عبد اللہ کی تعلیمی قابلیت اور بلند ہمتی دیکھ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب نے اپنے زمانے میں ہی ان کو مدرسہ صولیتہ میں مدرس اول تعلیم و تجوید و حفظ قرآن کریم مقرر کیا تھا اور قرآن کریم کے شعبہ کا صدر بنایا۔ مکہ معظمہ میں شیخ القراء مشہور ہونے کے ساتھ ہی مدرسہ صولیتہ کے اونچے اعلیٰ اور قدیم استادوں میں شمار ہونے لگے۔ مکہ مکرمہ اور مدرسہ صولیتہ میں قرآن کریم کی خدمت انجام دی۔ وہاں کی کافی تعداد نے اور دوسرے ممالک کے لوگوں نے مدرسہ صولیتہ میں آپ سے استفادہ کیا۔ قادی عبد اللہ صاحب آخری عمر تک مدرسہ صولیتہ میں قرآن کریم کی خدمت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اُن کا مکہ مکرمہ میں ۱۳۲۸ھ میں انتقال ہوا۔ جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ چار صاحبزادے چھوڑے۔ سب سے مشہور و معروف شیخ احمد ان سے چھوٹے شیخ حامد پھر شیخ محمود و سراج ہوئے۔ انہیں سے مکہ میں یہ خاندان قادی خاندان کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

شیخ احمد بن عبد اللہ القادی ۱۳۰۹ھ کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ صولیتہ میں داخلہ لیا۔ اور وہاں کے مختلف اساتذہ و علماء سے استفادہ کیا۔

مولانا مشتاق احمد کانپوری، شیخ العلوم العقلیہ والفسفہ، مؤرخ مکہ شیخ عبداللہ غازی، ان کے علاوہ مسجد حرام میں اپنے زمانہ کے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ صولتیہ میں درس مصنف ہوئے۔ محرم ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۳۱ھ تک مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

ہاشمی عہد میں سرکاری مدارس قائم کیے گئے۔ تو مدرسہ راقیہ ہاشمیہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر اس مدرسہ کے مدیر بنے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ ہاشمیہ کے مدیر بنے۔ ۱۳۴۳ھ میں ینبوع البحر قضا کے عہدے پر مامور ہوئے۔ بعد ازاں ہندوستان اور جافہ کا سفر کیا۔ اور کئی مدارس میں مدرس

کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۵۸ھ کو مکہ معظمہ میں واپس ہوئے۔ کئی مدارس میں درس دیا۔ اس کے بعد طائف میں ۱۳۵۹ھ سے ۱۳۶۲ھ تک معاون قاضی طائف اور کاتب عدل رہے۔ ۱۳۶۶ھ سے ۱۳۶۹ھ تک قنفرہ میں قاضی مقرر ہوئے۔ ۱۳۶۹ھ سے ۱۳۷۵ھ تک پھر ینبوع البحر کی قضا پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ اور حرم شریف کے قریب مکان یا۔ جس میں اپنی عمر کے آخری ایام گزارے۔ اور مکہ معظمہ میں ۲ / ربیع الاول ۱۳۹۶ھ کو بدھ کے دن فوت ہوئے۔

جنت العلوی سے آرام فرمائیں

جوانی میں ہی فارغ التحصیل ہوئے۔ تو مدرسہ میں ہی صفر ۱۳۳۰ھ سے آخر ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ تک مدرسہ کی۔ اس کے ساتھ ہی حرم شریف میں درس فقہی کا سلسلہ شروع کیا۔ فقہ حنفی کے جید عالم اور مکہ معظمہ کی ایک ممتاز شخصیت مانے گئے۔ اور مرجع عوام و خواص بنے۔ مسجد حرم میں اپنا درسی حلقہ باب ابراہیم کی کنکریوں میں جایا۔ حلقہ درس میں مختلف طبقات و اوساط کے لوگ شریک ہو کر تھے۔ یہاں تک کہ کافی اونچے مرتبہ رکھنے والے اور ممتاز افراد نے آپ سے استفادہ کیا۔ اور آپ کی شہرت عام ہوئی۔ علمی اعلیٰ قابلیت کا چرچا ہوا تو امیر مکہ معظمہ شریف حسین بن علی الهاشمی کے زمانہ میں امین الفتویٰ کے معاون ۱۳۴۶ھ میں مقرر ہو۔ پھر ساتھ ہی ساتھ ۱۳۴۹ھ توقعات شرعیہ کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ جب شریف مکہ ہاشمی کا دور حکومت کا زوال ۱۳۴۲ھ میں ہوا۔ تو آپ حجاز مقدس کے اور لوگوں کی طرح مکہ معظمہ سے نکلے اور ہندوستان میں الہ آباد میں اپنے چچائے محترم قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی کے پاس رہے۔ پھر کراچی، انڈونیشیا اور جاوے ہوتے ہوئے جدہ پہنچے۔ اُن کو ۱۳۴۵ھ میں قاضی جدہ بنا دیا گیا۔ یہ عزت افزائی جلالت الملک عبدالعزیز آل سعود کے زمانہ میں ہوئی۔ اس کے بعد خطابت و امامت و وعظ کے لیے جدہ کی مسجد جامع عکاشر میں مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۹ھ میں جلالت الملک عبدالعزیز آل سعود کے حکم سے مجلس شوریٰ میں ممبری عطا ہوئی۔ ۱۳۵۰ھ میں حکمہ شرعیہ کبریٰ کے ریتس بنے۔ اور محکمہ میں اپنے عہد میں کافی تبدیلیاں کیں۔ ۱۳۵۶ھ میں ان کو بطریقہ القضاء کی ممبری دی گئی اور شعبان ۱۳۵۹ھ میں طائف میں فوت ہو گئے۔ شیخ احمد قاری صاحب نے مذہب جنسلی پر ”مجلۃ الاحکام“ تالیف کی تھی۔ جو طبع ہو گئی ہے۔ اور ان کے اودان کے خاندان کا عربی تذکرہ اسی سے ماخوذ ہے۔

شیخ حامد صاحب کی ولادت مکہ مکرمہ میں ۱۳۱۴ھ میں ہوئی۔ سات سال کی عمر میں مدرسہ صولیہ میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۳۱ھ میں فراغت حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا قاری عبداللہ شیخ احمد قاری شیخ ملا علی اکبر پنجابی شیخ العلماء شیخ عبدالرحمن

کو حکم دیا کہ ہندوستان جائیں اور وہاں قرآن کی خدمت کریں۔ اپنے فوج پر ہندوستان کے سفر کا بندوبست کیا دنیا نے دیکھ لیا کہ ہندو قدیم کے طول و عرض میں حضرت مولانا قاری عبد الرحمن الہ آبادی خدمت قرآن کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔

۱۳۵۸ء میں قاری عبد الرحمن صاحب حج کے لیے تشریف لائے تو حضرت مولانا محمد سلیم صاحب نے ان کی کبر سنی کے پیش نظر صرف خواہش کی بلکہ امر کیا کہ اب آخر عمر ہے کہ معظّم میں قیام فرمائیں اور مدرسہ صولتیہ میں یہ خدمت قرآن شروع کریں لیکن تعمیل حکم اور پاس وفاقا کا یہ جذبہ آب زر سے بکھنے کے قابل ہے کہ رو کر یہ فرمایا کہ

یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر مولانا رحمت اللہ صاحب نے مجھے رخصت کرتے ہوئے سینے سے لگا کر فرمایا تھا کہ مرتے دم تک ہندوستان میں خدمت قرآن کرنا اب آخر وقت میں اپنے استاد کی حکم عدولی اگر کوں گا تو آخرت میں کیا منہ دکھاؤں گا اور کعبہ بھی اللہ کا اور قرآن بھی اللہ کا، مجھے تو قرآن کی خدمت میں ہندوستان ہی میں دفن ہونا ہے۔

چنانچہ مکہ معظمہ سے واپسی پر مدرسہ صولتیہ کے اور خاص طور پر اپنی اس جائے تعلیم کے جہاں اپنے اساتذوں سے پڑھا تھا درد و دیوار کو چوم کر کہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ دعا مانگتے ہوئے چلے گئے کہ اے اللہ! اس عجب کے فیض کو لے کہ میں نے پوری عمر ہندوستان میں تیرے کلام پاک کی خدمت و اشاعت میں گزار دی۔ اب بھی یہی عہد لے کر جا رہا ہوں چنانچہ ہندوستان تشریف لے گئے اور آخر وقت تک تحفیظ و تدریس کا کام اللہ نے ان سے جس عظیم اور بابرکت طریق پر لیا اس کا ثبوت وہ ہزاروں عاملین قرآن ہیں جو بالواسطہ اور بلاواسطہ برصغیر کے اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں۔

فدا رحمت کمند این عاشقانِ پاک طینت را

مولانا سعد احمد شمیم مدبر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ لکھتے ہیں :  
 مولانا قاری عبداللہ اور قاری عبدالرحمن اور قاری حبیب الرحمن مین بھائی تھے ۔

عاجی حافظ بشیر احمد صاحب جن کا اصل وطن میرٹھ یوپی کے خروڑہ تھے ۔

۱۸۵۷ء میں جب حالات خراب ہوئے اور انگریزوں نے فوجی مورچہ وغیرہ بنانے کے لیے جب ان کے محلہ کو خالی کرانا چاہا تو وہاں انگریزوں کے مظالم سے پریشان ہو کر اپنے گھر والوں کے ساتھ مکہ آگئے تھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کس سنہ میں آئے اور آیا اہلیہ ساتھ تھیں یا وہیں فوت ہو چکی تھیں مکہ آنے کے بعد چونکہ حضرت عاجی صاحب کی ذات مہاجرین کا مرجع تھی اور مدرسہ صولتیہ قائم ہو چکا تھا۔ تو حافظ بشیر احمد نے اپنے دونوں بچوں کو لے کر ان الفاظ کے ساتھ ان کو سپرد کیا کہ حضرت ! یہ بچے میں نے آپ کو دیے اب آپ جانیں اور آپ کا کام، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اہلیہ ہندوستان میں ہی فوت ہو چکی تھیں حضرت مولانا نے ان دونوں بچوں کی جس طرح تعلیم و تربیت کی اور مدرسہ کے مدرسین سے ان کے علوم کی تکمیل کرائی اور خود ان کو فارسی کی متداول کتابیں اتول سے گلستاں بہک پڑھائیں لیکن عجب بات ہے کہ دونوں بچوں کا دھیان تجوید و قرأت کی طرف زیادہ تھا۔ اور حضرت مولانا کے مدرسہ صولتیہ کے تاسیسی مقاصد میں بھی یہ چیز بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی تھی کہ ہندوستان میں بچوں کو زیادہ سے زیادہ وہ عربی طریقہ قرأت سکھا کر ہندوستان بھیجا جائے اس لیے حضرت مولانا نے بھی بڑی کتابوں پر زیادہ وقت لگانے کی بجائے ان کو قرأت و تجوید ہی سے زیادہ وابستہ رکھا۔ اور مدرسہ صولتیہ کے عہد اول کے اساتذہ (الاساتذہ قاری ابراہیم سعد مصری جو کہ تدریس قرأت و تجوید میں باکمال استاد تھے کلی طور پر ان سے وابستہ کر دیا۔ اور اپنی خاص نگرانی میں دونوں بھائیوں کو قراءات سبعہ تجوید اور قرآن پاک کی تدریسی مشق کرائی اور اس کے بعد تین سال مدرسہ صولتیہ میں مدرس مقرر کرنے کے بعد قاری عبدالرحمن صاحب



## بڑے بھائی

قاری عبد اللہ صاحبؒ حضرت مولانا رحمت اللہ نے خدمتِ قرآن کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے پاس رکھا، شادی کی اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں قاری عبدالرحمن صاحب سے خدمتِ قرآن کا کام لیا اس سے کہیں زیادہ قاری عبد اللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اب سے پچاس سال پہلے تک شاید ہی کوئی گھرایا ہو جس میں مدرسہ صولتیہ اور قاری عبد اللہ صاحب کے فیض یافتہ نہ ہوں۔ قاری صاحب کی شہرت بین العالمی تھی حج کے زمانے میں بڑے بڑے امرار، علماء، مشائخ یا تبرکت کے لیے باوقعی حصولِ فن کے لیے حضرت قاری صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا باعثِ شرف و سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت تھانویؒ نے بھی حضرت قاری صاحبؒ سے پڑھا ہے ان کا وصال ۱۳۳۰ھ میں ہوا کہ جنت الملتی میں قبر ہے (مہر منیر میں جو حالات ہیں درست نہیں) قاری عبد اللہ صاحب کو خدمتِ قرآن، اشاعتِ قرآن کی جو دولت عطا فرمائی تھی یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ قاری صاحب نے اپنے وقار، اپنی عظمت، خود داری، زہد کے ذریعے اس کا حق ادا کر دیا۔ نواب سلطان جہاں بیگم فرما کر دوائے بھوپال نے اپنے دو بیٹوں عبید اللہ، حمید اللہ کو پڑھانے کی فرمائش کی۔ ایام حج میں اطرافِ عالم سے بہت بڑی تعداد میں مدرسہ صولتیہ کی اور قاری عبد اللہ صاحب کی شہرت سن کر لوگ قرآن کی تفہیم یا سندِ قراعات لینے آتے اور کوئی ہدیہ یا نذرانہ پیش کرتے تو قاری صاحب کے جلال کی انتہا نہ رہتی۔ حجاز کے سخت انقلابی ایام میں جبکہ مخلوقِ خدا رزق و معیشت کے صبر آزما امتحان سے گزر رہی تھی اور مدرسہ کی تنخواہ قوتِ لایموت کا مصداق تھی۔ ان حالات میں بھی ان نفوسِ قدسیہ نے قرآن پاک کو اپنا پیٹ پاسنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔

حضرت مولانا محمد سعید صاحب ناظم اول مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے جس طرح قاری عبد اللہ صاحب  
کی قدر افزائی کی اور ان کو حضرت بانی مدرسہ کی قابل قدر یادگار سمجھ کر آخر وقت تک مدرسہ صولتیہ  
میں اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے  
حرم جارہے تھے کہ اونٹ نے لات مار دی اور اس کے بعد بھی آخر وقت تک  
پڑھاتے رہے زیادہ بیمار نہیں ہوئے اور وصال فرمایا۔

اولاد میں تین فرزند احمد قاری حامد قاری نائبہ صولتیہ قاضی مینور  
مجمود قاری کلینۃ الشریعہ پرنسپل ہیں۔

# حضرت قاری عبد اللہ صاحب چند تلامذہ

## مولانا فضل حق محدث شمس آبادی

آپ مولانا برہان الدین بن مولانا محمد منیر کے فرزند تھے۔ قومیت کے لحاظ سے اعرام تھے۔

تحصیل علم۔ انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں سرزمین ہند میں تحصیل علم میں معروف تھے کہ اچانک کسی قافلہ کے ہمراہ سرزمین حجاز پہنچے اور مدرسہ مولتیہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں چار سال کے عرصہ قیام میں مختلف علوم و فنون کی تکمیل کر کے کتب حدیث مولانا رحمت اللہ کیلانی مہاجر کی فتح عیسائیت سے بڑھ کر مذہب الفراعہ حاصل۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں مولانا عبد الاول جوہنوری اور مولانا محمد نود تھے۔

علم قرآن کی تحصیل مولانا قاری عبد اللہ صاحب سے کی جو مدرسہ مولتیہ کے شاف میں شامل تھے اور انہیں سے سند القراءت حاصل کی۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے مشنری شریف پڑھی۔

اسی معدن عرب قبیلہ بنی زہرہ کی ایک خاتون سے نکاح ہوا، جن کے بطن سے ایک لڑکا عبد الحق تھا، آپ کی زندگی ہی میں دونوں ماں بیٹا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کے والد مولانا برہان الدین حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کو واپس وطن آنے کی تاکید کی۔ مولانا برہان الدین کا طواف کرتے ہوئے وصال ہوا۔ اور آپ واپس وطن آ گئے۔

تعلیمی خدمات۔ واپس وطن آکر والد صاحب کے مدرسہ میں کورینٹ دی اور ایک عرصہ وزارت تک اعلیٰ تہیسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں آپ کے فرزند مفتی محمد شمس آبادی کے علاوہ مولانا عبد القادر کوٹل مولانا محمد اللہ شاہ مردانی اور مولانا عبد الرحمن صدیق منظر العلوم سارنچہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

آپ کے ایک عرصہ تک طلبہ کو مدیث پڑھائی، اسی وجہ سے ”محدث شمس آبادی“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

وفات۔ ۱۲۹۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

اولاد۔ میں مولانا مفتی محمد عمر نے آپ کے سید درس کو سنبھالا، امداد سبب باری رکھی۔

# مولانا قاری فضل حق نمینہ حضرت قاری عبداللہ حبیبی

آج تقریباً پون صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ ضلع اٹک کی مشہور بستی شمس آباد کے ایک علمی خاندان کے کا ایک ہونہار نوجوان طالب علم نگنائے ہند سے نکل کر اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے سیدھا مکہ منظم پہنچ کر وہاں کی مشہور اسلامی درسگاہ مدرسہ صولتیہ میں داخلہ لے لیتا ہے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدرسہ صولتیہ کی شہرت اپنے باکمال علم کے وجہ سے بام عروج پر پہنچ چکی تھی اور صولتیہ کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا اس اسلامی درسگاہ کے صدر المدرسین اس وقت کے مشہور و معروف عالم مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے جو اپنے وقت کے جید و متبحر عالم، بہترین مناظر اور بلند پایہ مصنف تھے آپ کی علمی فوقیت اور مناظرانہ قابلیت پر آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ”اظہار حق و نصاریٰ“ شاہد عدل ہے یہ کتاب عربی میں ہے مولانا رحمت اللہ کے بے پناہ مناظرانہ حلوں نے پادری فنڈر کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ یہ کتاب اسی پادری فنڈر کی تردید میں تصنیف کی گئی تھی حقیقت میں یہ کتاب مولانا مرحوم کا شاہکار ہے اور عیسائیت کی تردید میں حرف آخر ہے چنانچہ اس نوجوان اولوالعزم طالب علم جن کا نام فضل حق تھا اور جو کاتب الحروف کے عہد امجد میں نے پوری اسلامی دنیا میں صرف مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کی وجہ سے مدرسہ صولتیہ کی درسگاہ کو منتخب کیا مولانا فضل حق نے نہایت اطمینان کے ساتھ مدرسہ صولتیہ کی پاکیزہ فضا میں مسلسل چار سال بسر کر کے علم دین کی تکمیل کی آپ کے استاد فی الحدیث مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی تھے اور فن تجوید میں آپ کے استاد اپنے وقت کے امام القراء قاری عبداللہ تھے اور مثنوی رومی کے درس کے لیے قطب الاقطاب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا وجود مسعود صد غنیمت تھا تزکیہ باطن اور مثنوی کے اسباق حاجی صاحب سے ہوتے تھے۔ فخر و مکبر کی بنا پر نہیں بلکہ تحدیث بالغنمت کے طور پر میں یہ کہنے میں غالباً حق بجانب ہوں گا کہ متحدہ ہند کے برٹش ایمپائر کے عہد اقتدار میں پورے پنجاب میں مولانا فضل حق محدث شمس آبادی کے بغیر مشکل سے کسی عالم کے پاس ایسی

واقع اسناد ہوں گی اور اب موجودہ پاکستان میں بھی کسی خاندان کے پاس ایسی تاریخی اسناد کا ہونا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے خصوصاً ایسی اسناد جن کی نسبت حرم مکی کے ساتھ ہونے والا فضل حق محدث شمس آبادیؒ کا خاندان علم دین کی خدمت بصورت تدریس و تبلیغ سرانجام دے رہا ہے۔ اس خاندان کی چوتھی پشت میں مفتی محمد عمر کی شخصیت گونا گوں اوصاف کمال سے متصف تھی۔ ربع صدی تک جن کے فتاویٰ نویسی نے اس علاقہ کی علم و فضل میں مستدرہستدر سے خراج تحسین وصول کیا اور رسم فتاویٰ نویسی میں ایک جدت پیدا کر دی۔ ان کے بعد اس خاندان کی پانچویں پشت میں مفتی محمد عمرؒ کی اولاد کا نام لیا جاسکتا ہے جن میں حافظ قرآن بھی ہیں اور عالم و فاضل بھی جو اپنی معاشی مصروفیات کے باوجود اب بھی اپنے آباؤ اجداد کی درگاہ میں علم دین کی مسند بچھا کر اپنی لباط کے موافق درس و تدریس میں مشغول ہیں دعایہ ہے کہ اس پر فتنہ دور میں جبکہ علم دین کی بے قدری اور کساد بازاری کا دور دورہ ہے اللہ تعالیٰ اس علمی خاندان کے کو خدمت دین کے لیے تاقیامت باقی رکھے آمین

تفصیل بمسب دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھی ہے یہاں صرف مختصر تعارف مقصود ہے اب ہم مین و برکت کے لیے اور حاضرین کی دلچسپی کے لیے من و عن نفول و اسناد پیش کرتے ہیں ممکن ہے ان آثارِ قدیمہ کے منصفہ شہود پر لانے کی اس پہلی کوشش کو دیکھتے ہوئے دوسرے حضرات علماء بھی کوئی نادر، عمدہ اور اچھا نمونہ پیش کر سکیں و لنعلم ما قیل

تازہ خواہی داشتن گرد آہنہ سینه را  
گا ہے گا ہے باز خواں آں قصہ پارینہ را



سنة الفراغ من المدرسة الصولتية :

الواقع ببلدة ام القري ملكة المعظمة المحمية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله العلى الاعلى والصلوة والسلام على رسوله محمد المصطفى  
وعلى آله وصحبه الكرام النجباء . اما بعد فان العالم الفاضل المولوى  
فضل حق الفنجالي كان قد قرأنى وطنه بعض الكتب المروجه في الهند  
شروا الى مكة المحمية ودخل في المدرسة الصولتية . التي هي تحت  
نظارة هذا العبد المفتقر الى رب البرية وشرع في تحصيل العلوم العربية -  
غير التي قرأها  
في الديار الهندية فانه قرأته لها كانت جيدة لا تحتاج الى  
اعادة فقرأ في علم الحديث الصحاح السبعة من اولها الى اخرها و  
هي صحيح البخارى ومسلم والبوداؤد والنسائى والترمذى وابن ماجه  
والموطا مالك وشيئا من مشكوة المصابيح وفي علم الفقه الهدايت وفي  
اصول الفقه نور الانوار والحسامى وفي البلاغة شيئا من المختصر المعانى  
شوا راوان يذهب الى وطنه وطلب من الاجازة فاجزته بكل ما  
يجوز لى رواية ودراية بشرطه المعتبر عند علماء الاثر ووصيه  
بتقوى الله في السر والعلن وتجنب السيئات ما ظهر منها وما بطن و  
ان لا يتشأنى من صالح دعواته في خلواته وجلواته رزقه الله الاستقامة  
ونفع به المسلمين آمين يا اله العالمين وانا العبد الراجى رحمة ربى  
المنان رحمة الله بن خليل الرحمن . غفرلها الملك الحنان حامدا ومصليا  
ومسلما ١٢

قد ثبت وتقرر ما هو محذور

عبد عبد الله

نشان مهر (عبد الله)

حامدا ومصليا ومسلما

ذاكر حق والله سبحانه وتعالى

اعلم وعلمه انتم ۱۲ حورده محمد

عبد الحق عفى عنه

نشان مهر محمد عبد الحق

لا شك ان هذا الفاضل الجليل الكامل

الجيل حري بالتبجيل فانه ذكي لودعي

المعنى والحمد كود حق والحق يعلوا

يعلى حرره الفقير الى الله تعالى

عبد الاول بن مولانا كرامت علي موحوم جوپوري

نشان مهر عبد الاول بن علي جوپوري ۱۳۰۲

نقل سند تجويد القرآن ۱۳۰۴

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والصلوة

والسلام على اشرف المرسلين سيدنا و مولانا محمد وآله واصحابه اجمعين

اما بعد كتابه فقير حقير حمدت الله بن خليل الرحمن عفا الله عنهما وتجاوز عن سيئاتهما كه مولوي

قاري فضل حق بن مولوي بهان الدين صاحب مرحوم ساكن شمس آباد ضلع راولپنڈی ملك پنجاب

نشان مهر

محمد الله

قد صم عندي جميع ما ذكره الاستاذ

العلامة ان هذا الفاضل قد قراء اكثر

هذه الكتب على مولانا الشيخ رحمت الله

والشيخ حضرة نور فوجدة سليم

الطبع مجتهد اعلى حسب طاقتهم ورعاو

اوصية بتقوى الله وان لا يبداني من

صالح دعائه

العبد السبحان العبد الواجب

رحمت ربه حضرة نور عفى عنه

نشان مهر ۱۳۰۲

حضرت نور

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۰۵ء میں داخل مدرسہ صولتیہ ہوئے جس کا ناظر یہ فقیر ہے اور تحصیل تجوید  
قرآن شریف و لہجہ مصری میں مصروف ہوئے مدرسین مدرسہ سے ایک مرتبہ قرآن شریف  
خوب تحقیق و تدقیق سے پڑھا اللہ کے فضل سے خوب پڑھتے ہیں اور شاطبی مع جہڑی شرح  
تحفۃ الاطفال مع شرح فتح الاقوال یہ سب کتابیں بھی خوب محنت سے پڑھی اور اس مدت  
میں ان کے پال چلن بھی اچھے رہے اب جو ماہ صفر المظفر ۱۳۰۶ء ہے اور ارادہ وطن جانے  
کا کیا اور سند مدرسہ کی طلب کی چونکہ لائق اور محنتی پایا موافق ان کی طلب کے یہ سند مدرسہ سے  
دی گئی اور وصیت کرتا ہوں میں ان کو تقویٰ و طہارت کی اور اس بات کی کہ اوقات خاصہ  
میں مجھ کو دعا سے فراموش نہ کریں اللہ تعالیٰ نفع پہنچا دے ان سے خلقت کو اور توفیق نیک  
دے ہم کو اور ان کو اور سب مسلمانوں کو آمین فقط تاریخ محرمہ ۱۵ صفر المظفر ۱۳۰۶ء  
از مقام مکہ معظمہ مدرسہ صولتیہ

نشان مہر عبد اللہ

العبد محمد رحمت اللہ علیہ نشان مہر محمد رحمت اللہ علیہ مہتمم مدرسہ



## مولانا قاری میر عبد اللہ ہزاروی

آپ ۱۸۶۶ء کے قریب آزاد خان بن نیاز خان صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے لحاظ سے کشمیری پٹھان تھے۔ قرآن مجید منگیاں صلیح کیمبلپور میں حفظ کیا۔ پھر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں مدرسہ صدیقیہ میں داخلہ لیا اور سات سال کے عرصہ میں علم قرأت اور علوم دینیہ کی تحصیل کر کے سند حاصل کی۔ آپ کے علم قرأت کے استاد حضرت قاری عبد اللہ صاحب مکی تھے۔ تدریس واپسی پر سرائے صالح کی مسجد میں تدریس کا آغاز کیا اور آخر عمر تک پڑھاتے رہے۔ آپ اتنا عمدہ قرآن پڑھتے تھے کہ ہندو عورتیں سروں پر گھڑے رکھے پہروں کھڑی آپ کا قرآن سنتی رہتی تھیں۔ صبح کی نماز میں تو عموماً مسجد سے باہر ان کا ہجوم ہوتا تھا۔

ممانیہ نامی گاؤں کے ایک شخص اپنے فرزند کو لے کر مدرسہ صدیقیہ مکہ میں پہنچے، اور قاری عبد اللہ صاحب سے درخواست کی کہ اسے پڑھائیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ”تم نے اتنی تکلیف کیوں کی، وہاں میر عبد اللہ کی موجودگی میں ہمارے ہاں آنے کی کب ضرورت ہے۔ ہم نے انہیں کامل بنا کر بھیجا ہے۔“

ہزارہ کے مشہور خطیب مولانا سید محمود شاہ صاحب ساکن ڈھینڈہ نے بھی آپ سے استفادہ کیا تھا۔

شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری مجاہدین کو آپ کی وساطت سے رقوم بھیجتے تھے۔

وصال یکم شوال ۱۳۳۵ھ / جولائی ۱۹۱۹ء کو آپ کا ”سراسر صالح“ ہری پور، ہزارہ میں وصال

ہوا۔ نماز جنازہ میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔ حضرت عبدالرحمن چھوہرویؒ بھی تشریف لائے تھے اور انہوں نے فرمایا تھا کہ ”ایسے لوگوں کے لئے گلیوں کے تنگے اور سنگریزے بھی روتے اور دعا کرتے ہیں“

مرثیہ آپ کے شاگرد رشید مولانا شہاب الدین صاحبؒ نے تاریخی مرثیہ لکھا جو درج ذیل ہے :-

راز دارا دلبرا از فرقت افسردہ ام    باکس یگویم درد دل داغ جدائی خوردہ ام  
آرزو ہوا دشتِ درد دل و لیکن از قضا    برباد رفتند آں ہمہ بادے بدست آوردہ ام  
امروز عید مرم است نوشند شربت خوشگوار    من خون دل نوشیدہ ام و از ہر دو چشم افشردہ ام  
در دلم تصویر تو ہر وقت حاضر می شود    تلخ کردی عیش من در روز و شب آزرده ام

دیگر

عازم فردوس گشت یوم عید فطر نزد کوس رحیل  
حاج وہم قاری القرآن باوین و باایماں برفت  
بود نامش میر عبداللہ وہم در قاریاں بودے امیر  
جام اجل نوشیدہ نزد غافر و غفراں برفت  
از دارِ فانی خود گذشت در یادِ خود مارا گذاشت  
آہ خیر خواہ قوم رفت از دین ما برماں برفت

از یک ہزار و سصد و ہم چہل دو کم گن بگو

از ”سراے صالح“ یک خادمِ قرآن برفت ”

اولاد اولاد میں ایک فرزند حافظ فضل الرحمن صاحب مرحوم اور دو دختران یادگار بچھوڑیں جن میں سے اب صرف ایک دختر بقید حیات ہیں۔ اب آپ کے دو پوتے حافظ محمد اشرف صاحب اور حافظ مولوی منظور الرحمن صاحب او۔ ٹی گورنمنٹ ہائی سکول سراے صالح اور ایک پوتی موجود ہیں۔  
”




---

سے تاریخِ مرثیہ ڈاکٹر فضل الرحمن کے نیک سیرت والد مولانا شہاب الدین صاحب کا لکھا ہوا ہے۔  
سے آپ کے حالات آپ کے شاگرد مولانا غلام ربانی لودھی مرحوم سے ان کی زندگی میں لئے تھے جو، مارچ ۱۹۷۵ء کے ”الجمعیۃ“ میں شائع ہوئے۔ مزید حالات آپ کے دو پوتوں سے لیے گئے۔

# مولوی قاری عبدالوحید الہ آبادی

آپ خود لکھتے ہیں:

”بندہ اپنے وطن الہ آباد میں حفظ قرآن مجید سے ۱۳۱۳ھ میں فارغ ہوا۔ ۱۳۱۴ھ میں جب کہ مدرسہ احیاء العلوم متصل کلاں ایشین الہ آباد کا افتتاح ہوا، حضرت سندی و استاذی مولانا قاری المقرئ عبدالرحمن صاحب مکی تشریف لائے تو جماعتِ اولین طلبہ میں احقر بھی تھا۔ اس وقت سے ۱۳۲۲ھ تک اس فن شریف کی بھی تحصیل و اکتساب کتب عربیہ درسیہ کے ساتھ ساتھ ہمیشہ نہایت ہی شوق و سعی کے ساتھ برابر کرتا رہا۔ الحمد للہ علی احسانہ کہ ۱۳۱۹ھ میں سند و اجازت مسلسلہ روایت حفص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع کتب درسیہ عنایت ہوئی، پھر ۱۳۲۰ھ میں قراءتِ سبلعہ متواترہ کی بھی سند و اجازت مسلسلہ مع کتب درسیہ سے ممتاز ہوا۔ ۱۳۲۱ھ کے شروع میں بنو سبط حضرت اُستادی ممدوح (قاری عبدالرحمن) و حضرت مخدومنا مولانا محمد اشرف علی صاحب فن تجوید کا خادم کہ کے مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند میں لایا گیا۔ اس بحر العلوم اسلامیہ میں اس فن شریف کی خدمت کے ساتھ اپنی بقیہ کتب درسیہ نظامیہ کو بھی دواماً پورا کرتا رہا۔ عظیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۳۲۲ھ میں مجھے ناچیز کو بھی سند فراغ و دستارِ فضیلت حضرات اکابرین مدرسہ سے مرحمت ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں حرمین شریفین انری اور قیام سے مشرف ہوا تو مکہ مکرمہ میں مدرسہ مولیتہ کے مدرسِ اول فخر العجم و منذ العرب

حضرت شیخ القراء قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہوا اور اس درگاہ عالی سے بھی سند و اجازت مسلسلہ قراءت سبغہ مشہورہ معہ کتب درسیہ عطا ہوئی۔ بعدہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ میں بذریعہ تحریر مکرمی مولانا قاری عبدالرحمن صاحب جالندھری قراءت عشرہ کی بھی سند و اجازت مسلسلہ سے سرفراز ہوا۔

قاری بسم اللہ دیکھتے ہیں :

”وطن الہ آباد۔ ولادت ۱۲۹۶ھ میں ہوئی ۱۳۱۳ھ میں حفظ کی تکمیل کی۔ فارسی کتب کے مطالعہ سے فارغ ہوئے۔ ۱۳۱۴ھ میں درس نظامی شروع کیا۔ ۱۳۲۰ھ میں درس نظامیہ کے ساتھ فن تجوید و قرأت کی درسی کتب بھی شیخ القراء عبدالرحمن مکی سے پورے شوق سے پڑھتے رہے۔ ۱۳۱۹ھ میں حضرت حفص کی روایت سے تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۰ھ میں قراءت سبغہ متواترہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۲۱ھ میں دیوبند مدرسہ عالیہ میں تجوید و قرأت کے صدر مدرس ہو کر گئے۔ ۱۳۲۹ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی کی شاگردی بھی نصیب ہوئی۔ قرأت سبغہ عشرہ کی سند مل گئی۔ تقریباً ۴۵ سال دارالعلوم میں ہی خدمت کر کے ۱۳۶۵ھ میں انتقال ہوا۔

آپ کی تصنیف ”ہدیۃ الوحید“ نہایت عمدہ و جامع کتاب ہے حضرت حفص کی ایک روایت کے قواعد بیان کرتے ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور آپ کے جھوٹے بھائی قاری محمد طاہر وغیرہ ہیں۔ (ج ۲ ص ۳۴۸)

# حضرت قاری صاحب کے شیخ اور مرتبی

## حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

”آپ جناب عبدالحق صاحب فاروقی کے فرزند ہیں۔ ۵ بیسٹ الاغیر ۱۲۸۸ھ میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ”کرم عظیم“ ہے۔ سب سے پہلے حافظ حسین علی صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا، پھر وطن واپس آکر عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے پڑھیں۔ فارسی کی کچھ اعلیٰ کتابیں اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں۔“

”اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۳۰۱ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی بن مولانا مملوک علی نانوتوی، مولانا سید احمد، مولانا عبدالحق، مولانا محمود حسن اور ملا محمود خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔“

”تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور میں تدریسی فرائض انجام دینا شروع کیے، پھر کچھ دنوں بعد مدرسہ جامع العلوم کانپوری میں مدرسہ درس بنائے گئے اور اس طرح سے کانپور میں ۱۴ برس تدریس کا انجام دینے کے بعد ۱۳۱۵ھ میں مستقل طور پر تھانہ بھون آکر سند اشاد پرنیٹھے اور ایک عالم کو رشد و ہدایت کی راہ پر لگایا۔“

۱۔ قاری فیوض الرحمن : مشاہیر علماء دیوبند : لاہور : ج ۱ : ص ۶۶۔

۲۔ ڈاکٹر اقبال حسن : مولانا محمود حسن : علی گڑھ : ص ۳۹۴۔

۳۔ ڈاکٹر محمد یونس ندوی : عربی علوم و فنون کے ممتاز علماء : لکھنؤ : ص ۷۶۔

## علمِ قرأت کی تحصیل

علمِ قرأت کی تحصیل آپ نے شہرہ آفاق قاری عبد اللہ صاحب سے مدرسہ مولیٰ تہ مکہ مکرمہ میں کی۔ قاری صاحب

موصوف قرآن عرب کے نزدیک بھی نہایت جیتہ اور مسلم ماہر فن قاری تھے قرأت کی مشق کے سلسلہ میں اساتذ نے انہیں ایک نہایت ہی عجیب اصول بتایا کہ لہجہ کی طرف مطلق التفات نہ کیا جائے، بس ساری توجہ مخارج کی تصحیح میں صرف کی جائے، کیونکہ تصحیح مخارج کے بعد جو لہجہ بھی پیدا ہوگا مستحسن ہی ہوگا۔ اس پر عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ آواز میں اتنی دلکشی پیدا ہو گئی کہ آپ جب مدرسہ کی بالائی منزل پر قرأت کی مشق کرتے تو راہگیر آواز کی کشش پر رُک جاتے اور یہ تمیز نہ کر سکتے کہ اساتذ پڑھ رہا ہے یا شاگرد پڑھ رہا ہے۔

علمِ تجوید و قرأت میں آپ کی تصانیف میں جمال القرآن اور ”وجوہ المثانی“ (عربی) ہزاروں کی تعداد میں چھپ رہی ہیں، اور تجوید و قرأت کے تقریباً تمام مدارس میں داخل نصاب ہیں۔

”وجوہ المثانی“ میں آپ نے قرآن مجید کے ان تمام الفاظ کی قرآن میں بیان کی ہیں جن میں اختلاف ہے۔ قرأت کے ان تمام اختلافات کو بیان کر کے آخر میں اس فن سے متعلق کچھ اصول بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ قرأت سبعہ کے بارے میں ہے۔

تنفیذ الطبع فی اجراء السبع اُردو میں، تہذیب القرآن اور تجوید القرآن۔ قاری بسم اللہ لکھتے ہیں :- ”قاری حافظ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی۔ مولد تھانہ بھون یوپی، جامع العلوم، کثیر المنفعت بافیض، تبع سنت، بڑے اچھے واعظ، اصلاح امت کا کام بہت کیا۔ دیوبند کے فارغ التحصیل، حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید و خلیفہ، تجوید و قرأت میں آپ شیخ القرآن محمد عبد اللہ مہاجر کی کے شاگرد تھے، ان ہی کا عیب و لہجہ اختیار کیا تھا۔ ایسا پڑھتے کہ لوگ سمجھتے کہ قاری محمد عبد اللہ صاحب پڑھ رہے ہیں۔ اچھے حافظ تھے۔ روزانہ تلاوت کا معمول تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ عالم کو مجتود ہونا لازمی ہے۔ اس پر بہت زور دیتے تھے اور اشاعتِ تجوید کے لیے بڑی کوشش کی۔ مذہبی اداوں کو اس طرف متوجہ کیا۔ اکثر مواعظ میں اس کا ذکر کرتے۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ تجوید و قرأت پر درج ذیل کتابیں تصنیف کیں:-  
(۱) جمال القرآن - رسالہ تجوید اُردو (۲) وجہ المثالی (عربی) قرأت سبعہ میں  
(۳) تفسیر الطبع فی اجراء البع اُردو میں (۴) تسہیل القرآن (۵) تجوید القرآن۔  
وفات ۱۳۶۳ / ۱۹۴۳ء کو ہوئی۔

”تدریسی خدمات کے علاوہ وعظ و ارشاد بھی فرمایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگ آپ سے قریب کافی ہو گئے، جب کہ عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔“  
اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:-

”وہ ایک ممتاز فاضل، عالم دین اور صوفی تھے اور انھوں نے نہایت ہی معروف زندگی گزاری، ان کے اشغال - تعلیم و تدریس، وعظ، خطابت اور تصنیف و تالیف تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے وقتاً فوقتاً سفر بھی کئے۔ آپ بہت پُر نویس تھے، چنانچہ ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، یہ کتابیں زیادہ تر تفسیر، حدیث، منطق، کلام، عقائد اور تصوف میں ہیں۔“  
مولانا شاہ محمد سراج الیقین لکھتے ہیں:-

”حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب تھانوی آپ اکابر اور مشاہیر علمائے ہندوستان میں ہیں۔ درحقیقت ایسا فقیہ اور محدث اور مفسر، واعظ، شیخ کامل، مائل صاحب نسبت اہل دل، شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کا بحر ذہن۔“

۱۔ قادی بزم اللہ: تذکرہ قاریان ہند: ج ۲ ص ۳۴۲۔

۲۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب: اشرف السوانح: ج ۱: ص ۴۶، ۱۹۰۔

۳۔ مہارنگار: اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: جامعہ پنجاب لاہور: ج ۲: ص ۷۹۳۔



اس وقت ہندوستان میں کوئی دوسرا نہیں ہے . . . شرح دیوان حافظ اور تفسیر بیان القرآن وغیرہ آپ کی بے عدیل تصانیف ہیں۔<sup>۱</sup>  
 آپ کی تفسیر بیان القرآن اور ترجمہ قرآن کے بارے میں اکابر علمائے دین اور اہل علم و فضل کی آراء درج ذیل ہیں :-

مفسر قرآن مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں :-

” (تفسیر) کی خدمت و سعادت من جانب اللہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھالوی م ۱۳۶۲ھ کے حصے میں آئی اور بیان القرآن کے نام سے ۱۳۲۵/۱۹۰۴ء میں ایک تفسیر لکھی جو اپنی افادیت، جامعیت اور مقبولیت میں شری سے ثریا تک پہنچ گئی۔“<sup>۲</sup>

امام العصر مولانا محمد انور کشمیری نے ایک صاحب سے فرمایا کہ ” میں سمجھتا ہوں کہ اردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں اس لیے میں کسی اور تصنیف کو دیکھنا بیکار سمجھتا تھا لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ معلوم ہوا کہ اردو کی تصانیف میں بلی اب علوم موجود ہیں اور اس وقت سے مجھے اردو کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور جو بے وقتی اردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی۔“<sup>۳</sup>  
 مولانا مفتی عتیق الرحمنؒ لکھتے ہیں :-

” خواص کے لیے تفسیر بیان القرآن اور شرح ثنوی مولانا روم اور عورتوں کے لیے بہشتی زیور آپ کی ایسی گراناہ اور کثیر الشیوع تصانیف ہیں کہ اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اردو کے مذہبی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھیں۔“<sup>۴</sup> پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود لکھتے ہیں :- ” تفسیر بیان القرآن - حضرت کی عظیم دینی خدمت بارہا زبور جماعت سے آراستہ

<sup>۱</sup> محمد سراج ایقین: شمس المعارفین: لاہور: ص ۸۲

<sup>۲</sup> مولانا محمد ادریس کاندھلوی: مقدمہ معارف القرآن: لاہور۔

<sup>۳</sup> عبد الرحمن کوندو: الاولاد: دہلی: ص ۳۸۸۔

<sup>۴</sup> قدس فیوض الرحمن: مشاہیر ملّا: ج ۱ ص ۷۶۔

ہو چکی ہے۔ تحقیق، جامعیت، اور قرآن کی ترجمانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ ۱؎  
 پروفیسر عبدالقیوم لکھتے ہیں :-

”مولانا اثر علی تھانوی — اپنے عہد کے بہت بڑے عالم، مفتی، مفتی مقرر تھے۔ بیان القرآن . . . وغیرہ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔ ۲؎  
 مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں :-

”آپ کا ترجمہ قرآن مجید بہت حد تک تفسیری ترجمہ ہے۔ اختصار، جامعیت اور استناد اس کی خصوصیات ہیں۔ علما اور عوام میں بے حد مقبول ہے۔ ۳؎  
 سید محبوب رضوی لکھتے ہیں :-

”حضرت تھانویؒ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں کیا، تمام کتابوں کے حقوق طبع عام تھے اور جس کا جی چاہے انہیں چھاپ سکتا تھا، آپ کا ترجمہ قرآن شریف بہت سلیس، سہل اور عالمانہ تفسیر بیان القرآن ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ ۴؎  
 مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب لکھتے ہیں :-

”جامع اور بکمل تفسیر بیان القرآن — جو اس زمانہ میں تفسیر کے اساتذہ کے لیے بھی شعل راہ ہے۔ حکیم الامت مولانا اثر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی، علمی اور روحانی بصیرت کا شاہکار ہے۔ ۵؎

مولانا عبدالقیوم ندوی لکھتے ہیں :-

۱؎ علامہ خالد محمود : آثار الترمذی : لاہور : ۱۹۶۰ء : ص ۲۰۴ -

۲؎ پروفیسر عبدالقیوم : تاریخ ادبیات : جامعہ پنجاب : ۱۹۶۲ء : ج ۲ ص ۳۱ -

۳؎ مولانا محمد منظور نعمانی : الفرقان (وفیات نمبر) ص : ۱۵ / ۱۶ -

۴؎ سید محبوب رضوی : تاریخ دارالعلوم دیوبند : ج ۲ : ص ۵۲ -

۵؎ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی : معارف القرآن : لاہور ص ۳۶ -

” اسی طرح بیان القرآن ہے اور دورِ حاضر کی تمام ضروریات کی کفیل ہے اور بہترین ہے“ ۱

شیخ الہند مولانا محمود حسن تحریر فرماتے ہیں :-

” بندہ کے اجاب میں بھی اول مولوی عاشق الہی صاحب میٹھی نے ترجمہ کیا، اس کے بعد مولانا اشرف علی صاحب نے ترجمہ کیا، احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے جو ان خرابیوں سے پاک و صاف ہیں اور عمدہ ترجمے ہیں“ ۲

مفسرِ قرآن مولانا عبد الماجد دیوبادی لکھتے ہیں :-

” اب چند سال سے مسلسل مشغلہ اس بے علم و نااہل کا خدمتِ قرآنی کا ہے۔ اپنا تجربہ یہ ہے کہ دوسرے حضرات کے ہاں اکثر اوراق پر اوراق الٹ جانے سے بھی وہ گہرے نکتے نہیں ملتے جو مفسرِ تھانوی کے یہاں چند سطروں کے اندر میسر آ جاتے ہیں“ ۳

مفسرِ قرآن مولانا احمد سعید دہلوی لکھتے ہیں :-

” یہ ترجمہ اور تفسیر بڑی تحقیق کے ساتھ لکھی گئی اور یقیناً اردو زبان میں اس سے زیادہ معتبر اور صحیح کوئی تفسیر ہندوستان میں نہیں ہے“ ۴

پروفیسر مولانا محمد اشرف خان صاحب لکھتے ہیں :-

” حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے جامع العلوم اور مجمع المعارف و الفضائل بنایا تھا۔ آپ ہر دینی علم و فن سے فطری مناسبت اور اس میں مہارت و کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ ... آپ کا بڑا کارنامہ اردو کی اشرف التفاسیر — تفسیر بیان القرآن ہے جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ اردو ترجمہ و تفسیر کے علاوہ حل لغات کے نام سے اہل علم

۱ مولانا عبد القیوم ندوی، تلمیذِ قرآن، لاہور : ص ۸۷۔

۲ مولانا محمود حسن : پیش لفظ ترجمہ قرآن : بحوالہ قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر

۳ مولانا محمد عمران خان : شاہراہِ علم کی محسن کتابیں، کراچی : ص ۲۸ (مولانا عبد الماجد کا مضمون)

۴ مولانا احمد سعید : ایمان کی باتیں، دہلی : ص : ۲۲۴

کے لیے فصاحت و بلاغت و اعجاز وغیرہ کے نکات مستقلاً شامل ہیں۔ اس تفسیر کی تعریف امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری اور علامہ سید سلیمان ندوی جیسے اساطین کرچکے ہیں۔<sup>۱</sup> علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :-

”حضرت کا ترجمہ قرآن پاک — تاثیر، سہولت، بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے — تفسیر القرآن کو یوں سمجھنا چاہیے کہ رُوح المعانی اور تغایر مابقی کی اُردو میں حد درجہ محتاط ترجمان ہے، سلوک و طریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔“<sup>۲</sup> مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں :-

”اُردو زبان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ”بیان القرآن“ اپنے مضامین کے اعتبار سے بے نظیر تفسیر ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب انسان تفسیر کی ضخیم کتابیں کھنگالنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے۔“<sup>۳</sup>

دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ ”اشرف علی تھانوی دم ۱۲۶۲ھ / ۱۹۴۳م“ کا ترجمہ و مختصر تفسیر بھی اپنے مواد اور بیان کے لحاظ سے بہت پسند کی جاتی ہے۔“<sup>۴</sup>

”حضرت کی زندگی بڑی منظم تھی۔ کاموں کے اوقات مقرر تھے اور ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ متوسلین کے بہت سے خطوط آتے تھے مگر بقید وقت ہر ایک کا جواب خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔“<sup>۵</sup>

علامہ حکیم سید عبداللہ الحنفی لکھتے ہیں :-

۱۔ مولانا محمد اشرف خان : ابلاغ مفتی اعظم نمبر : کراچی : ۵۸۳۔

۲۔ علامہ سید سلیمان ندوی : یاد و فرسنگاں : کراچی : ۱۹۵۵م : ص ۲۸۶۔

۳۔ مولانا محمد تقی عثمانی : علوم القرآن : کراچی : ص ۵۰۷۔

۴۔ دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور : ج ۶ ص ۵۳۵۔

۵۔ سید محبوب رضوی : تاریخ دارالعلوم دیوبند : ج ۲ : ص ۵۴۔

”تربیت و ارشاد میں مخلوق کا مرجع بنے رہے، دُور دُور سے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ . . . . آپ کے اوقات بہت منظم تھے۔ آپ ان بڑے علمائے ربانیہ میں سے تھے جن کے مواعظ اور تالیفات سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بہت نفع پہنچایا۔ عقیدہ و عمل کی بہت اصلاح کی، آپ سے ہزاروں مسلمانوں نے استفادہ کیا، خلاف شرح امور کا استیصال کیا، معارف الہیہ میں انھیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ تصنیف و تالیف میں بہت مہارت تھی۔ عصر حاضر میں جو قبولیت انھیں حاصل ہوئی وہ دوسرے علماء اور مشائخ کے حصّہ میں نہیں آسکی۔

آپ نہایت حسین و جمیل اور نورانی چہرے والے تھے۔ لباس بھی صاف اور عمدہ ہوتا تھا۔ جس میں نہ اسراف ہوتا تھا اور نہ تکلف شیریں کلام تھے۔ ادا و حقوق کی طرف بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔“

مولانا سید احمد رضا بجنوری نقشبندی مجددی لکھتے ہیں:-

”حضرت تھانویؒ کی زندگی کا ایک نہایت روشن پہلو آپ کے بلند پایہ اصلاحی و تجدیدی کارنامے بھی ہیں۔ آپ مسلمانوں کے عقائد و عبادات کی تصحیح کے ساتھ ان کے اخلاق، معاملات، معاشرت و عملی زندگی کی اصلاحات پر بھی پوری توجہ فرماتے تھے، جو صرف آپ ہی کا حصّہ تھا۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت جامع کتاب حیات المسلمین کے نام سے تالیف فرمائی جس میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و ترقی کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا۔ . . . آپ نے ایک عالم کو اپنے فیوضِ ظاہری و باطنی سے سیراب کیا، آپ کے بے شمار مواعظ، ملفوظات اور تصانیف کی روشنی سے شرق و غرب روشن ہو گئے۔ لاکھوں قلوب آپ کے فیضِ باطن سے جگمگا اٹھے، عوام و خواص، علماء و یارِ سب نے آپ سے فیض پایا۔“

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں :-

” ہمارے معاشرے میں بھی لکھے واعظ ہمیشہ موجود رہے اور اب بھی موجود ہیں۔ ان میں مولانا اشرف علی تھانویؒ بڑے بلند پایہ واعظ ہوئے ہیں۔ علمی اعتبار سے مولانا کو بہت اونچا مقام حاصل تھا اور ان کے واعظ حنہ میں ان کا یہ علمی مقام خوب خوب منعکس ہوتا تھا۔ ان کے کئی کئی گھنٹوں کے ایک ایک وعظ میں سینکڑوں ہزاروں کتابوں کا عطر سمٹ آتا ہے اور اس بات میں کوئیبالغہ نہیں کہ ان کے ایک ایک وعظ سے دور جدید کے مصنفین کئی کئی کتابیں لکھ سکتے ہیں“ ۱

مولانا اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں :-

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان مشہور و با اثر علماء میں تھے کہ جن کو تمام دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء قابل احترام سمجھتے تھے ۲

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں :-

”ادھر جمعیتہ علماء ہند کے انتہا پسند عناصر تیزی سے اپنی راہ پر گامزن تھے، ادھر علماء کا ایک گروہ تھا جو اپنی قسمت کا فیصلہ ہندوؤں سے کرانا نہیں چاہتا تھا۔ مولانا اشرف علی اس کے خلاف تھے کہ مسلمان ہندو قیادت کو تسلیم کر لیں، وہ اس کے بھی حامی تھے کہ دونوں قوموں کی شدید دشمنی کی بنا پر ہندوؤں سے کسی قسم کا تعاون ممکن نہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا بھی یہی خیال تھا کہ انگریزوں کے بعد ہندو اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے مولانا اشرف علی سے جب مسلم لیگ تعاون کی خواستگار ہوئی تو مولانا نے تحریری طور پر مسلم لیگ سے کچھ سوالات کیے اور مطمئن ہونے کے بعد گھلے طور پر مسلم لیگ کی تائید کی اور بدستور کانگریس کی مخالفت کی۔ ۱۹۴۳ء میں مولانا کی وفات پر مسلم لیگ نے قرار داد تعزیت منظور کی“ ۳

۱ مولانا کوثر نیازی: اندازِ بیاباں: لاہور: ۱۹۷۵ء: ص ۸۹۔

۲ مولانا اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علماے پاک و ہند: لاہور: ص ۶۱۔

۳ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی: علما اور پابشکس: ص ۲۵۶ - ۲۶۲۔

مولانا حافظ محمد اکبر شاہ بخاری لکھتے ہیں :-

”حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت اور شرکت کی رائے دی۔ تنظیم المسلمین کے نام سے آپ کا فتویٰ شائع ہوا۔ اس فتویٰ کے شائع ہونے کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع اودا آپ کے تمام متوسلین اور خلفاء مسلم لیگ کی حمایت و اعانت میں سرگرم حصہ لیا اور ان تمام حضرات نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں عملی طور پر کارنامے انجام دیے اور پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور ان حضرات کی کوششوں سے جگہ جگہ مسلم لیگ کامیاب ہوتی رہی۔ قائد اعظم محمد علی جناح بھی حضرت تھانویؒ کی اس حمایت پر بڑے مطمئن اور شکر گزار تھے اور آپ کے متوسلین کی کوششوں کو ہمیشہ سراہتے، حتیٰ کہ ڈھاکہ اور کراچی میں پاکستانی پرچم کی نقاب کشائی کے لیے مولانا ظفر احمد عثمانی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کو تجویز کیا، اور ان ہی کے مبارک ہاتھوں نقاب کشائی کرائی“۔

پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں :-

”مولانا تھانویؒ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کے خواہشمند تھے۔ اس کا تذکرہ ان کے ملفوظات میں اکثر ملتا ہے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۱ء کو لکھنؤ میں فرمایا :-

”میری دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت مسلمہ عادل قائم فرمائے اور میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں“۔

۲۰ جولائی ۱۹۴۲ء کو مولانا تھانویؒ عویل بیماری کے بعد خالص حقیقی سے جا ملے۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے مولانا کی وفات پر جو تعزیتی قرار داد پاس کی اس سے مسلم لیگ کے حلقوں میں آپ کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے مندرجہ ذیل قرار داد ۱۴ نومبر ۱۹۴۲ء کو پاس کی۔

”آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا یہ اجلاس حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وفات

پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا مرحوم ایک جید عالم تھے۔ انہوں نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ لاکھوں لوگ ان کے مرید تھے۔ انہوں نے اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں جو خدمات سر انجام دیں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان کی وفات مسلم لیگ کے لیے اس وجہ سے مزید دکھ کا باعث ہوئی کہ مولانا کی تائید و حمایت اس کے لیے بہت مددگار ثابت ہوئی۔ جس کی وجہ سے مسلم لیگ نے ان خود غرض اور گمراہ طاقتوں کا مقابلہ کیا جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

کونسل کا یہ اجلاس خداوند کریم سے یہ دعا کرتا ہے کہ مولانا کی روح کو سکون پہنچے اور ان کی روح بدستور ان لوگوں کی رہنمائی کرتی رہی جو مسلم انڈیا کی وحدت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ کونسل کا یہ اجلاس مولانا کے خاندان اور لاکھوں مریدوں سے بھی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

”۱۹۳۹ء میں جمعیتہ علماء ہند کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ جمعیتہ کی طرف سے آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی جس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:-  
 ”اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضراتِ علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے“  
 ایک اور موقع پر کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے متعلق فرمایا:-  
 ”کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی اپنی دوسری ملاقات کے تاثرات یوں بیان کر کے ہیں:-

”اب کے حاضری کے بعد معلوم ہو گیا تھا کہ مولانا محض نور کے بنے ہوئے اور تقدس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے کردہ بیوں میں نہیں۔ اب وگل سے ترکیب پائے ہوئے، انسانی دل، بشری جذبات رکھنے والے انسان ہیں۔ ہائومنین رؤف رحیم کے سچے



جانشین، ضرورت کے وقت اور مصلحت کے ماتحت جتنے بھی سخت اور سخت گیر ہو جائیں  
 لیکن اپنی عام طینت و خلقت کے لحاظ سے دھما ریلنہم کے مصداق ہیں“ ۱  
 مولانا عبد الماجد دریا بادی کی پہلی ملاقات حضرت تھانویؒ سے جون  
 ۱۹۲۸ء میں تھا۔ بھون میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات کا تذکرہ

## تخیل پاکستان

ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

”پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں بہت بعد کی  
 ہیں۔ پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں کان میں پڑیں۔ حضرت کی گفتگو میں یہ جزو بالکل  
 صاف تھا“ ۲

اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں :-

”۱۹۲۸ء میں پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت (تھانویؒ) نے  
 دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خط  
 پر اسلامی حکومت ہو۔ سارے قوانین، تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے  
 مطابق ہو۔ بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ دوسری  
 قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں، اس مقصد کے لیے  
 تو صرف مسلمان ہی کی جماعت ہونی چاہیے اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہیے“ ۳  
 مزید لکھتے ہیں :- ”جب مجلس دعوت الحق بمبئی کے ارکان قائد اعظم کے پاس  
 بسند تبلیغ گئے اور ان سے شکوہ کیا کہ جماعت علماء آپ کی تائید میں نہیں تو قائد اعظم  
 فوراً اٹھ کر دوسرے کمرہ میں گئے اور ایک فائل لا کر ان کے سامنے کھولی اور فرمایا  
 ”آپ پہچانتے ہیں کہ یہ کس کی تحریر ہے؟“ انھوں نے فوراً تحریر پہچان کر کہا کہ یہ تو  
 حضرت تھانوی کی تحریر ہے۔ اس پر قائد اعظم نے بڑے جوش کے ساتھ یہ

۱ مولانا عبد الماجد دریا بادی، حکیم الامت: ص ۲۴۔

۲ ”تقریریں و تاثرات“ ص ۲۳۔

۳ منشی عبد الرحمن ۱ اندرون: ص ۲۱۰۔



قائد اعظم سے کہا ”کانگریس کے ساتھ بہت سے علماء ہیں، آپ کے ساتھ بہت تھوڑے ہیں۔“ اس پر قائد اعظم نے بے ساختہ کہا ”مسلم لیگ کے پاس ایک ہی اتنے بڑے عالم ہیں جن کا علم اور تقدس اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور کانگریس کے تمام علماء کا تقویٰ تقدس اور علم دوسرے پلڑے میں تو اول الذکر ہی کا پلڑا بھاری رہے گا۔“ قائد اعظم کی مراد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھی۔<sup>۱۵</sup> منشی عبدالرحمن لکھتے ہیں :-

”وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔ جو چھوٹے سے قبضے میں بہتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پرواہ نہیں۔“<sup>۱۶</sup> آپ حج کے لیے حرمین شریفین اور وہاں شیخ العرب والعجم حضرت صوفیانہ مسلک حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر منازل سلوک طے کر کے ان کے ”خلیفہ مجاز“ ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت صاحب کے ممتاز اور محبوب خلفاء میں سے تھے۔ منشی عبدالرحمن لکھتے ہیں :-

”روحانی تربیت آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے پائی، اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، اور قطب عالم حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن مراد آبادی سے روحانی طور پر فیضیاب ہوئے رہے اور ان کی دعائیں لیتے رہے۔“<sup>۱۷</sup>

”برصغیر پاک و ہند میں صرف آپ کا ہی دامن اور منفرد مکتب تاجس میں اصلاح معالمت و

<sup>۱۵</sup> محمد شفیع صابر: قائد اعظم اور صوبہ سرحد: لاہور: ص ۱۵۷۔

<sup>۱۶</sup> منشی عبدالرحمن: تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی: لاہور: ص ۱۹۶۔

<sup>۱۷</sup> سید نفیس الحسینی: احوال و آثار شیخ العرب والعجم: لاہور: ص ۲۲۔

<sup>۱۸</sup> منشی عبدالرحمن: معارف پاکستان: لاہور: ۱۹۶۶ء: ص ۱۸۵۔

معاشرت پر توجہ دی جاتی تھی اور مجددین میں بھی آپ پہلے مجدد معاشرت تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:-

”مجھے علم پڑھانے لکھانے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے جس قدر تہذیب و اخلاق اور دیانت پر نظر ہے، کیونکہ پڑھنے لکھنے کا تو ہر جگہ انتظام ہوتا ہے، لیکن اخلاق کی طرف کسی کا خیال نہیں۔ اس طرح میں اپنے متعلقین (داخل سلسلہ حضرات) کے لیے اور اوروں کے لیے اذکار و اشغال کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتا جتنا اخلاق کی درستی کا خیال کرتا ہوں، کیونکہ اخلاق کا سنوارنا زیادہ ضروری ہے کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک اس کی قدر نہیں ہوتی جب تک اس کے اعمال درست نہ ہوں“

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:-

”یہ مرد درویش ایک پُرانے قصہ کی ایک کہنہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا مسلمانوں کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل، نیک و بد اور صحیح و غلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا، اس کے سامنے دین کی صحیح مثال تھی اور اس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ زندگی کی تصویریں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کے درست کرنے میں مصروف تھا، اس نے پوری زندگی اس امر میں صرف کر دی کہ مسلم کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنا دے جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے“

چودھویں صدی میں آپ کا فیض بہت عام ہوا، آپ سے سینکڑوں حضرات نے تربیت حاصل کی اور سینکڑوں نے تکمیل سلوک کر کے ”مجاز بیعت“ اور ”مجاز صحبت“ ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ان خوش نصیبوں میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا محمد رسول خان، مولانا عبد الرحمن کاٹیپوری، مولانا عبد الباقی ندوی، مولانا غفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمد حسن، مولانا خیر محمد اور ڈاکٹر عبد الحمی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب حضرات بزم اشرف کے چراغ تھے آپ ان میں سے ۸۶ حضرات

کے سوانحی تذکرے پروفیسر احمد سعید کی کتاب ”بزم اشرف کے چراغ“ میں مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا۔  
**وصال** | تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہید کے مزار کے قریب انہی کے باغ میں جسے انھوں نے خالقہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھا دفن کیا گیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت کے وصال پر نظم و نثر میں جو مرثیے لکھے گئے ان میں سے صرف تین یہاں پیش کیے جاتے ہیں، ان میں سے دو ”علامہ ظفر احمد عثمانی“ اور تیسرا علامہ حافظ محمد اویس کاندھلوی کے قلبی تاثرات کا نتیجہ ہے، اور یہ اس سے پہلے جہاں تک میری معلومات ہیں حضرت تھانویؒ کی کسی سوانح میں موجود نہیں ہیں۔

۱۳۱۵ھ میں جب آپ کانپور سے تھانہ بھون تشریف لے گئے تو آپ کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکیؒ نے آپ کو ان الفاظ میں گامی نام لکھا:  
 ”بہتر مہا آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلافت کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا۔ اور آپ ہمارے مدرسہ اور خانقاہ کو از سر نو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں۔ اور آپ کا مجھے خیال رہتا ہے۔“

ڈاکٹر محمد عبدالحمتی : بشارت حکیم الامت : کراچی : ص ۲۷



# وفيات

رَبِّكَ أَتَيْتُ بِحِكْمٍ كَبِيرٍ  
رَبِّكَ أَتَيْتُ بِحِكْمٍ كَبِيرٍ

|                                                 |                                                     |
|-------------------------------------------------|-----------------------------------------------------|
| تَقِيلُ وَهُمْ الْعَاشِقِينَ ثَقِيلُ            | بِقَبْلِي هُمْ لَا يَسْتَعْدُونَ                    |
| لَا سَهْرَ إِلَّا أَنْ يَبِينُ خَلِيلُ          | بُشْرًا فِي لَهْلَاهٍ طَوِيلُ وَلَوْ كُنْ           |
| وَلَوْ أَنَّ قَبْلِي لِلْعَجَبِ أَلْجَمُولُ     | إِلَى اللَّهِ أَشْكُو مَا آتَى مِنَ النُّوَى        |
| فَمِنْ طَرَفِهَا عَيْنُ الْحَمِيمِ تَسِيلُ      | كَأَنَّ بَدِينِي مَا بَقِيَتْ مِنْ الْجُودَى        |
| نَظَارَ بَقِيَّتِي الْقَوْلَ حِينَ يَقُولُ      | وَدَاعٍ دَعَا إِذَا قَامَ بِاللَّيْلِ نَاعِيَا      |
| فَدَتَهُ الْوَرَى لَوْلَفَدَ أَوْ يَقُولُ       | دَعَوْتُ لَهُ كُنْ خَيْرَ أَشْرَفِ نَاعِيَا         |
| فَضَحَّتْ قُلُوبٌ بِالْبُكَاءِ عَقُولُ          | فَبَكَى وَنَادَى أَنْ أَشْرَفَ قَدَثَى              |
| وَأَشْرَفَتْ حُرُوجُهُ قَبِيلُ                  | لَقَدْ خَيْرَ هَذِهِ الْأَرْضِ نَفْسًا وَمُحَمَّدَا |
| نَقِيَهُ لَدَيْهِ لِلْفُرُوعِ أَصُولُ           | جُودًا وَهَذَا الشَّرُّنَ حَقًّا حَكِيمَا           |
| لَهُ فِي السَّحَابِ رَأْسُ أَيْمَةٍ وَرَعِيلُ   | مَنْسَرًا هَذَا الْعَصْرَ مِنْ غَيْرِ رِيَا         |
| مِنْ الرُّأْيِ إِذَا سَأَى إِلَّا نَامَ أَوَّلُ | سَيِّئِي خَجَلَةٍ ذَوَا صَابِلَةٍ                   |
| بِهَاتِي شَتْنِي لِلطَّالِبِينَ غَلِيلُ         | أَلَمْ تَكُنْ فِي كُلِّ عِلْمٍ حَبِيلَةً            |
| وَكَا دَتَ لَهُ شَوْجَانُ الْجِبَالِ تَزُولُ    | تَدْمَعُ تَبْرُؤُ إِذَا رَأَيْتَ سَرَّاجِلًا        |



یٰٰیٰہٰ تَرٰنِیْ اِنِّیْ بِعِیْسٰی بِنِ حَرٰوِیْمَہِ  
 بِرُکَّتَہِ اَنْعُوذُجْ وَ مِثْلِہِ  
 عَلَیْہِمَا مَعَ الْاٰلِیْنَ السَّلَامُ رَحْمَۃُ  
 مِّنَ اللّٰہِ مَا یَتْلُو الْعُرُوْجُ نَزُوْلُ  
 بَشَارَتَہِ تَشِیْخُ عَارِفٌ قَرِیْبُ مَوْتِہِ  
 لِنَعْمَۃِ رَبِّیْ اٰیَۃٌ دَلِیْلُہِ  
 جَزَاۃُ اللّٰہِ الْعَرْشُ خَیْرًا یُّمَدَّدُ  
 بِخَیْرِ عَظِیْمٍ وَ الْجَزَاۃُ عَظِیْمُہِ

جَوَیْحُ الْفَوَادِ ظَفَرُ اَحْمَدِ عَفَاعِنَہُ وَ مِطَ شَعْبَانَ مِثْلُہِ

رَبِّیْہِ مَا شِیْءٌ (۳۰) اُمُوْنِیْ بِمَقَاصِیْ فَا تَوَلَّوْہَا فَا خَرَجَ مِنْہَا قِرطَاسًا صَغِیْرًا وَ کَتَبَ فِیْہِ مَا تَرٰنَہُ  
 "ہَیْنَا لَکُمَا عُرُوْجُ اٰیَۃٍ وَ جَعَلْنَا ہَا رَابِعَہَا اٰیَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ" ثُمَّ دَعَانِیْ بِاسْمِیْ وَ عَطَانِیْ ہَذَا السُّکْرَہُ  
 اِنِّیْ لَا اَقْدَرُ عَلٰی الْکِتَابَۃِ مُسْتَبِیْنًا فَا نَا اَعُوْذُ عَلَیْکَ الْقِرَآۃَ کِتَابَہَا لَکَ ثَانِیًا ثَلَاثًا اَسْمُکُمَا  
 اَقْرَاۃً لِّیْ اَوَّلَ کَلِمَۃٍ مِنْہَا فَا نَہَا غَیْرِ مُسْتَبِیْنَہُ قَالَا ہَیْنَا لَکُمَا ثَلَاثًا قَدْ قَرٰتَ الْاَنَ کَلِمَۃً  
 بِہِ جَدًّا فَقَالَ یٰٰنَبِیُّ لَکَ السَّلَامُ وَ سَلَامٌ عَلَیْکَ اِنِّیْ ذَا لَکَ اِیْمَاءٌ اِلٰی وَجْہِ شَبْہِہُ وَ تَشْبِہِہُ وَ اَنْوَ

طَرِیْلِہِ اِنِّیْ لَفِطْرُ الْعُرُوْجِ وَ النِّزُوْلِ فَا نَہُصُّا مِنْ مِّسْطَلْحَاتِ الْقَوَدِ فَا نَہُصُّ ۱۲

اَب مَوْتِ الْعَالَمِ مَوْتِ الْعَالَمِ حَقِّ تَوْتِیَا رَتِخْ ہُوْنِیْ

پرو فیسر سید نواب علی صاحب ایم

معارف میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانچہ ارتحال کی سرخی توت العالم موت العالم کو کوئی  
 سید نواب علی صاحب جو مولانا کے اہل عقیدت میں سے ہیں، اوس سے ایک دلچسپ تاریخ نکالی ہے۔  
 مصحف جہان فانی کو فرسوس بین میں جا پہنچا جو حکیم امت اشرف تھے اور اتنی ہی دنیا  
 سب بیکار بن گئے کہیں گے ذکر جہان آج  
 وہ رات تھے وہ کہ مل تھے وہیں کہیں  
 نواب سن رکت سے بھی جو قریب تیاست  
 اَب مَوْتِ الْعَالَمِ مَوْتِ الْعَالَمِ حَقِّ تَوْتِیَا رَتِخْ ہُوْنِیْ



لقد ضاق الفضاء بنا ومالت  
واوحشت البلاد بنا وامست  
واظلمت الديار وما عليها  
تصدعت القلوب بما دهاها  
وقلبت الآمور غداة اودى  
مجد دمنة الاسلام حقا  
فسرعصره من غير خفف  
خبير بالحديث وكل علم  
ولي زمانه عدك تقى  
تضلع بالعلوم فكان فردا  
ردف راحه بركس ريو  
لقد قطع الحبال عن فئام  
يخضر بنا على طلب المعالي  
له فينا صحائف معلّمة  
اقر بفضل من قد سارا  
يعادى الله من عادى وليا  
وحكا القلب ان ينشق لنا  
يبكيك السماء ونيرها  
جبال الارض او كادت تزول  
يبابا يرمى فيها خليل  
فهل لضيءها يوما سبيل  
وحب الخطب داند هلت عقول  
حكيم الامّة العلم الجليل  
فنعمد ليلنا ذاك الدليل  
فقيه الوقت ليس له عدل  
وبالاسرار ينطق اذ يقول  
امام الدهر ليس له مثل  
اليه كل مكرمة تؤول  
ولا عنات الهوى سيف صقل  
بوادها الكين له نور زول  
ويهدينا لها قال الرسول  
كثير ثنائها منا قدير  
ولم يكفر به الا جهول  
له وعدة ابد اذ ليس  
سرايتك في التراب لك القيل  
وهذي الارض هامة تمل

يُبْكِيكَ الْخَارُ وَمَا خَوَّنتَهَا  
يُبْكِيكَ الْبُيُوتُ وَسَاكِنُهَا  
يُبْكِيكَ الْعُزُّ وَوَدَّ رَسْمَهَا  
يُبْكِيكَ السَّنَابِرُ مَوْحِشَاتِ  
يُبْكِيكَ الْعِدَارُ مِنْ مَظْلَمَاتِ  
يُبْكِيكَ الطَّرِيقُ وَسَاكِنُهَا  
يُبْكِيكَ التَّهَجُّدُ بِاللَّيْلِ  
يُبْكِيكَ الْحَقَائِقُ وَالسَّعَا فِي  
يُبْكِيكَ الْأَقَاصِي وَالْأَدَا فِي  
وَيُبْكِيكَ التَّرَمَّانُ لِفَقْدِ خَيْرِهِ  
فَدَا نَسَاكَ أَشْرَفُ مَا بَقِينَا  
تَذَكَّرْنَاكَ آثَارَ كَرَامَةٍ  
إِذَا سَمِعْنَا مِنْ جَدِّائِثِ قَوْمِ  
أَلَا يَا عَيْنَ جُودِي وَاسْتَهْلِي  
فَإِنِّي لِنِإِصَابٍ بِمِثْلِ هَذَا  
فَدَا نَسَاكَ لَوْ كَانَ يَبْقَى  
لِيَهْنِكَ سَيِّدِي فِي كُلِّ يَوْمِ

وَتُبْكِيكَ الْحَزَنَةُ وَالسَّهْوُ  
وَتُبْكِيكَ الْمَعَالِمُ وَالطُّلُوعُ  
وَتُبْكِيكَ الضَّوَابِطُ وَالْأَصُولُ  
وَتُبْكِيكَ الْعَوَاعِظُ وَالْقُبُولُ  
عَلَيْهَا الْيَوْمُ دَائِلَةٌ تَدُولُ  
وَيُبْكِيكَ التَّصَوُّفُ وَالْوُصُولُ  
وَمَجْلِسُ يَوْمِكَ الْحَسَنِ الْجَمِيلُ  
وَتُبْكِيكَ الصَّعَالَةُ وَالنَّقُولُ  
وَيُبْكِيكَ الْأَجَانِبُ وَالْقَبِيلُ  
بِفَقْدِكَ أَيُّهَا الْبَرُّ الْوَصُولُ  
دَائِلَةٌ بَيْنَ أَعْيُنِنَا تَجُولُ  
تَرَكْتُمْ لَنَا وَإِيَّا مَحْجُولُ  
فَدَا كَرَمُكَ فِي مَجَالِسِنَا يَطُولُ  
بِدَمْعٍ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَسِيلُ  
وَإِنْ رَحِيلُهُ لَهْوُ الرَّحِيلِ  
لَكَانَ لِنَاسِهِ ظِلٌّ ظَلِيلُ  
سَلَامٌ عَلَى اللَّهِ وَالْأَجْرُ الْجَزِيلُ

لَهُ الْإِقْدَابُ ١٢ طَرَائِقُ الْقَوْمِ ١٣ التَّكْبِيرُ لِلتَّغْلِيظِ ١٤ انْ فَرَّقَهُ لِهَوِّ الْفِرَاقِ ١٥  
لَهُ فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى تَارِيخِ وَفَاتِهِ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى لَهْمُ فِيهَا فَكْمَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ سَلَامٌ  
فَدَا مَوْجِدَاتُ رَحْمَةِ اللَّهِ

وصلت الی مقام شہود صدق      یحفت بہ نعیم لا یزول  
 فانت لدی الالہ بخیر عیش      وانت لحنیننا سلف سعیل  
 بنفسی روضتہ فی ارض قدس      بہاجدث لہ شرف نبیل  
 زیارتہ الحیاۃ لکل قلب      وتربتہ بہائیشفی العلیل  
 اذا قل الریاض عبیر وریر      فماء الورد عن ذاک البدیل  
 وان اقلت ذکاء فان نجمًا      تلامہ الیل عن افق یزیل  
 فصبر الیال اشرف ان فیکو      نجومًا یھتدی بہم الضلول  
 ومات الذی اھیٰ قلوبًا      بنور مالہ ابدًا اقول  
 علیہ من السھمن کل حین ۴۵      شائب الکرامتہ والطلول

جریح الفواد اضعف العباد ظفر احمد النعمانی الہقانوی کان اللہ لہ عشر شعبان سنۃ ۱۲۲۲  
 تصحیح گزشتہ پرچہ میں موت العالم کے تحت سطر ۴ میں مولانا شبیر علی صاحب کی یاد فرمایا کہ ذکر ذکر کے  
 کیا جائے کہ وہی کب تہ صفت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا مظفر احمد صاحب کو بھی یاد فرمایا مگر وہ بھی نہ تھے مگر یہ کی تا کو پتہ نہ  
 مگر سطر ۵ میں جس بشارت نامہ کا ذکر ہوا وہاں ذکر و نعت کے دونوں ہیں کا واقعہ ہے مولانا مظفر احمد صاحب رقم فرما دیں  
 سو میں پہلے ظہر کے بعد جب حضرت مسلسل باتیں کر رہے تھے اور طبیعت و باقاعدہ معلوم ہوئی تھی اس پندرہ دن میں میں نے  
 قلم لے لیا تو قلم نہ چسکا کیا گیا یہاں تک کہ ایک پڑھ کال کر گزشتہ ہوئی تھی تو تحریر فرمایا اھنیٰ لکم فرج الیہ وجہ الیہ  
 پھر کتب بجا کر یہ تحریر فرمائی اور فرمایا میں نے نہیں لکھی گی اگر پڑھ سکے پھر لکھوں اور میں کی حضرت کو اسے کھڑی  
 ہوئی وہ بڑھ چلا نہ دیکھا نہ بت لفظ اول نہیں پڑھا گیا اسکو بانی ارشاد فرمایا جاؤ فرمایا اھنیٰ لکم مبارک الیہ  
 کی تہ بند فرمایا یہاں خوشی کی بات ہو گزشتہ عبارت میں اس واقعہ کے ذکر کے بعد جو باقی عبارت جو اس کا تصور ہوتا ہے  
 کی نہیں دوسرے لوگوں کی عبارت میں میری قلم سواہم ساہو گیا ہے جس پر مذمت ہے

## مرثية حكيم الأمت شيخ التهانوي

لقد قبضت روح العلي والمكارم  
وقد قبضت روح الفضائل والهدى  
تقى نقي عالم اعلم عالم  
وكان جنيده الوقت نعمان عصره  
وكان خطيبا مصقعا اعى مصقع  
لقد جمع العلمين ظهرا وبطنه  
وقد كان في التفسير اية ربه  
واحى علوم الدين مدة عمره  
تصانيفه سارت بشوق ومخرب  
وصنفها الله ببغى بها الرضى  
بكتفه بلاد الهند حقا جميعها  
وحق على الاسلام والعلم والتقى  
تزعزع ببيان الشريعة والتقى  
وقد مال طوره الفضل من بعد ماضي  
وقد كورت شمس المعارف والتقى  
ومن لم يشاهد موت علم وحكمة  
فمن للفتاوى والمعارف بعده

بموت حكيم الهند اشرف عالم  
بموت امير الهند رأس الأكارم  
وموته والله موته عالم  
وفي البحث كالزنى عند الخصام  
مواظبه مشهورة في العوالم  
لقد مرج البحرين منه لشائهم  
علمي علمه مثل الحيا المتراكم  
وما خاف في مولاه لومة لائم  
وقد بلغت الفافل من مساهم  
وما باع تصنيفا له بالذراهم  
وقد بدلت اعراسها بالماتم  
لفقدك مزارق الدموع السواجم  
ومار بناء الدين واهى الدعائم  
وقد غاض بحر العلم بعد التلاطم  
وقد غاب بدر العلم تحت الغمام  
ألا فليشاهد هكذا غير حالهم  
وتلقين أذكاروا يفاظن آثم

فقد نالك من شأء بعدك فليمت  
ولعيق للعينين بعدك مدمعاً  
فقد نالك مثل الأرض تفقد وبلها  
كفاني حزناً أن تخلفت بعده  
عفاء على الدنيا إذا غاب نورها  
وفينا عزاء والملائكة تشهد  
وقد جدد الحزان رزماً وفنائته  
وذكرني رزماً الحبيب وأنوره  
ولا غرو في هذا فكان مجدداً  
وجدد رسم الدين بعد دروسه  
فيا لمصاب قد أعاد مصائباً  
ولو قبل الموت الفداء لكنته  
وايتمت أهل العلم يا علم الهدى  
واورشتنا علماً وورشتنا أئمة سني

فوزعك رزماً جل من وهو واهم  
وصغرت كل التوازيات العظام  
وكيف حياة الأرض من دون ساجم  
ابكى مع الباكين مثل الحماثم  
وغارت عيون العلم تحت التهام  
على الطائر الميمون يا خير قادم  
وجدد لي رسو الجروح الطواسم  
ورزاً عزيز فقام الليل صائماً  
لملة خير الناس من آل هاشم  
وكان إماماً للوحي لم يزاحم  
رزماً بها في عهدنا المتقادم  
وغارت حياة العلم عيشة ناعم  
فمن ذا الذي ندعو لرغم المخاصم  
ولي منها حظ نصيب المقاسم

١ وهو الشيخ العالم خليل أحمد المحدث المهاجر المدي صاحب بذر المجهود في شرح سنن أبي داود وكان من أساتذة الشيخ محمد ادریس الكاندھلوی .

٢ وهو إمام العصر محمد انور الكشيري شيخ الحديث بجامعة ديوبند الإسلامية وما بهيل وهو أيضاً من أساتذتهم .

٣ والشيخ عزيز الرحمن المفتي كان من كبار العلماء وأستاذ جامعة ديوبند الإسلامية وكان من العلماء الصالحين والشيخ عزيز الرحمن العثماني المفتي كان من أساتذة الشيخ الكاندھلوی رحمهم الله أجمعين .

عليه سلام الله يا قهر أشرف  
 ويؤأ لك الرحمن خير مبعود  
 وأهديك يا نجم الهدى أحسن الدعا  
 جزاك اله العرش خير جزاء  
 ورحمته متروك الجود الغماض  
 وأرغفالك رب العرش أرحم راحم  
 وتسليم مشاق الفؤاد وهما  
 فقد كنت للإسلام أحسن خادهم



٤

# قاری صاحب کے چند معاصرین

## شیخ القرآن حافظ ضیاء الدین الہ آبادی

وطن نارہ ضلع الہ آباد، والد کا نام منشی شیخ عبدالرزاق، ولادت بروز جمعہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ / ۲۵ جولائی ۱۸۷۲ء۔ اپنے چچا منیر الدین احمد سے مروجہ درسی کتابیں پڑھیں، شیخ القرآن عبدالرحمن مکی سے تجوید و قرأت سبعہ و عشرہ کی تکمیل کی۔ تجوید کے مدرس ہو کر مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع جامع مسجد امروہہ تشریف لے گئے۔ امروہہ کے مدرسہ میں مولانا احمد حسن و مولانا عبدالرحمن نے علوم عقلیہ و تعلیمیہ کی تکمیل کی۔ یہیں سے آپ کی شہرت بڑھی۔ پھر آپ ہندوستان کے مشہور مدارس مثلاً تجوید القرآن سہارن پور، مدرسہ عالیہ فرقانیہ بکھنؤ، مدرسہ قراءت القرآن کانپور، مدرسہ فاروقیہ جامع جونپور، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد، مدرسہ عربیہ سرائے میرا غظم گڑھ، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں کافی عرصے تک قیام فرما کر قرآن پاک اور علم تجوید و قراءت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ متقی و پرہیزگار، منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ چونکہ مختلف مدارس میں رہ کر تعلیم دی ہے۔ اس لیے آپ کے شاگرد ہندوستان اور پاکستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بروز شنبہ، ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ کو الہ آباد میں انتقال ہوا۔ آپ کی تالیفات مندرجہ ذیل ہیں :- (۱) ضیاء القراءات اردو میں مختصر و مفید ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۶ء کی تالیف ہے۔ اکثر عربی مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔

(۲) خلاصۃ البیان فی تجوید القرآن۔ عربی میں اختصار و جامعیت کے ساتھ مسائل

تجوید کی تحقیق و تدقیق میں یہ رسالہ بے نظیر ہے ۱۲۳۳ھ کی تالیف ہے۔ تین بار طبع ہوا۔  
قصیدہ رائیہ شاطبیہ کی شرح اردو میں جو نامکمل ہے۔

آپ کے تلامذہ میں مشہور یہ ہیں :-

قاری عبدالمجود برادر خور، قاری محمد زنا بینا، قاری محمد صدیق میمن، حکیم قاری  
عبد الرحیم، حافظ قاری محمد عبداللہ تھانوی مراد آبادی،

پروفیسر غلام مصطفیٰ - (ج ۲ ص ۳۵۶)



## قاری ریاض الدین ناروی

وطن نارہ، والد کا نام قاری حافظ ضیاء الدین، خلف اکبر تھے۔ اپنے والد ہی سے  
علوم سیکھے۔ تجوید و قرأت میں مہارت حاصل کی۔ سب سے قرأت کی تکمیل کی۔ الہ آباد اور لکھنؤ  
میں قرأت کا درس دیتے رہے۔ والد کی زندگی ہی میں بمرچائیس سال، ۱۳۳۶ھ  
میں انتقال ہو گیا۔



## مولانا قاری ضیاء الدین الہ آبادی

”آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ”فاضل جلیل قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی عالم اسلام کے مشہور و معروف قاری عبد الرحمن مکی علیہ الرحمۃ کے شاگرد و رشید تھے، عالم و حافظ تھے۔ قراءت عشرۃ تک کے قاری و مقری تھے، پاک و ہند میں ان کے شاگرد، شاگردوں کے شاگرد اور پھر ان کے بھی بکثرت شاگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ علم و فضل اور تجوید و قراءت میں یہ کمال حاصل ہونے کے باوجود عجز و انکسار کا پیکر اور سادگی کا مجسمہ تھے۔ غیبت سے سخت نفرت تھی، اپنے غایبوں پر نظر رکھتے ہوئے خاتمہ بالخیر کی کہیں وناکس سے دعا کرتے تھے“۔ اے

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں ”واقم الحروف کو علی گڑھ میں ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ اور ان کی ذات بابرکات سے مستفیض ہونے کی توفیق رفیق حال رہی۔ خلاصۃ البیان“ (عربی) اور ”ضیاء القراءت“ دار دو، ان کی مشہور و مقبول کتابیں ہیں۔ اوروہ، لکھنؤ، الہ آباد، علی گڑھ میں کم و بیش پچاس سال تجوید و قراءت پڑھائی۔ لکھنؤ میں مولانا یحییٰ القاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ کا نام انہی کی تجویز پر ”فرقانہ“ رکھا تھا اور وہاں کے یہ پہلے درس تھے۔

جمعہ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ / ۲۵ جولائی ۱۹۷۳ء کو پیدا ہوئے اور شنبہ، ربیع الآخر  
۱۳۹۰ھ / ۵ جنوری ۱۹۷۳ء کو الہ آباد میں انتقال فرمایا۔ ۲

## عصام الدین احمد صدیقی

”وطن نارہ۔ ولادت ۱۳۱۲ھ۔ آپ شیخ القراء حافظ ضیاء الدین احمد صاحب  
کے فرزند دوم ہیں۔ آپ نے قرآن پاک حضرت ہی کی نگرانی میں حفظ کیا۔ امروہہ، لکھنؤ،  
جونپور، کانپور، الہ آباد۔ ان مقامات پر حضرت ہی سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ قراءات  
سبعہ کی تکمیل الہ آباد میں فرمائی۔ اردو میں تجوید کا ایک رسالہ بھی تالیف کیا۔ آج کل مسلم  
یونیورسٹی علی گڑھ میں درس قراءت دیتے ہیں۔“ (ج ۳ ص ۷)

## مُحِبُّ الدِّینِ احمد

” وطن نارہ۔ ولادت ۲۴ شعبان ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء۔ شیخ القراء حافظ ضیاء الدین کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے بھی قرآن پاک والد ہی کی نگرانی میں حفظ کیا۔ متداولہ علوم کی تحصیل کے لئے امر وہ قشریف لے گئے۔ واپسی پر شیخ القراء محمد عبد الرحمن مکی الہ آبادی سے تجوید و قرأت سبعہ بطریق تیسیر و شاطبیہ و قرأت عشرہ بطریق درہ و طیبہ کی تکمیل فرمائی مگر حضرت کے ارشاد کی بناء پر اپنے والد بزرگوار سے سبعہ و عشرہ کی سند حاصل فرمائی۔ والد کے زمانہ حیات ہی میں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حضرت کی جگہ مدرس ہوئے اور اب تک وہیں رونق افروز ہیں۔ جامع کی امامت و خطابت کے فرائض بھی آپ ہی انجام دیتے ہیں۔ روایتِ حفص کی سند ۱۳۴۱ھ میں اور سبعہ کی ۱۳۴۲ھ میں اور عشرہ کی ۱۳۴۵ھ میں۔

تجوید و قرأت، فنی رسم الخط اور فن وقف و ابتداء میں بارہ تیر و کتابوں کے مؤلف ہیں یہ جملہ کتابیں سلیس اور عام فہم اردو میں محققانہ مباحث پر مشتمل اور نہایت مفید و مقبول ہیں ان میں سے بہت سی کتابیں داخلِ نصاب ہیں۔ آپ اپنے والد کے سچے ہاشمین ہیں۔“

## مستجاب الدین احمد

” وطن نارہ۔ ولادت ۱۳۱۱ھ۔ آپ شیخ القراء حافظ ضیاء الدین احمد کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک حضرت والد صاحب سے حفظ کیا۔ بعد ازاں قرأت سبعہ کی تکمیل کی۔ پھر متعدد مقامات پر تجوید کے مدرس رہے۔ آج کل کلکتہ میں مدرسہ عظمتیہ میں شیخ التجوید ہیں۔ بہت اچھا پڑھتے ہیں۔“ (ج ۳ صفحہ ۵)

## شیخ القراء حافظ محمد سلیمان دیوبندی

”وطن دیوبند۔ والد کا نام منشی فضل حق صاحب۔ ولادت ۱۳۱۱ھ میں جوئی آباد جا کر  
شیخ القراء حافظ ضیاء الدین صاحب صدیقی سے تجوید و قرأت سبعہ کی تکمیل ۱۳۴۱ھ میں کی  
مختلف مدارس میں مدرس رہے۔ ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ التجوید مقرر  
ہوئے جہاں ۲۲ سال سے برابر کام انجام دے رہے ہیں۔

ب۔ مقدمہ جزیریہ کی مختصر اردو شرح بھی جو شائع ہو گئی ہے۔ شیخ القراء حافظ ضیاء الدین  
کے رسالہ خلاصۃ البیان فی تجوید القرآن پر جو عربی میں ہے عربی میں حاشیہ تحریر فرمایا۔ یہ  
حاشیہ منوز طبع نہیں ہوا ہے۔ نہایت مفید اور صحیح حاشیہ ہے جس کو شیخ القراء حافظ ضیاء الدین  
صاحب نے از اول تا آخر ملاحظہ فرما کر مستحضر فرمایا کہ اپنی قلم سے اس کی نقل کر کے اپنے  
پاس رکھ لی تھی جو آج کل مقری ائمہ حسن صاحب کے پاس ہے ۱۳۸۶ھ میں انتقال ہو گیا۔  
(ج) آپ کے دو تالیف کردہ رسالے رہنمائے تجوید و ضیاء التجوید طبع ہو چکے ہیں مدج ص ۱۱

## شیخ القراء سید عبدالحق مہاجر مکی

”عشرہ کے زبردست قاری سفرۃ سید عبدالحق صاحب مہاجر مکی تھے۔ آپ اصلاً فیض آباد  
(اتر پردیش) کے رہنے والے تھے والد کا نام سید کفایت اللہ تھا۔ عذر کے بعد حالات نامساعد  
ہونے کی وجہ سے ہجرت کر کے مکہ چلے گئے۔ وہیں علوم کی تکمیل کی بڑے اچھے ادیب تھے  
عربی فارسی، اردو و ترکی کے ماہر تھے۔ یہ چاروں زبانیں بڑی روانی سے بولتے تھے۔ اور  
ان میں شعر کہتے تھے۔ قرأت عشرہ کی تکمیل سید حبیب الرحمن کاظمی مدنی سے کی جن کا انتقال

سید عبدالحق صاحب نے مکہ معظمہ ہی میں شادی کی۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا تولد ہوا۔ لڑکے کا نام سعید تھا۔ لڑکی کی شادی قاری محمد اسحاق صاحب سے ہوئی۔ شیخ القراء عبدالحق صاحب نے دہاں مدرسہ فخریہ قائم کر کے درس و تدریس شروع کی ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد آئے اور افسر الملک کی مسجد میں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ جب حضور نظام نے حمایت سوینگ ہاتھ کا افتتاح کیا تو اس وقت قاری صاحب نے ان کی مدح میں ایک عربی اور ایک فارسی قصیدہ پڑھا۔ حضور نظام نے مدرسہ کے نام تین سو روپے ماہوار کی امداد جاری کی۔ خود قاری صاحب کو ایک سو روپے اور ان کے فرزند سعید کو پچاس روپے ماہوار تاحیات منصب جاری کیا۔ ایک سال حیدرآباد میں رہ کر قاری صاحب ۱۳۳۶ھ میں واپس تشریف لے گئے۔

ب۔ حضرت کا انتقال ۱۳۳۹ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا۔ جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے ان کے انتقال کے بعد ان کے داماد محمد اسحاق صاحب نے مدرسہ فخریہ سنبھالا۔

حیدرآباد کے ایک سال کے قیام میں قاری عبدالحق صاحب نے بہت سے شائقین تجوید و قرأت سے قرآن مجید سنا، عشرہ سے ختم کرنے والوں میں چار نام بہت ممتاز ہیں۔

۱۔ شیخ القراء میر روشن علی صاحب

۲۔ مقری منیر علی صاحب

۳۔ مولانا قاری عبدالعزیز صاحب مدیقی

۴۔ مقری ڈاکٹر سید کلیم اللہ حیدری صاحب

(رج ۱ ص ۲۲)

## قاری محمد اسماعیل امرتسری

”مولد کھنڈہ ضلع مردان۔ حفظ کے بعد قاری خدا بخش اور قاری کریم بخش سے تجوید سیکھی۔ پھر امر وہہ جا کر قاری محمد نذر صاحب سے شاطبی پڑھی۔ پھر قاری عبدالہامک سے استفادہ کرتے رہے۔ بعد ازاں مراد آباد جا کر قاری محمد عبداللہ سے استفادہ کیا۔ سببہ و عشرہ قرأت کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں امرتسر میں کام کرتے رہے۔  
اب لاہور میں مقیم ہیں“ لے



## مولانا قاری محمد اسماعیل مرانی

آپ کھنڈہ تحصیل صوابی ضلع مردان کے رہنے والے ہیں۔ یہیں ۱۹۱۰ء کے قریب پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام محمد گل دم ۱۹۲۶ء ہے۔

ابتدائی تعلیم مولوی محمد منیر دم ۱۹۲۶ء سے حاصل کی۔ موصوف فارسی اور عربی دان تھے۔ پھر ہال بازار چوک بجلی، محلہ نیم والہ امرتسر میں قاری عبدالکریم کشمیری ۱۹۲۹ء سے سورہ فاتحہ تک حفظ کیا۔ چوک فرید میں حضرت قاری کریم بخش صاحب کے ہاں بارہ سال تک پڑھتے رہے۔ پہلے مکمل حفظ کیا، پھر روایتِ حفص اور اسکے بعد قراتِ سبعہ کی تکمیل کی۔ اعلیٰ تعلیم قراتِ عشرہ کی تکمیل قاری عبداللہ مراد آبادی سے کی اور سند حاصل کی۔

درسِ نظامی کی تکمیل مدرسہ نعمانیہ میں مولانا مفتی عبدالرحمن ہزاروی فاضل دیوبند سے کی۔ وہ امرتسر میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔

۱۹۴۶ء میں دورہ حدیث مولانا مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا مفتی عبدالرحمان ہزاروی

لے قاری عبدالکریم کشمیری اسلامیہ کالج امرتسر میں معلم رہ چکے تھے۔ ان کو دس روپے پنشن بھی ملتی تھی

کشمیری لباس پہنے، کھلا پاجامہ پہنا کرتے تھے، پختہ حافظ تھے۔ ۱۹۲۶ء میں دماں ہوا۔

۲ استاد القراء قاری عبداللہ مراد آبادی کا دماں ہیضہ سے ہوا۔ وہ اور ان کا خاندان اسی کا

فسکار ہو کر ختم ہو گیا۔

سے پڑھا۔ اسی کے ساتھ اپنے استاد قاری کریم بخش کے مدرسہ چوک فرید میں تدریس بھی کرتے تھے۔ یہ مدرسہ حضرت مفتی صاحب کی زیر نگرانی چلتا تھا۔

علم طب کی تحصیل حکیم فقیر محمد، عبدالقادر اور نور الدین سے کی۔ پاکستان کے قیام پر لاہور چلے آئے اور پہلے سال مدرسہ رحیمہ نیلا گنبد لاہور میں حفظ اور تجوید کی تدریس کی۔ پھر اولپنڈی میں کچھ عرصہ مطب کیا۔ اسی دوران آپ کو حضرت قاری کریم بخش صاحب کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا، جس میں لکھا تھا کہ ”تمہیں کیا اس لیے پڑھایا تھا کہ دوائیں بیجو“ اسے پڑھتے ہی آپ نے مطب چھوڑا اور حضرت استاد کی خدمت میں لاہور پہنچے۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت قاری صاحب نے مسجد چینیالوالی میں آپ کو شعبہ تجوید کا استاد مقرر کروادیا۔ ۹ سال تک آپ نے صدر شعبہ تجوید کی حیثیت سے تدریس کی۔ پھر مسجد تکیہ سادھواں میں تین سال تک پڑھاتے رہے۔

اپنے مدرسہ کا قیام پھر آپ نے بیرون شاہ عالم لاہور میں حفظ، تجوید کے شعبوں کا ایک مدرسہ خود قائم کیا جو بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

تلامذہ آپ کے تلامذہ میں حفاظ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

روایتِ حفص کی تکمیل کرنے والے قاری حضرات کی تعداد بھی ایک سو سے زائد ہے

قرأتِ سبعہ و عشرہ پڑھ کر فارغ ہونے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ان میں استاد القراء

حافظ قاری محمد شریف بانی دار القراء جامع بی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور اور قاری غازی اللہ

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نیز قاری احمد دین، عبدالقوی، محمد حنیف ملتانی، نور محمد، عبدالجید

بھاکری، قاری شکیل احمد قاری ریڈیو، قاری عبدالرحمن قاری ریڈیو بھی شامل ہیں۔

قاری محمد شریف صاحب نے سبعہ عشرہ کی تکمیل بطریقِ درہ آپ سے کی ہے۔



## تصانیف ۱۔ الاقوال الامدادیة علی مقدمة الجزیة۔ (عربی)

۳۰۰ صفحات ، مطبوعہ

۲۔ احسن الاقوال علی تحفۃ الاطفال (عربی) مطبوعہ

۳۔ قواعد التجوید (عربی قاعدہ) مطبوعہ

۴۔ تفہیم التجوید (اردو) مطبوعہ

۵۔ تفہیم الوقوف (اردو) مطبوعہ

۶۔ حروف القرآن زیر ترتیب

اولاد تین فرزند قاری حافظ امداد اللہ ایم اے ، حافظ قاری فدا اللہ قاری سب سے اولاد

حافظ قاری محمد ارشاد اللہ ہیں۔

صوفیانہ مسلک حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور

ان سے اصلاح باطن کرواتے رہے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبد الغفور نقشبندی

(خلیفہ مجاز مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری) ہزاروی سے بیعت ہوئے۔ بعد میں حضرت نے

آپ کو بیعت کرنے کی بھی اجازت عطا فرمادی تھی۔ آپ ان کے خلیفہ مجاز ہیں۔

## حافظ قاری محمد حسن صاحب صدیقی امروہی

مہ وطن امروہہ۔ قرآن پاک امروہہ کے مدرسہ حفاظ میں حفظ کیا۔ حکیم مقرر علیہ السلام  
خان صاحب امروہی سے تجوید پڑھتے رہے۔ پھر استاد کے ہمراہ کانپور پہنچ گئے۔ پھر لکھنؤ  
پہنچے مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مکی مبین نگھی سے تجوید و قرأت  
کی تکمیل کر کے اسی مدرسہ میں مدرس ہو گئے تھے۔ پھر مدرسہ فلاح دارین مراد آباد میں تجوید و  
قرأت کے مدرس مقرر ہوئے۔ شاہی مسجد مراد آباد میں امامت و خطابت کی خدمت بھی  
انجام دیتے رہے۔ مراد آباد سے رنگون اور رنگون سے مولین رجو برما کا ایک مشہور تجارتی  
شہر ہے، گئے وہاں سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور ڈابھیل سے قلات روانہ ہو گئے۔ آج  
کل شاہی جامع مسجد قلات میں خطیب ہیں۔

(ب) بہت ہی خوش الحان اور بختہ مشق قادی ہیں۔ ایسی ریلی آواز سہاروں میں ایک آدھ  
ہی کو عطا ہوتی ہوگی۔ شیخ القراء حافظ محمد صدیق صاحب مکی مبین نگھی سے جس قدر پیچھے  
اور سیکھے ان سب کی ادائی پر قدرت رکھتے تھے۔ اپنے استاد کا مکمل نمونہ ہیں۔ ہجہ نقل کرنے  
میں ایسا ملکہ حاصل ہے کہ ایک بار سنکر بالکل اسی طرح دہرا دینا ان کے لئے معمولی سی  
بات ہے۔

خوبی یہ کہ تمیز نہیں ہو سکتی کہ اصل شخص پر طہ رہے یا اس کی نقل کی جا رہی ہے۔  
مولانا سید محمد یوسف بنوری کہتے ہیں: افسوس کہ ہمارے محترم قاری محمد حسن  
صاحب امروہی نے جمعات ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ / ۱۹ جون ۱۹۷۵ء صبح کو  
داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم قاری محمد صدیق بنگالی استاد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے شاگرد تھے

## حافظ محمد صدیق مکی

”آپ کے والدین ضلع میں شگہ بنگال کے باشندے تھے، ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ محمد صدیق کی پیدائش اور تربیت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ مدرسہ مولیتہ میں شیخ القراء محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی کی زیر نگرانی قرآن پاک حفظ کیا، روایت حفص کے ساتھ تجوید کی تکمیل کی۔ بچہ خوش الحان تھے، بے شمار عربی لہجوں کے ماہر تھے۔ ایسا خوش الحان قاری جو بے شمار لہجوں کا جاننے والا ہو ہندوستان میں نہ ہو گا۔ خصوصاً عشاق لہجہ سے تلاوت میں آپ کا نظیر نہ تھا۔ مولانا ضیاء الدین شیخ القراء نے ایک وفد جب آپ کو بلا کر تلاوت سنی اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ حضرت نے ترغیباً سبوعہ و عشرہ کی تکمیل کا مشورہ دیا تو آپ نے مدرسہ میں شریک ہو کر تھوڑے ہی عرصہ میں تکمیل فرمائی اور مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں مدرس ہو گئے۔ آخر عمر تک تجوید و قرأت کی خدمت انجام دی۔ آپ حسن صوت کے ساتھ حسن صورت اور حسن سیرت کے بھی حامل تھے۔ ہر شخص کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ حسن اخلاق، تہذیب و شائستگی کے پیکر مجسم تھے۔

آپ نے اور آپ کے ساتھ مقری عبدالجود اور مقری محمد نذر اعلیٰ نے عشرہ کی تکمیل بطریق

درہ و طیبہ شیخ القراء عبدالرحمن مکی سے کی۔ شاگردوں کی کثیر تعداد ہے۔ (۲۳۳)

# مولوی قاری کریم بخش

۱۳۰۸ — ۱۳۸۱ھ

”آپ ۱۳۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ پبلی بھیت کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب کا نام شیخ الہی بخش ہے اپنے وطن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر بھیت سے قصبہ جلال آباد تشریف لے گئے۔ یہ دونوں جگہ شاہجہان پور میں ہیں۔ پھر مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں فارسی و عربی درسیات کی تکمیل کی۔

یہیں قاری محمد صدیق مبین سنگھ سے پہلے ایک روایت سے ادر پھر سبقت قرأت سے قرآن شریف سنایا۔ انہی سے سب سے عشرہ کی تکمیل کی۔

۱۳۲۷ھ میں امرتسر گئے۔ قاری خدا بخش نے اپنی جگہ پر لا کر بٹھایا شیخ بوڑھے کی مسجد میں پڑھاتے رہے۔ چوک فرید کی مسجد کو قوال میں امامت کرتے رہے یہاں ۱۵ سال کے قریب تدریس کی پھر مدرسہ رحمانیہ کو چہ بدرائوں امرتسر حاجی محمد اسحاق کے مدرسہ میں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان پر لاہور آ گئے اور یہاں کرشنا گلی بانسوالا بازار میں گلی کی تجارت کے ساتھ اپنی دکان میں آخر وقت تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں اور تجویز قراءت کے بہت سے مدارس کے متھن مقرر ہوئے تھے۔

ممتاز تلامذہ :- آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں مولانا مفتی محمد حسن بانی جامعہ

اشرفیہ، لاہور۔

حافظ قاری فضل کریم بانی مدرسہ تجوید القرآن، کوچہ کنڈیگراں، موتی باغ

لیکن اپنی خداداد قابلیت اور موزونیت طبع سے حسن تجوید اور حسن تلاوت کے اس مقام پر پہنچے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا مؤثر پڑھنے والے قاری کو کبھی نہیں دیکھا۔ نہایت وقار و خشوع کے ساتھ دردناک آواز میں اس انداز سے تلاوت فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن آج نازل ہو رہا ہے۔ خصوصاً فجر کی نماز میں سننے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ وہ دنیا و مافیہا سے غائب ہو جاتے تھے۔ رنگون، راندیر، سوات اور ریاست قلات میں زندگی گذاری۔ آخری زندگی کراچی میں گزری۔ افسوس کہ اپنا کوئی شاگرد رشید ایسا نہیں چھوڑا جس سے ان کی یاد تازہ ہو، طبیعت میں انتہائی ظرافت تھی۔ خوش مزاج، مریخاں مریخ تھے، ان میں محاکات کا مادہ غضب کا تھا جب کسی کی نقل اُتارتے تو اصل سے یہ نقل بڑھ جاتی تھی، کبھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بعد عصر تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کی آدھت اچھی خاصی محفل قرات آراستہ ہو جاتی تھی۔ طلبہ سے قرآن سناتے اور خود بھی سناتے اچھے پڑھنے والوں کے بڑے قدردان تھے اور ان کی قرات سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔

رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ و رفع و سما جاتہ فی مقعد صدق عند

میلید مقتدر " لہ

## مقبری حافظ محمد نذر بابینا مروہی

وطن مروہہ - ولادت ۱۳۰۵ھ شیخ القراء ضیاء الدین احمد سے مروہہ میں حفظ کیا۔ بعد ازاں تجوید و قرأت سب سے عشرہ کے درسیات کی تکمیل کی۔ علوم متداولہ بھی سیکھے آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ قرأت کی جملہ کتابیں از بر تھیں۔ بے تکلف ان سب کتابوں کا درس دیا کرتے تھے۔ بہت خوش الحان اور جہیر الصوت تھے۔ عربی لب و لہجہ کے ساتھ بڑی خوبی سے تلاوت کرتے تھے۔ تحصیل تکمیل کے بعد گجرات، سوات وغیرہ میں مدرس رہے۔ مگر ہمیشہ استاد کی معیت مقصود رہی۔ جب حضرت جوہر گئے تو حضرت ہی کی خدمت میں رہنے کی خواہش کی۔ چنانچہ حضرت نے آپ کو وہیں طلب کر کے مدرسہ فاروقیہ میں مدرس کی خدمت پر مامور کر لیا۔ جب شیخ القراء عین القضاۃ کی طلبی پر لکھنؤ گئے تو آپ بھی چند روز کے بعد بلائیے گئے۔ آخر عمر تک اسی مدرسہ میں درس و تدریس میں مصروف رہے۔ بالآخر بمقام لکھنؤ ۱۳۶۵ھ میں انتقال ہوا۔ شیخ القراء حافظ عبدالرحمن مکی کی قبر سے بائیں جانب دفن کیا گیا۔ آپ نے تجوید میں ایک مختصر رسالہ اردو میں ارقام فرمایا جو مبتدیوں کے لئے مفید اور ان کی استعداد کے مطابق ہے

- (۱) تحفۃ الاطفال (۲) مقدمہ جزیریہ کی اردو مشرچیں — یہ دونوں غیر مطبوعہ ہیں۔
- (۳) سراج القراءت فیمنہ ضیاء القراءت اردو مطبوعہ (۴) المعالی الجلیلہ شرح عقیدہ (۵) شرح طیبۃ النشر — یہ بہت مقبول ہوئی۔ کتب خانہ فخریہ مراد آباد سے ملتی ہے۔
- (۶) محمد عبداللہ صاحب کا انتقال ۱۳۶۳ھ میں مراد آباد میں ہوا۔ وہیں دفن ہوئے۔
- دس سال کے بعد ۱۳۷۳ھ میں کثرت سے بارش ہوئی۔ قبرستان میں پانی آگیا۔ کئی قبریں بہہ گئیں اور بعض قبریں کھل گئیں۔ قاری عبداللہ صاحب کی قبر بھی سرمانے کی جانب سے کھل گئی تو اکثر لوگوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ چہرہ بالکل تروتازہ تھا: (ج ۲ ص ۳۴۴، ۳۴۵)

## قاری مولانا حیدر حسن ٹونکی

”وطن ٹونک، والد کا نام احمد حسن، ملقب بہ ولیہ بخت، ولادت ۱۲۹۰ھ میں ہوئی ابتدائی علوم ٹونک میں سیکھے، پھر کھنوجا کران کی تکمیل کی۔ قاری عبدالرحمن مکی سے تجوید و قرأت سیکھی۔ مدرسہ ندوۃ العلماء میں شیخ الحدیث ہوئے ۱۳۵۵ھ میں واپس ٹونک آئے، شیخ الحدیث عبدالخالق صاحب کو ساتھ لائے۔ ان کی وجہ سے ٹونک میں بہت سے سبب و عشرہ کے قاری ہوئے۔ وفات ۱۳۶۳ھ میں ہوئی۔“ (ج ۲ ص ۳۴۶)

# مولانا حافظ قاری مفتی محمد تقی انصاری فرنگی محلی

۱۹۰۶ ~ ۱۹۷۷

۴۔ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ملا نظام الدین محمد بانی مدرس نظامی کی اولاد میں سے ہیں۔ تیرہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور ۱۳۳۹ھ میں پہلا محراب شایاں ۱۳۴۰ھ میں نارسخ التخصیص بھی ہوئے اور اپنے والد ماجد محمد عبداللہ بن عبدالحلیم کے دست مبارک پر قادریہ سلسلہ میں بیعت کی اور بعد کو خلافت بھی پائی۔ ۱۳۶۱ھ میں شیخ عبدالقادر توفیق الشبلی الطرابلسی الشامی ثم المدنی سے بھی سند حدیث حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر غلام محمد کہتے ہیں: وہ مولانا کو قرآن پاک اور ذات محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے عشق تھا۔ اس لئے انہی دونوں موضوعات کی علمی خدمات کا شرف حاصل رہا۔ قرآن پاک کے آداب تلاوت پر ایک رسالہ احکام القرآن میں ایک کتاب، سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کی تفسیر وغیرہ لکھی۔ سیرۃ محبوب طبری کا ترجمہ کیا اور سجل الصوفاء علی سید الکائنات کے زیر عنوان درود شریف کا مجموعہ مرتب فرمایا۔ مگر سب سے بڑا اور اہم کارنامہ مولانا کا سلیس اور با محاورہ ترجمہ قرآن اور اس کے ساتھ انوکھے حواشی ہیں۔ اس رکن ایمان ترجمہ قرآن کے بارے میں مولانا عبدالباری ندوی ارقام فرماتے ہیں۔

”ترجمہ لفظی نہیں محاورہ کا ہے، تو سیر کی مدد سے مطالب کو اور بھی کھول دیا گیا ہے نیز قلم ماشاء اللہ سلفی فرنگی محلی ہے۔ اس لئے تجدد کی کبھی ضلالت کا کیا جمہور امت کے خلاف کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بے احتیاطی کا بھی احتمال نہیں ہے کھلے عوام و خواص سب مستفید ہو سکتے ہیں۔“

سہ۔ آپ کے اس ترجمہ پر مولانا حلیم عطا، مولانا عبدالمجید دریابادی، مولانا قمر الدین چلوہ اری امیر شریعت بہار مولانا عبداللہ عباس ندوی رابعہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور مولانا محمد یوسف نبوری کی آراء شامل ہو چکی



لاہور۔ سہ

قاری عبداللہ گوجرانوالہ، حافظ قاری طفیل امرتسری، قاری عبدالغنی مرحوم،  
قاری عبدالولی بہاولپوری۔ قاری عبدالرؤف، قاری بشیر احمد قاری شفیق گوجرانوالہ  
اور مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب بانی مدرسہ تجوید چوک شاہ عالم لاہور ہیں۔  
وصال : ۱۲ دسمبر ۱۹۶۱ء / ۱۳۸۱ھ بروز منگل وصال ہوا۔ قبر میاں شریف لاہور  
میں ہے۔

اولاد :- یکے بعد دیگرے پانچ نکاح کئے چار بیویوں سے اولاد ہوئی مگر فوت ہو گئی  
آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا فرمایا، اس کا نام عطاء الکیم ہے، حافظ قاری اور  
جامعہ شرفیہ لاہور کے نازع ہیں۔  
پہلی بیوی سے صرف ایک لڑکی ہیں۔

---

۱۔ تفصیل کے لئے راقم کی مرتبہ سوانح حضرة قاری فضل کریم کا مطالعہ کیجئے۔  
کہ قاری طفیل امرتسری کے والد کا نام حاجی عبدالرحمن ہے خوشنویس تھے۔ اس سے  
قاری کریم بخش صاحب نے روکا۔ مکہ مکرمہ گئے درجہ کئے۔ وہیں مکہ اور مدینہ میں دو سال رمضان  
میں قرآن مجید سنایا، وزیر خاں کی مسجد میں پڑھاتے رہے پھر مبین مسجد کراچی میں خطیب  
رہے۔ حیدر آباد میں ہیں۔ خوش الحان اور بلند آواز والے ہیں یہ اور قاری فضل کریم  
صاحب ۱۹۲۸ء کے نازع ہیں۔ قاری فضل کریم صاحب نے اہل بیت امتحان لکھنؤ جاکر حضرت  
قاری عبدالرحمن مکی کو دیا تھا اور کامیاب ہوئے تھے جب کہ دوسرے ساتھیوں نے  
امرتسری امتحان دیا تھا۔

## شیخ القراء حافظ محمد عبداللہ قاری عشرہ

موضع لوہاری ضلع مراد آباد کے باشندے تھے۔ والد کا نام جیون علی۔ تھانہ بھون اور پھر مراد آباد میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی۔ آپ بہت ذہین، ذکی اور قوی الحافظ تھے۔ قاری حضرت ضیاء الدین الہ آبادی کی نگرانی میں تجوید و قرأت سب سے عشرہ کی تکمیل کی۔ نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ سمجھنے کے بعد مدرسہ رحمانیہ محلہ پیر غائب مراد آباد میں مدرس ہوئے۔ امامت و خطابت بھی فرماتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ امدادیہ مراد آباد منتقل ہوئے۔ پھر مدرسہ شاہی مراد آباد کے صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ اسی مسجد میں امامت و خطابت کی خدمت بھی انجام دی۔

(ب) آپ سے بے شمار طلبہ فیض یاب ہوئے۔ جملہ امام و راویان سب سے عشرہ کے وجود اختلافات و طرق نوک زبان تھے۔ اور ان پر عبور کامل تھا۔ قرأت سب سے عشرہ بطریق درہ و طیہ شیخ القراء حافظ ضیاء الدین سے پڑھیں۔ حضرت شیخ القراء مولانا عبد الرحمن مکی الہ آبادی نے بھی اپنی طرف سے اجازت مرحمت فرمادی۔

(ج) محمد عبداللہ نے مراد آباد میں غیر معمولی برد و محنت سے علمی حاصل کر لی تھی۔ سیاسی اور دینی امور میں ہندو مسلمان سب آپ کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ علوم تجوید و قرأت اور رسم الخط عثمانی میں آپ کی تالیفات کی فہرست ذیل میں درج ہے :-

۲۰ مئی ۱۹۷۷ء کو داصل بحق ہوئے۔ اور دو لاکھ کے قریب حضرات نے انہی

ناز جنازہ میں شرکت کی۔ ۱۔

مولانا سید احمد اکبر آبادی کھتے ہیں۔

”مئی میں ہندوستان کے دو اور بلند پایہ علماء کا بھی انتقال ہو گیا۔ ایک مولانا شاہ  
عزیز الدین صاحب مجیبی اور دوسرے مولانا مفتی غایتی احمد فرنگی محلی۔ مولانا فرنگی محلی  
فرنگی محل کے کارواں بہار کی آخری نشانی تھے۔ بلند پایہ عالم اور بڑے فاضل بزرگ  
تھے۔ فرنگی محل کے مفتی تھے اور اسی کے مدرسہ میں جواب برائے نام رہ گیا ہے درس و تہام  
کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ گوشہ نشین اور قناعت پیشہ بزرگ تھے۔“ ۱۔

## قاری حافظ عبداللطیف آلہ آبادی

”وطن الہ آباد، والد کا نام حاجی خدابخش، ولادت ۱۳۰۶ھ، کم عمری میں والدین  
کا سایہ اٹھ گیا۔ بھائی کی سرپرستی میں پڑھتے رہے۔ حفظ کی تکمیل احیاء العلوم میں حافظ خیر محمد  
سے کی۔ تجوید میں پہلے بردایت حفص اس کے بعد سابعہ اور پھر عشرہ قرأت کی تکمیل قاری  
ضیاء الدین احمد صاحب سے اور پھر شیخ القراء عبدالرحمن بک سے کی۔ آپ کے ہم درس  
قاری عبدالملک اور قاری محمد زرتھے اب جنرل مرچنٹ کی شخصیت سے تجارت کرنے  
ہیں۔“

۱۔ ڈاکٹر غلام محمد فرنگی محل کا آخری چراغ الحق، اکوڑہ ج ۳، شمارہ ۱، ۲۳

۲۔ مولانا سید احمد اکبر آبادی نظرات، بریل، ج ۱، شمارہ ۶، ۲۳

# حضرت قاری صاحب معاصرین کی نظر میں

از: قاری محمد مجسم اشتر

شیخ القرآن حافظ عبدالمالک علی گڑھی

”آپ شیخ القرآن حافظ عبدالحق علی گڑھ کے چھوٹے بھائی، والد کا نام شیخ جیون علی۔ ولادت بمقام علی گڑھ ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ ۱۳۱۳ھ میں والدہ کے ساتھ حج کو گئے۔ مدرسہ مولیٰ مکہ معظمہ میں ایک عرصہ تک تعلیم پاتے رہے۔ بروایت سیدنا حفص قرآن شریف ختم کیا۔ ۱۳۲۰ھ میں بڑے بھائی سے ایک سال قبل واپس ہندوستان آگئے۔ ۱۳۲۱ھ میں عبدالحق بھی واپس ہو گئے۔ سہارن پور کے ایک جلسے میں دونوں بھائیوں نے قراءت سنائی۔ تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوئے۔ ۱۳۲۳ھ میں دونوں بھائی مدرسہ تجوید القرآن میں مامور ہو گئے۔ تین سال تعلیم دینے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں عبدالمالک ترک ملازمت کر کے تھانہ بھون چلے گئے۔ ۱۳۲۹ھ میں آگرہ آئے۔ تدریس کی۔ پھر بریلی

ٹونک اور لکھنؤ جا کر مدارس میں طلبہ کو فیض پہنچاتے رہے۔ ۱۳۳۶ھ و ۱۳۳۷ھ میں الہ آباد جا کر شیخ القرآن عبد الرحمن مکی سے عشرہ کی تکمیل کی۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں بہت عرصے تک خدمت انجام دی۔ مولانا جید حسن خان صاحب شیخ الحدیث ندوہ آپ کو اپنے ساتھ ۱۳۵۵ھ میں ٹونک لے گئے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان چلے گئے۔ لاہور میں شیخ التجوید تھے۔ ۱۳۶۰ھ میں بھائی کے انتقال کی خبر سن کر سہارن پور آئے تھے۔ واپسی کے بعد انتقال ہو گیا۔ شیخ القرآن عبدالمالک صاحب نہایت خوش الحان اور بے شمار عربی لہجوں کے ماہر اور جامع تھے۔ حسینی

لہجہ، مصری لہجہ، عشاق لہجہ اور خصوصیت سے مایہ لہجہ زیادہ پڑھتے تھے۔ آپ نے فوائد  
 مکیمہ پر نہایت عمدہ ماحشیہ اور قلم فرمایا ہے جس کا نام تعلیقاتِ ماکیمہ ہے۔ ہندوستان اور  
 پاکستان میں آپ کے شاگرد و بختِ ہیں۔ ان میں سے ممتاز چند نام جن سے میں نے ملاقات  
 کی ہے یہ ہیں :- ۱) قاری حافظ عبدالعزیز اکبر آبادی (۲) قاری حافظ حبیب اللہ قاری عشرہ  
 جواب ٹونک سے پاکستان چلے گئے (۳) قاری صبغتہ اللہ ٹونکی، قاری مولا بخش ٹونکی (۴) قاری  
 امیر احمد صوفی ٹونکی (۵) قاری محمد سالح قاری عشرہ، شیخ التجوید مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ، قاری محمد منیر  
 لکھنؤی۔

ایک دفعہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ ”قاری صاحب پر جلال کا غلبہ رہتا تھا۔ اس لیے کہ آپ اللہ کے کلام کے حامل تھے۔ اور اس کے حامل بھی تھے۔“

مولانا احتشام الحق تھانویؒ جو حضرت قاری صاحب کے بیحد مداح اور معتقد تھے، ایک مرتبہ اپنی مخصوص مجلس میں جو نماز جمعہ کے بعد ان کے کمرے میں منعقد ہوتی تھی، قادی عبد الباسط صاحب کی تلاوت کا ٹیپ چل رہا تھا اور سب لوگ انہماک اور شغف کے ساتھ محو سماعت تھے، اسی دوران قاری صاحب بھی تشریف لے آئے، ان کی تلاوت سے وہ بھی محفوظ ہوتے رہے۔ تلاوت ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب نے پوچھا کہ حضرت! ان کی تلاوت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے کچھ قائل کے بعد فرمایا۔ ”قادی عبد الباسط صاحب بلا شک آواز اور سانس کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی تلاوت میں بے شمار فنی تسامحات موجود ہیں۔ مثلاً قاری صاحب موقوف نے **وَمَا آذَنُكَ مَا يَوْمَ الْحَجِّ** کو امارہ کرتے ہوئے بجائے الف کے امارہ یا ئے ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ فاش غلطی ہے۔ اسی طرح وہ حروف سوا کن کو متحرک کر کے پڑھتے ہیں وغیرہ۔“  
(قاری عبد الرحمن صاحب)

مولانا عین القضاۃ صاحب قاری نذر محمد صاحب سے تراویح میں اور قاری صاحب سے تہجد میں سنتے تھے، اپنے ارادتمندوں سے پوچھتے کہ تمہیں کس کی تلاوت میں زیادہ لطف آتا ہے؟ وہ بتاتے کہ قاری عبد الامان صاحب کی۔ فرماتے کہ ”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

آپ کی تلاوت سے قرآن پاک کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے۔“  
(مفتی محمد حسن)

”قرآن پاک کو اس کے معانی میں ڈوب کر پڑھنا یہ آپ کا ہی حصہ ہے“ معانی  
و مفاہیم کے لحاظ سے آواز کا زیر و بم اس بات کا غماز ہوتا تھا کہ پڑھنے والا اپنی آواز کے  
نشیب و فراز سے ان مفاہیم کو باحسن طریق ظاہر کر رہا ہے۔

(مولانا آزاد)

رفع مسیح مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تقریر کا موضوع تھا، جامعہ اشرفیہ لاہور  
کے جلسہ تقسیم اسناد منعقدہ جامع نیلا گنبد میں قاری صاحب نے سورہ آل عمران  
کی آیات اِذْ قَالَ اللّٰهُ يُعِيسٰى اِنِّیْ مُتَوَدِّعُکَ تلاوت فرمائیں تو مولانا محمد ادریس  
صاحب کو سید الشراح صدر ہوا، بعد میں فرمایا کہ ”حضرت قاری صاحب کو موقع و محل  
کی مناسبت سے قرآن مجید کی آیات کے اختیار و انتخاب پر بہت عبور و کمال حاصل ہے۔“  
حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نے راقم الحروف کو ایک ملاقات میں بتایا کہ  
مولانا قاری محمد طیب صاحب تانجی نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہور  
سے فرمایا کہ قیام پاکستان کے بعد جہاں اور جس مسجد میں بھی نماز پڑھی، قاری امام کے پیچھے پڑھی  
کیا یہ قاری عبید الممالک صاحب کے اثرات نہیں ہیں؟

حضرت لاہوری نے فرمایا ”آپ بجا فرماتے ہیں۔ یہ انہی کے اثرات ہیں۔  
جب کبھی حضرت قاری عبید الممالک صاحب، حضرت لاہوریؒ سے ملنے آتے تو حضرت  
لاہوریؒ ہمیشہ دو زانو بیٹھتے اور حافظ قرآن کے سامنے دو زانو بیٹھا کرتے تھے، حضرت قاری  
صاحب عرض کرتے کہ آپ ایسے نہ بیٹھیں حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ فکر نہ کریں، میں قرآن  
مجید کا ادب کرتا ہوں اور آپ کی ۵۴ سالہ خدمات ہیں، ان کی وجہ سے بھی عزت کرتا ہوں  
قاری سراج احمدؒ بانی دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور اور قاری عبید الممالک،

دونوں ساتھ تھے۔ یہ حضرت لاہوری کے وصال کے بعد کا واقعہ ہے کہ انہوں (قاری سراج احمد)  
نے مجھے (انور) آواز دی اور فرمایا کہ میں نے حضرت تھانویؒ سے سن رکھا تھا کہ حضرت  
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مجلس میں جو بات دل میں آتی تھی۔ حضرت گنگوہیؒ از خود اس  
بات یا دوسرے کا جواب دے دیتے تھے۔ یہی بات ہم نے حضرت لاہوریؒ میں اپنی

اتکھ سے دیکھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ دوسو سا آیا کہ حضرت لاہوریؒ کی داڑھی لمبی ہے، اس کے بارے میں ان سے پوچھیں گے، حضرت قاری صاحب (عبدالمالکؒ) نے فرمایا کہ جب حضرت لاہوریؒ کے ہاں جاتیں گے تو یاد کر دیجیے، پوچھ لیں گے۔ وہاں ہم دونوں نے حاضری دی، مگر حبات نہ ہوئی کہ پوچھیں، حضرت لاہوریؒ اٹھے اور مشکوٰۃ شریف لاکر سامنے رکھ دی۔

”قصوا الشوارب واعفوا للحنی“ مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔ والی حدیث پڑھی اور شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کا حاشیہ پڑھا کہ مختار مذہب یہی ہے۔ ”واعفوا للحنی“ کہ داڑھی بڑھاؤ۔ ہم شرمندہ ہوں کہ ہمارے دل میں یہ بات کیوں آئی۔ اور ہم یہ گھڑوں پانی پڑا۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے عرض کی کہ حضرت میں اپنے دارالعلوم ٹنڈوالہ یار کے لئے ان علماء کو اور حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ کو لایا ہوں۔ حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ آپ نے تو پاک و ہند کے ہر علم دفن کے لوگوں کی چھانٹ جمع کر دی۔

حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی زندگی میں وصیت کی تھی کہ اگر میں حضرت لاہوریؒ کی زندگی میں انتقال کر جاؤں تو میری نماز جنازہ وہی پڑھائیں گے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی یہ آخروی تمنا بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی اور نماز جنازہ حضرت لاہوریؒ نے پڑھائی۔

حضرت لاہوریؒ کو قرآن مجید اور اس کی قرأت سے عشق تھا۔ ۱۹۴۲ء میں حضرت اور والدہ صاحبہ حج کے لئے گئے، وہاں مکہ مکرمہ میں قاری رفعت مصری ایک مجلس قرأت میں ساری رات پڑھتے رہے اور حضرتؒ اور والدہ صاحبہ دونوں ساری رات سنتے رہے۔ اتنے خوش کبھی نہ دیکھے۔

مجھے (انور) کو فرمایا کہ قاری حسن الشاہ المدنی سے قرأت پڑھو اور کوئی ہدیہ



بھی ضرور پیش کرنا۔ چنانچہ میں نے انہی سے تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ حضرت قاری حسن المدنی نے مجھ سے ایک ملاقات میں پوچھا کہ کیا آپ کے والد کی قبر سے خوشبو آتی تھی۔ میں نے ہاں میں جواب دیا تو فرمایا کہ انہوں نے قرآن کی خدمت کی، رائجہ طیبہ کیوں نہیں نکلے گی۔ میں (حسن) نے حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر حاضری دی تو بھی خوشبو آتی ہے۔ اب جسے روحانی زکام ہو اسے کیسے آسکتی ہے۔

حکیم محمد عمران خان لکھتے ہیں:-

**مدرسہ فرقانیہ** اس مدرسہ کے بانی مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ ہیں۔ اس مدرسہ کے قیام سے پہلے ٹونک میں تجوید قرآن کی تعلیم کا عام رواج نہ تھا۔ مولانا کو اس کمی کا احساس ہوا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں موصوف نے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے نام پر ٹونک میں یہ مدرسہ قائم کیا۔ مولانا مرحوم کا لگایا ہوا یہ پودا ماشاء اللہ اب تک سرسبز و شاداب ہے۔ قیام مدرسہ کے بعد یہ فن اس علاقہ میں بہت پھیلا اور اس مدت میں بے شمار قراء حفاظ اور علماء اس مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلے۔ استاذ القراء قاری عبدالمالک صاحب لکھنؤ، قاری مصطفیٰ صاحب مکی، قاری سابق صاحب اور قاری حبیب اللہ صاحب افغانی وغیرہ اساتذہ فن نے اس مدرسہ میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔



مولانا محمد سلیم لکھتے ہیں:-

”یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے طول و عرض میں جہاں کہیں فق  
تجدید مسئلہ اور قرارداد، سب سے کاچر چا دکھائی دیتا ہے یقیناً بالواسطہ یا بلاواسطہ  
وہ مدرسہ مولفیتہ (مکتبہ) کافیض ہے۔ مدرسہ مولفیتہ کے تعلیم یافتہ طلبہ جنہوں نے  
ہندوستان (قدیم) میں تجوید و قرأت کی ترقی و تعلیم میں خاص حصہ لیا۔ ان میں خصوصیت کیساتھ  
قرارد فیل قابل ذکر ہیں۔

- ۱۔ مولوی قاری محمد سلیمان صاحب مرحوم علوی بھوپال (ڈاکٹر کیمٹر محکمہ تعلیم بھوپال)
  - ۲۔ قاری سید حسن صاحب دجانبہ ضلع رتھک
  - ۳۔ قاری عبدالرحمن صاحب مرحوم اجیہ دار العلوم الہ آباد
  - ۴۔ قاری عبدالخالق صاحب مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور
  - ۵۔ قاری ابراہیم رشید خطیب مکہ مسجد حیدر آباد
  - ۶۔ قاری عبدالحیہ خان صاحب دارالعلوم دیوبند
  - ۷۔ قاری عبدالمالک صاحب مدرسہ قرآنیہ لکھنؤ
  - ۸۔ قاری فیض عالم صاحب گولڑا، راولپنڈی
  - ۹۔ قاری محمود یار صاحب بھوپال (مستقیم و صدر مدرس مدرسہ عبیدیہ تجوید القرآن بھوپال)
  - ۱۰۔ قاری مسیح اللہ صاحب ملتان
  - ۱۱۔ قاری میراں شاہ مرحوم معلم تجوید دارالعلوم ندوہ لکھنؤ
  - ۱۲۔ قاری مولانا جنید الدین صاحب ہتھم مدرسہ باقیات الصالحات مدراس
  - ۱۳۔ قاری حمید الدین صاحب بانی مدرسہ تجوید سنہیل ضلع سراد آباد
  - ۱۴۔ مولوی قاری سید مرتضیٰ حسینی صاحب بمبئی۔
- مولوی محمد مسعود شمیم نے چند اور ناموں کا اضافہ کیا ہے:

۱۵۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۱۶۔ قاری محمد صدیق صاحب مرحوم دہلی

۱۷۔ قاری محمد میاں صاحب مرحوم لدھیانہ۔

۱۸۔ قاری خلیل الرحمن صاحب مرحوم ڈھاکہ

۱۹۔ حافظ قاری محمد صغیر مرحوم کمرہ بنگال

۲۰۔ قاری محمد اکرم نعمانی کابل۔

۲۱۔ قاری فیض الحسن مرحوم دہانہ۔

۲۲۔ قاری بدرالاسلام مرحوم کبیرانہ

۲۳۔ قاری عبداللہ رشید مرحوم۔ ۱۷

ہندو پاک کے طول و عرض میں جہاں کہیں بھی قرآن کریم کی خدمت ترقیل و  
تجوید کیساتھ کی جا رہی ہے وہاں کے اکثر اساتذہ کو حضرت قاری صاحب موصوف سے  
بالواسطہ یا بلاواسطہ شرف تلمذ حاصل ہے۔ ۱۸



مولانا داؤد غزنوی قاری صاحب (عبدالماجد ذاکر) کو راستہ میں ملے اور فرمایا  
 کہ حضرت اپنی زندگی میں اتنے حسین نہ تھے اگر چہ ظاہری وجاہت بدرجہ اتم موجود تھی  
 لیکن وفات کے بعد آپ کے چہرہ پر جو حسن تھا وہ قابل دید تھا۔



## قاری محمد عبدالماجد ذاکر

عربوں سے طبعاً بے انتہا محبت تھی۔ اسی لیے جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر بھی ہوتا ہے، کبھی عرب صاحب آجاتے تو بے انتہا مسرت

ایک عرصہ سے سعودی عرب کے پایۂ تخت ریاض میں مقیم ہیں، وہاں کی شہریت بھی حاصل ہے۔ ریاض کے مدارس تحفیز القرآن الکریم کے سربراہ ہیں۔ آپ ہی کی کوشش و کاوش سے، آپ کے منتخب کردہ بہت سے پاکستانی قاری آج سعودی عرب کے مختلف حصوں میں پڑھا رہے ہیں اور یہ کام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ آپ کے دورہ مغربی ممالک سے بھی وہاں کے اہل علم و فضل نے بہت استفادہ کیا ہے اور اب ان ملکوں میں بھی تجوید و قرأت کا شوق بڑھ رہا ہے۔ آپ کو اردو اور عربی زبان پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ آپ جامع حوطہ ریاض کے خطیب ہیں۔ اور سعودی عرب میں بھی قد کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ بڑے متواضع خلیق ہلنسار، اور قرآنی اخلاق کا پیکر ہیں۔ راقم الحروف کے بزرگ احباب میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ دین پر چلنے اور کتاب زندہ کی خدمت کی توفیق بخشے اور اپنی مرضیات پر چلائے اور حسن خاتمہ کی دولت سے نوازے۔ آمین۔

آپ کی تلامذہ بھی بکثرت ہیں اور آگے ان سے سیکڑوں قرائانِ فارغ ہو چکے ہیں۔ ان میں قاری عطار اللہ، قاری عبدالملک نقشبندی اور قاری عبدالحلیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شاہ فیصل مرحوم نے آپ کو شہرہ میں سعودی عرب کی مشیت عطا کی۔ سنہ ۱۴۱۰ھ میں کولمبو (سری لنکا) کا سفر کیا۔ ماہ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنایا۔ سنہ ۱۴۱۱ھ میں ملائیشیا کا سفر کیا اور بین الاقوامی مقابلہ حسن قرأت میں پاکستان کی فائیدگی کی شہرہ میں دوبارہ ملائیشیا کا سفر پیش آیا اور انہی مقابلہ حسن قرأت میں مسکرت

محسوس کرتے اور اس کا اظہار فرماتے۔ اور طرح طرح سے ان کی خاطر ملا رات کرتے۔ قاری عبد الوہاب مکی صاحب جب لاہور آئے اور خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ان کی بیاختہ عربی طرزِ ادا میں تلاوتیں سن کر بہت محظوظ ہوئے اور ان کی بہت جھلہ افزائی فرماتے، بسا اوقات ان کی تلاوتوں کی محفلیں آدمی آدمی رات تک جاری رہتیں۔ یا ولدی، یا نبی اپنی دختر شفیعہ بیگم کو تسلی دیتے ہوئے لکھا۔

سعودی عرب کی طرف سے بحیثیت حکم (جج) فرائض انجام دیئے اور اب انشاء اللہ جنوبی امریکہ.... ٹینیسی میں وہاں کے تقریباً ۱۵۰ آئمہ مساجد کو تربیت دینے شوال میں دو ماہ کے لئے براہ راست امریکہ عازم سفر ہو رہے ہیں۔

### قاری ذاکر کے بیگم جو کہ دھلے کے مشہور شخصیت کے

غازی عبدالرشید (شہید) جنہوں نے آریہ سماجی لیڈر شردھانند کو جہنم واصل کیا تھا اور جن کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی کے خاندانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے دادا حضرت مولانا محمد احمد صاحب بھی ہندوؤں کے ہاتھوں خلافت کے دور میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کی دادی عائشہ جو کہ امانی کے لقب سے مشہور محققین اور اپنے تقویٰ اور عبادات میں قائمیت کا درجہ رکھتی تھیں۔ لاہور میں پیسہ اخبار کے علاقہ میں مرجع خلافت تھیں ہر خاص و عام آپ کی خدمت میں دعا کروانے کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ مرحومہ مستجاب الدعوات ہستی تھیں۔ آپ کا چند سال پیش انتقال ہوا اور میانی صاحب کے قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔

قاری ذاکر کی بیگم نے بھی سعودی عرب میں سات سال تک عرب بچیوں کو دینیات (قرآن حدیث توحید فقہ) کی تعلیم دی اور آج بھی ریاض کے مدارس البنات میں کسی بھی مدرسہ کا تقرر آپ کی رائے پر موقوف ہے۔ تجوید و قرأت میں آپ کو بھی مہارت حاصل ہے۔ سلاطین میں منعقدہ مقابلہ قرأت (برائے بنات) میں آپ پورے صوبہ میں اول آتی تھیں۔

بھی یہ

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے  
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

تنہائی گوارا نہیں قدرت کو کسی کی  
دل جس کو دیا ہے اُسے غم ساتھ دیا ہے  
وہی عظمتِ زندگی سے ہیں واقف  
کہ طوفاں سے گزرا ہے جن کا سفینہ

وفات سے کچھ عرصہ پیشتر ملتان روڈ گھر سے مرنگ آتے ہوئے میانی صاحب  
کا قبرستان پڑتا تھا، وہاں سے گزرتے ہوئے اکثر قبروں کے سامنے رک جاتے  
اور فرماتے۔ ”یہ لوگ کتنے آرام میں ہیں، غمہائے زندگی اور تفکراتِ زمانہ سے یکسو  
ہو کر آسودہ ملے ہیں۔ پھر پڑھتے۔“

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں  
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں



## ۱. ٹونک میں آمد کا سبب

مولانا حیدر حسن خاں صاحب الشیخ الحدیث وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ عرصہ سے قاری صاحب کو ٹونک لانے کے لیے کوشاں تھے بالآخر نواب ٹونک سے منظوری حاصل کر کے قاری صاحب کو ٹونک لے آئے۔

مولانا حیدر حسن خاں صاحب موصوف کی مساعی اور مولانا عین القضاۃؒ کے ایما پر مدرسہ فرقانیہ ٹونک کا قیام عمل میں آیا جو تجوید و قرأت اور حفظ قرآن کی تعلیم کے لیے مخصوص تھا قاری صاحب کی ٹونک آمد پر مدرسہ فرقانیہ ٹونک کا افتتاحی جلسہ نواب حافظ ابراہیم علی خان صاحب فرمانروائے ریاست ٹونک کی صدارت میں منعقد ہوا اس جلسہ میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب، مفتی عبدالرحیم صاحب اور ناظم عدالت شرع شریف مفتی اعظم ٹونک و مفتیان عدالت و علمائے شہر اور حفاظ کے علاوہ باشندگان شہر کی ایک کثیر تعداد بھی شریک تھی۔ اس جلسہ میں قاری صاحب نے قرآن سبعہ میں ایک رکوع (واذ ابتلی ابراہیم ربہ الخ) تلاوت فرمایا تلاوت کے بعد نواب ٹونک نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

## ۲. ٹونک سے واپسی

ربیع الاول کے سالانہ جلسہ میں قاری صاحب کو قاری عبدالرحمن صاحب مکی الہ آبادی اور مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ نے مدعو کیا چنانچہ آپ تشریف لے گئے وہاں آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ قاری عبدالرحمن صاحب مکی الہ آبادی اور حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ نے باصرار لکھنؤ میں رہنے پر مجبور کیا۔ قاری عبدالرحمن صاحب نے فرمایا کہ میں اب ضعیف ہو چکا ہوں لہذا مدرسہ کا کام اب تم سنبھالو آخر



مجبور ہو کر آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا اور ٹونک واپس آکر اپنے اہل و عیال کو کھنولے گئے سامان کے لیے مجھ سے فرمایا کہ تم کھنولہ پٹیا دینا چنانچہ اس کی تکمیل کی گئی۔

جب آپ ربیع الاول کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے تو مولانا عین القضاۃؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔

### حضرت قاری صاحب کا

قاری محمد حسن امروہی، قاری سراج احمد اور قاری آل احمد صاحب سے بہت بے تکلفی کا تعلق تھا۔

نظام التجوید۔۔۔ بھی ایک رسالہ آپ کا ہے۔ غیر مطبوعہ اس کی نقل قاری عبدالمالکؒ صاحب نقشبندی کے پاس بھی ہے۔

فرماتے تھے میرا قیام جبل ہندی مکہ پر تھا۔ دوسرے ساتھی جبل بوقیس پر تھا دونوں باری باری پڑھتے اور دونوں ایک دوسرے کی آواز سنتے، اس سے آواز کی قوت اور اُٹھان کا اندازہ ہوتا ہے۔

نصف صدی تک یہ بلبلان خوش نوا۔ اسلامیان بندہ پاک کی قرآنی خدمات انجام دیتے رہے۔ بالآخر بڑے بھائی قاری عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہؒ ۵۹ھ میں اور چھوٹے بھائی حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ ۵۹ھ کے آخر میں واصل بحق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی خدمات کو ثمر قبول بخشنے۔ ان کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنی رضا کا پروانہ عطا کرے آمین۔ آپ کی نماز جنازہ نواں کوت (لاہور) کے باہر میدان میں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہور ٹیبر الزوالہ گیٹ والے مشہور مفسر قرآن نے پڑھائی۔ بآہ حضرتؒ نے عود کہلا بھیجا تھا کہ حضرتؒ حرم کی نماز جنازہ میں پڑھاؤں گا۔ ہزار ہا اسلامیان لاہور نے حضرتؒ لاہوری کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ کیا خوب منظر تھا کہ ایک عظیم مفسر قرآن، حامل معارف قرآن اور محب قرآن۔ ایک خادم قرآن۔ قاری قرآن اور ماہر قرآن کی

نماز جنازہ پڑھا رہا تھا۔ بعد میں دوسری نماز جنازہ اس عاجز و ناکارہ نے مزنگ کے قبرستان والی مسجد میں پڑھائی جس کے بعد حضرت کے جسدِ خاکی کو وہاں ہی منبردار کے احاطہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وہ عندلیبِ خوش نوا جس نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک اسلامیانِ ہندوپاک کو صحیح قرآن پڑھنا سکھایا۔ جس نے سرزمینِ پنجاب میں تجویدِ قرآن کے پودے لگائے اور اپنے خونِ جگر سے ان کو سیراب و سرسبز و شاداب کیا اور جس کی شب و روز کی کوششوں سے پنجاب بھر میں صحیح قرآن پڑھنے کی فضا پیدا ہو گئی۔ بِالْاُخْرِیٰ فِیْ اَعْلٰی سَہْلِ جَالِیْ۔

## اولاد و احفاد

حضرت مرحوم کی تین شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی بالکل عنفوانِ شباب میں ہوئی۔ آپ کی یہ بیوی علی گڑھ سے تھیں۔ طبائع میں اختلاف کی وجہ سے چند ماہ کے بعد ہی علیحدگی ہو گئی۔ دوسری شادی کچھ عرصہ کے بعد سعد آباد میں کی جو علی گڑھ کے مضافات میں واقع ہے ان سے آپ کے دو صاحبزادے عبد القادر صاحب اور عبدالغافر صاحب پیدا ہوئے جبکہ ان کے پہلے مرحوم شوہر سے دو صاحبزادیاں رقیہ صاحبہ اور عائشہ صاحبہ اور ایک صاحبزادہ عبدالقیوم موجود تھے۔ ان سب کی تربیت حضرت قاری صاحب مرحوم نے کی جبکہ القادر صاحب سال گذشتہ اور رقیہ صاحبہ دس سال ہوئے وفات پا چکے ہیں۔ رحمۃ اللہ۔ حضرت مرحوم کی تیسری شادی علی گڑھ میں جناب حمید اللہ صاحب مرحوم کی صاحبزادی نور جہاں مرحومہ سے ہوئی۔ ان سے آپ کے دو صاحبزادیاں رابعہ بیگم اور شفیعہ مرحومہ اور نو صاحبزادے پیدا ہوئے ان صاحبزادوں میں محمد صابر اور محمد فخر کم عمری میں ہی وفات پا گئے سات صاحبزادے اور دونوں صاحبزادیاں بفضلِ خدا بقیدِ حیات ہیں۔

جن کے تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ قاری حافظ عبدالقادر صاحب مرحوم ان کی بیگم : ماجرہ خاتون

اولاد : عبدالمقتدر مرحوم، عبدالحق مرحوم

- منظہرا حسن - نسیم اختر - اظہار حسن - شاداب خاتون - متانت خاتون
- ۲ : قاری حافظ حکیم عبدالغفار صاحب - پہلی بیگم افروز جہاں اولاد : شادبانو راشدہ خاتون دوسری بیگم فاطمہ صاحبہ اولاد : عبدالغفار یثبتیہ خاتون - شادہ خاتون - محمود صاحب
- ۳ : تنیسرے صاحبزادہ حضرت مرحوم : قاری محمد شاکر صاحب الوزندوی اولاد : لبنی بیگم - مرزا بیگم - محمد نادر حماد - محمد فرخ - محمد خرم
- ۴ : حضرت کے چوتھے صاحبزادہ : قاری حافظ محمد طاہر صاحب انکی زوجہ نجمہ صاحبہ اولاد : فوزیہ صاحبہ - یاسمین صاحبہ - عظمیٰ صاحبہ - صفا صاحبہ - محمد انور - محمد اظہار - احمد صاحب ایک صاحبزادی کم عمری میں وفات پا گئیں
- ۵ : حضرت کے پانچویں لڑکے محمد عبدالماجد ذاکر - ان کی زوجہ سرتاج گوہر صاحبہ اولاد : یاسمین صاحبہ - نبیلہ صاحبہ - حسنا صاحبہ - رضوانہ - سلوی - محمد محسن
- ۶ : حضرت کے چھٹے صاحبزادے محمد ناصر ممتاز زوجہ زریہ نور صاحبہ اور عالیہ صاحبہ تہمینہ صاحبہ - عائشہ صاحبہ - محمد عمران
- ۷ : حضرت کے ساتویں صاحبزادے محمد عامر بدر - زوجہ ذکیہ نصرت صاحبہ - اولاد اولاد : سمیرہ صاحبہ فاطمہ صاحبہ - محمد سلیمان صاحب - نبیل صاحب
- ۸ : حضرت کے آٹھویں صاحبزادہ منظور المنان صاحب اولاد منصور احمد خان
- ۹ : حضرت کے نویں صاحبزادہ : مرغوب النعام صاحب
- حضرت کی پہلی صاحبزادی رابعہ بیگم ان کے شوہر باسٹر انعام احمد صاحب : اولاد ارشاد احمد - خالدہ صاحبہ - صفیہ صاحبہ
- حضرت کی دوسری صاحبزادی شفیقہ صاحبہ ان کے شوہر حافظ شفیق احمد : اولاد : شکیل احمد - راشد احمد - واجد احمد - ثریا صاحبہ

في حديث شامل عهد مدارس  
 تحفيظ القرآن داخل المملكة  
 وخارجها كبير المدرسين في  
 مدارس تحفيظ القرآن التابعة  
 للجماعة الخيرية بالرياض

أعمال القابلة  
 محمد نعمان السليبي

وبعد الانتهاء من حفظ القرآن الكريم بدأ يدرس اللغة الفارسية في المدرسة المذكورة انفا كمادة العلماء خاصة، والمسلمين في البلاد عامة نكونها ام اللغة الاردية التي هي لغة المسلمين في شبه القارة الهندية ولوجود كتب علمية كثيرة فيها مؤلفوها باللغة الفارسية ، الكتب التي لا بد من الاطلاع عايتها والرجوع اليها للذين يريدون التزود بثقافة البلاد العامة .

وفي حينه بدأ في دراسة مبادئ التوحيد وعلوم الدين الاخرى في الكتب المؤلفة باللغة الاردية وكانت الفترة هذه من اصعبها لمسلمي البلاد حيث أن البلاد كانت قد حصلت على الاستقلال من الاستعمار الانجليزي وانقسمت الى قسمين نتيجة لمطالبة المسلمين بدولة تخصهم وحدهم يستطيعون أن يعيشوا فيها كمسلمين يحكمون فيها القرآن . وقد سميت الدولة هذه بدولة الباكستان الاسلامية فطار المسلمون فرحا وابتهجوا ايما ابتهاج وبدأوا يهاجرون الى تلك المنطقة من مناطق نائية كانت قد بقيت تحت الهند فكانت عائلته من بين العائلات التي تركت بيوتها وممتلكاتها وهاجرت

في عام ١٩٥٠ م من مدينة لكانا المذكورة التي كانت مهبط رأسه الى المقاطعات التي صارت في الباكستان وقد تحموا المشاق في الطريق وكسبوا أنواع الصعوبات حتى وصلوا الى منطقة السند واستقرت العائلة في مدينة حيدرآباد عاصمة المنطقة المذكورة . وما أن استقر الأمر وهدأت الاحوال حتى التحق بدار العلوم الاسلامية في المدينة المذكورة . وبعد سنوات رأى والده أسكنه الله في جنات النعيم أن ينتقل الى مدينة لاهور فكان أن انتقلوا اليها وطاب مكوثهم فيها لمدة عشر سنوات وقد مضت هذه السنوات المليئة بالتقلبات وقد قوى عوده وبلغ الرشد وهو ينتقل من مدرسة الى اخرى ومن شيخ الى اخر في مدن مختلفة ينهل من كل منهل ماصفا ويهجر ما كدر ويتزود بالعلوم الاسلامية ويتقوى في علوم الفوحيد والقرآن والتفسير والحديث والفقه والمصطلحات واصول الفقه واخيرا انتهى به التجوال ووصل به شغفه لعلوم الشريعة الى المدرسة الاسلامية المعروفة في مدينة كراشي التي كانت تروى غليل محبي العلم من منهل

لتعليم التجويد والقراءة لدرسي  
مدارس تحفيظ القرآن الكريم  
وفي عام ٨٦ هـ نقل إلى  
الرياض عندما فتحت مدارس  
تحفيظ القرآن الكريم التابعة

للجماعة الخيرية تحت رعاية  
فضيلة الشيخ عبد الرحمن  
الفران حفظه الله ليقوم بتدريس  
المدرسين التابعين للجماعة  
المذكورة . ومنذ ذلك الوقت  
وهو قائم بتعليم التجويد  
والقراءات وتحفيظ القرآن في  
أوقات مختلفة من النهار والليل

واليكم الاسئلة الموجهة إلى  
فضيلته تتبعها الاجوبة على  
الترتيب

● ما مدى اهتمام  
المسلمين في شبه القارة  
الهندية بالقرآن الكريم،  
وما هي الطرق التي  
يسلكونها لنشره وترغيب  
الآخرين في تعاليمه ؟

● المسلمون في جميع  
أنحاء العالم الإسلامي يحبون  
كلام الله العزيز جباراً عظيماً  
ويحترمونه احتراماً لا مثيل له  
يحملون في قلوبهم عواطف  
عميقة تجاه كلام ربهم . وهذا  
الحب الشديد هو الذي جعلهم  
أن يهتموا بهذه الدستور الخالد  
والكلام المجز في كل عصر من

صاف عذب تحت رعاية العالم  
الجليل والداعية الإسلامي  
الكبير فضيلة الشيخ محمد  
يوسف البنوري حفظه الله مع  
الإسلام بوجوده إلى أمد طويل  
فأكمل فيها ما كان ناقصاً  
وأخذ فيها ما كان باقياً من  
العلوم المذكورة .

وقد أخذ القراءات السبع  
من والده الشيخ محمد عبد  
المالك رحمه الله الذي كان يعتبر  
إمام الهند في القراءات السبع  
بل العشر في الديار الهندية .  
وهو بقراً غالباً على رواية  
حفص وأحياناً على القراءات  
السبع وقد أخذ الإجازة في  
رواية حفص عن الإمام عاصم  
أبي النجود الكوفي رحمه الله  
وكذلك في القراءات السبع  
وقد بدأ بتدريس علوم  
التجويد والقرآن في مدرسة  
تجويد القرآن بمدينة لاهور وذلك  
في عام ١٩٥٥ م ثم عين بعد  
استمراره في عمله المذكور لمدة  
ست سنوات كبير المدرسين  
بمدرسة دار الزميل المركزية  
بلاهور وبعد مضي سنتين في  
الدار المذكورة جاء إلى مكة  
المكرمة للقيام بتدريس القرآن  
الكريم والتجويد والقراءة وبعد  
سنة نقل إلى مدينة بريند قبالتصيم

المعصور وتعلقوا به في كل زمان . وقد كان هذا الاهتمام الزائد بالقرآن محيطا بكل كان يتعلق به من العلوم سواء كان في حقل ضبط الحروف والكلمات التي نزل بها القرآن او في حقل رسم خط المصحف الذي به رسم القرآن ، او في حقل كيفية النطق والاداء والتلفظ بحروف القرآن والفاظه التي نطق بها وتلفظ القاصد الامين جبريل عليه السلام والرسول صلى الله عليه وسلم وصحابته رضوان الله عليهم اجمعين . وهذا من النزايما التي يفتخر به المسلمون ويرفعون رؤوسهم اعتزازا . اما بالنسبة لمسلمي شبه القارة الهندية فلا اكون مبالغا اذا قلت انهم يتميزون عن المسلمين في البلدان الاخرى بميزات شتى تجاه حفظ القرآن وتعليمه لاولادهم ونوحيهم . . فما ان يرزق في تلك الديار احد من المسلمين بولد حتى يبدأ يفكر في السبل التي يسلكها ليزدان ولده بزيانة القرآن الكريم وتعليمه فاذا بلغ الطفل اربع سنين العمر بدأ يبحث عن معلم مخلص ومرب حكيم يقوم بتعليم ولده وتربيته

وعندما ينتهي من القاعدة البغدادية يبدأ في قراءة جزء عم ثم بقية اجزاء القرآن نظرا وغيا . وبمناسبة الشروع بالسمامة يعقد والد الطفل حفلا بهيجا يدعو اليه اقاربه واحبابه ونهي لهم طاعما شهيا ويوزع على الحضور حلويات وفي اختتام الحفل يقرأ الولد بسم الله الرحمن الرحيم . ثم يرفع جميع الحاضرين ايديهم الى الله ويدعون له بالسداد والرفعة ويعتدرون بالله بشتى عبارات التهنئة والتبريك ثم يواصل الولد في تعلم القرآن وشجع من قبل ذويه حسنا والنقود واخذ الكلمات ، الى ان يحفظ القرآن كله بمزلق كما انه يقوم بتدريس بعض الاخوان في مكتبته ابن تيمية لمدة ساعتين من كل صباح .

الله ومنه في مدة تتراوح بين سنتين وخمس سنين حسب اختلاف مستوى الاطفال في الحفظ والاستيعاب . وعند ذلك يقام مرة اخرى حفل عظيم يضم جميع افراد الاسرة والاخرين تعبيرا عن الفرح بهذه المنحة العظيمة من الله عز وجل . ويبارك الناس والد الطفل الذي تحلى بحلى لا تمنح

القرآن الذي أسسه فضيلة  
الشيخ محمد يوسف سيني  
الباكستاني الرجل المؤمن الذي  
وفقه الله وأثره لخدمة كلمة  
رجل الأعمال المعروف بالقلب

الأكفاء وأولياء الأمور هم الذين  
يتحملون كافة مصاريف هذه  
المراكز القرآنية ونفقاتها من  
الكتب والملابس والطعام  
والادوية وكل ما يحتاج إليه  
الطلبة .

ويحسن بهذه المناسبة ذكر  
مدار نشر القرآن الكريم في  
مدينة كراتشي بالباكستان  
التي لها مدارس كثيرة منتشرة  
في كراتشي وسند وموضوحيهما  
وهناك مشروع خيرى عظيم  
آخر لنشر القرآن وتحفيظهم  
بالقراءة والى به منطقة جوجرانواله  
.. يعرف بمشروع تعليم  
القرآن الذي أسسه فضيلة  
الشيخ محمد يوسف سيني  
الباكستاني الرجل المؤمن الذي  
وفقه الله وأثره لخدمة كلمة  
رجل الأعمال المعروف بالقلب  
بملك الصوف والقطن وصاحب  
مصانع عديدة لانتاج السكر  
والورق المقوى والقماش . فقد  
من الله عليه مع هذه الثروة  
الهائلة بالهداية والتقوى  
والدعوة الى حفظ القرآن  
الكريم والقائم بهذا العمل

بشيء في الدنيا . ولا غرو  
فإن المثوبة العظمى والاكرام  
الفاثق الذين يحظى بهما هذا  
الوالد السعيد يوم القيامة ان  
شاء الله يجعلان الناس يغتبطون  
به على هذا الولد وباركون  
له . فاذا رأى الوالد ابنه يصلى  
بالناس صلوة التراويح ويقرأ  
فيها القرآن غيبا طار فرح  
وصار كله شكرا وحمدا لله  
سبحانه وتعالى على هذه  
النعمة عظيمة الشأن . وهكذا  
نجد المسلمين في تلك الديار  
يهتمون بالقرآن الكريم اهتماما  
بالغا .

ونتيجة لشغف الناس  
بالقرآن وحبهم له واشتغالهم  
بالأكفاء وأولياء الأمور هم الذين  
يتحملون كافة مصاريف هذه  
المراكز القرآنية ونفقاتها من  
الكتب والملابس والطعام  
والادوية وكل ما يحتاج إليه  
الطلبة .

ويحسن بهذه المناسبة ذكر  
مدار نشر القرآن الكريم في  
مدينة كراتشي بالباكستان  
التي لها مدارس كثيرة منتشرة  
في كراتشي وسند وموضوحيهما  
وهناك مشروع خيرى عظيم  
آخر لنشر القرآن وتحفيظهم  
بالقراءة والى به منطقة جوجرانواله  
.. يعرف بمشروع تعليم



واللهو في الاسواق • وذلك  
ففضل الله يؤتیه من يشاء •

● لقد انشغل قس  
هذ العصر كثير من  
الناس عن قراءة القرآن  
وهذا اشارة خطر، حيث  
القرآن هو الذي يليب  
القلوب ويقوم اعوجاجها  
ويضفي عليها بفيض من  
الاثار الطيبة • فما هو  
السبيل الامثل لترغيبهم  
فيه •

● لا شك ان كلام الله هو  
الذي يلين القلوب ويقوم  
اعوجاجها ، وهو الذي يضمن  
للإنشورية السعادة الابدية وما  
قاد سلفنا الصالح العالم  
باسره الى الخير والرشد وما  
سادوا الناس الا بفضل تمسكهم  
بجبل الله المتين وتطبيقهم  
اوامره ونواهيه • وهكذا  
يستطيع القرآن ان يفعل اليوم  
ما فعله بالامس • وما هو  
ينادى المساميين ويرفع صراحته  
العالية ان نعالوا وسردنا العالم  
بالتمسك بنعاله • فان  
المساميين ما اصابهم الدلكة  
والله ان والتكبد والخسران وما  
داهمتهم البلايا والافين وما  
تشتت شملهم وتفرق جمعهم  
وذعبت ريحهم الا من اجعل  
اعراضهم عن نعاليم القرآن •

الجليل • وقد اثمرت جهوده  
المتواصلة بان حفظ القرآن  
الكريم من ابناء المساميين اكثر  
من ثلاثين الف طالب  
ولم يقصر جهوده على  
الباكستان بل توجه قبل  
سنوات الى المملكة العربية  
السعودية وعرض فكرته على  
بعض القيوديين على دينهم  
والمتحمسين لشريعتهم فرحبوا  
به وبفكرته ووقفوا جنبا الى  
جنب لفتح مدارس تحفيظ  
القرآن الكريم في المساجد  
وساهموا في هذه المشاريع  
والخيري العظيمة بنفهم  
وبنفيسهم واول من نبى لهذه  
الدعوة وشهد عضد الشيخ  
المذكور هو المرحوم محمد بن  
لادن وساعد المشروع بخمسة  
الاف ريال شهريا ، كما ان  
الشيخ محمد يوسف نفسه  
ساهم بمقدار المبلغ المذكور •  
ثم تقدم اناس كثيرون وساند  
المشروع كل حسب قدرته •  
حتى انتشرت المدارس لتحفيظ  
انقرآن الكريم في جميع المدن  
الرئيسية وضواحيها • وبدأ  
التلاميذ يتهافستون عليها  
وبنتهزون فرصة فراغهم بعد  
العصر لحفظ القرآن وتعاليمه  
بعد ان كانوا في السابق  
يضيعون اوقاتهم في ما لا  
يفيدهم من اللعب في الشوارع

ان نحدد عهدنا بالقرآن وان



وكذلك ينبغي الاهتمام بصلاة  
التراويح في رمضان ، كما انه  
لا بد من تكريم معلم القرآن  
وتشجيعهم برواتب تعينهم على  
عيشة راضية كريمة

● كثير من اولياء  
الامور لا يهتمون بتعليم  
اولادهم القرآن الكريم .  
الامر الذي يفضي الى ان  
الشباب قد يحصلون  
على شهادات وهم لا  
يجيدون قراءة القرآن رده  
يجدون في قلوبهم الرغبة  
اليه . فهل لكم رأى في  
الموضوع ؟

● من سوء حظ المساهمين ان  
انعدم فيهم الوعي الاسلامي او  
كاد . الامر الذي نتج في عدم  
الاعتناء والاهتمام بالقرآن . .  
والقضية هي اما الاشتغال  
بالاهم والنافع او غير الاهم  
النافع وغير النافع . فهناك  
اناس لا يفرقون بين النافع  
والضرر ، فهم يصرفون همهم  
الى الامور غير النافعة وهناك  
من لهم معرفة وتبصر بهذه  
الاشياء ولكن ضعف الوازع  
الايماي يتغلب على انفسهم  
لنحكي عنهم الالهواء . وهناك  
رجال آخرون ساروا على جادة  
الحق وهم يتمتعون بالتصوير  
الحق القوي والايماي المحرك

نقوم بواجبنا تجاهه . فعلى  
الخطباء والمفكرين والوعاظ  
والمرشدين وعلى اهل القلم  
والادباء ان يبذلوا قصارى  
جهودهم لنشر تعاليم القرآن .  
وعلى اهل الخير والسعة ان  
يفتحوا مدارس جديدة ويدعموا  
القديمة منها ويرغبوا اولاد  
المسلمين في حفظ القرآن  
ونعلمه بجوائز تشجيعية  
سخية ويحثوا الاباء على  
احضار اولادهم الى تلك  
المدارس . ومن المستحسن  
تنظيم مسابقات في حفظ القرآن  
وتعلم علومه المختلفة ، في  
المدارس بين الطلبة وفي  
الدوائر الرسمية بين الموظفين .